خلاصۃ القرآن

وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين ولا يزيد الظلمين إلا خسارا



تالیف
حضرت مولانا محمد اسلم صاحب شیخوپوری

بیت السلام
کراچی ۔ پاکستان

خلاصۃ القرآن

قرآن کے تیس پاروں کے نورانی مضامین کی ایک جھلک

خلاصۃ القرآن

علومِ قرآنیہ کے اُن شائقین کے لیے نعمت بے بہا،
جو مختصر وقت میں اللہ کا پیغام اور کلام سمجھنا چاہتے ہیں

ماہِ رمضان کا خاص تحفہ

تالیف
حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب مدظلہ

بیت السلام
کراچی ۔ پاکستان

قرآن وسنت اور مستند علمی کتب کی معیاری اشاعت کا مرکز

طبع جدید اگست 2010ء

تعداد 2200

ناشر بیت السلام

بیت السلام
کراچی۔ پاکستان

شان پلازہ، نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی
فون: 2038163 موبائل: 0321-3817119

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتسابؒ

چودھویں صدی ہجری کے مشہور ومقبول بزرگ اور عالم دین، اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:

''ایک روز آپ پر تلاوت قرآن پر کیفیت طاری ہوئی، راقم سے فرمایا کہ جو لذت ہم کو قرآن میں آتی ہے، اگر تم کو وہ لذت ذرہ بھر آوے تو ہماری طرح نہ بیٹھ سکو، کپڑے پھاڑ کر جنگل کو نکل جاؤ، آپ نے آہ کی اور حجرہ میں تشریف لے گئے اور کئی روز تک بیمار رہے''۔ مولانا سید محمد علی صاحب نے فرمایا کہ ''میں نے ابتدا میں حضرت سے عرض کیا کہ ہم کو جو مزہ شعر میں آتا ہے قرآن شریف میں نہیں آتا، آپ نے فرمایا کہ ابھی بعد ہے، قرب میں جو مزہ قرآن شریف میں ہے، کسی میں نہیں'' مولوی تجمل حسین لکھتے ہیں کہ مجھ سے فرمایا کہ: ''قرآن شریف اور حدیث پڑھا کرو کہ اللہ میاں دل پر بیٹھ جاتے ہیں''۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ: ''ہم کو اگر قرآن شریف کے بدلے جنت ملے تو منظور نہیں، اگر قرآن شریف ہو تو کیا مضائقہ ہے، ہمارے پاس جنت میں حوریں آئیں گی تو ان سے ہم کہیں گے کہ آؤ بی بی بیٹھ جاؤ، تم بھی قرآن شریف سنو''۔

یہ ناچیز، قرآنی علوم کی خدمت واشاعت کی اس سعی ناتمام کو کتاب مقدس کے اس عاشق صادق کے نام منسوب کرتے ہوئے دعا گو ہے کہ رب کریم ہم ایسے ناقصوں کو بھی اس عشق کا کچھ حصہ عطا فرمادے۔

محتاج دعا
محمد اسلم شیخوپوری

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گزارشات

"الاء الله على هذا العبد الضعيف لاتعدو لاتحصى، واجلها التوفيق لفهم القرآن العظيم، ومنن صاحب النبوة والرسالة عليه الصلوة والسلام على احقر الامة كثيرة، واعظمها تبليغ الفرقان الكريم، لقن النبى صلى الله عليه وسلم القرآن القرن الاول، وهم ابلغوه للقرن الثانى، وهكذا حتى بلغ حظ هذا الفقير كذلك من روايه ودرايه اللهم صلى على هذا النبى الكريم سيدنا ومولانا وشفيعنا، افضل صلوتك، وايمن بركاتك، وعلى آله واصحابه وعلماء امته اجمعين يا ارحم الرحمين"

(اس بندۂ ضعیف پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں جن میں سے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اس نے مجھے قرآن عظیم کے سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائی اور حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احسانات، امت کے اس حقیر فرد پر بہت ہیں۔ جن میں سے سب سے بڑا احسان قرآن کریم کی تبلیغ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرن اول کو قرآن کی تعلیم دی، انہوں نے قرن ثانی تک اسے پہنچایا، یونہی درجہ بدرجہ ہوتے ہوئے اس فقیر کو بھی آپ کی روایت اور درایت سے حصہ ملا۔ اے اللہ! تو اس کریم نبی پر جو ہمارے آقا و مولا اور شفیع ہیں اپنی افضل ترین رحمتیں اور اعلیٰ ترین برکتیں نازل فرما اور آپ کے متبعین، صحابہ اور آپ کی امت کے علماء پر بھی اے ارحم الراحمین! محض اپنے فضل و کرم سے رحمتیں نازل فرما۔)

یہ وہ مبارک خطبہ ہے جس سے امام جلیل شیخ ولی اللہ نور اللہ مرقدہ، نے اصول تفسیر پر مشتمل اپنی مشہور کتاب "الفوز الکبیر" کا آغاز کیا ہے، اس خطبہ میں "لفھم القرآن العظیم" کی بجائے "حب القرآن العظیم" (قرآن عظیم کی محبت) کے الفاظ رکھ دیے جائیں تو اس خطبہ کا ایک ایک لفظ نا چیز کے جذبات کا ترجمان بن جائے گا کیونکہ اس کمترین بندہ کو "فہم قرآن" کا تو نہیں مگر محبت قرآن کا دعویٰ ضرور ہے، اس محبت ہی کے نتیجے میں اس کے دل میں یہ آرزو، دعاء بن کر مچلتی رہتی

ہے کہ وہ قادر و مختار جو ناممکن کو امکان کا اور عدم کو وجود کا لباس پہنا دیتا ہے۔ کاش! وہ کوئی ایسی صورت پیدا فرمادے کہ قرآن کریم کی تلاوت وخدمت اور تدریس واشاعت اس کا اور اس کی اولاد کا اوڑھنا بچھونا بن جائے، اس کا قلم، اس کی زبان، اس کا دل ودماغ بلکہ پورا وجود ہمہ وقت نور قرآن، فیضان قرآن، فہم قرآن اور تفہیم قرآن کے نور سے منور رہے۔

زندگی گزرے تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم معجزہ کے سایہ تلے اور موت آئے تو اسے ورد زباں بناتے ہوئے، کتاب مقدس کے ساتھ یہ تعلق خاطر ہی زیر نظر کتاب کی تالیف کا سبب بنا۔ اصل میں ہوا یوں کہ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ کی آمد کے موقع پر روزنامہ ''اسلام'' کی انتظامیہ نے ''رمضان اسپیشل'' کے نام سے ہر روز ایک مستقل صفحہ شائع کرنے کا ارادہ کیا، اس صفحہ کے لیے دیگر مستقل عنوانات کے علاوہ ایک عنوان ''خلاصۃ القرآن'' بھی منتخب کیا گیا، جس کے لیے مجھے ہر روز ایک پارہ کا خلاصہ لکھنے کا حکم دیا گیا، میں نے اس حکم کو اپنے دل کی آرزو اور سعادت سمجھ کر قبول کرلیا، مقصد یہ تھا کہ نمازی حضرات رات کو تراویح میں جو پارہ سنیں، صبح اس کے پورے مضامین نہ سہی تو چیدہ چیدہ مضامین ہی کا مطالعہ فرمالیں۔

تا کہ ایک حد تک ہی سہی انہیں فہم قرآن کی سعادت حاصل ہوجائے، یہ سلسلہ جو کہ محض عوام کے استفادہ کے لیے شروع کیا گیا تھا اسے نہ صرف یہ کہ عوام میں بلکہ خواص میں بھی بے حد پذیرائی حاصل ہوئی، بعض مساجد میں اس کی فوٹو کاپی کروا کر تقسیم کی جاتی رہی، کئی ائمہ اور حفاظ نے اس صفحہ کی حفاظت کا اہتمام بھی کیا تا کہ ''داشتہ بکار آید'' کے اصول کے تحت اگلے سال اسے نمازیوں کے سامنے پیش کیا جاسکے، مختلف حلقوں کی جانب سے اسے کتابی شکل دینے کی تجویز پیش کی گئی، ناچیز کو بھی یہ تجویز پسند آئی کیونکہ کچھ عرصہ سے مساجد میں رمضان المبارک میں روزانہ خلاصۂ قرآن سنانے کا ایک مفید سلسلہ شروع ہوگیا ہے، جسے ظاہر ہے کہ سراہا جانا چاہیے اور ان حضرات کی قدر کرنی چاہیے جو لوگوں کو قرآنی تعلیمات کے قریب کرتے ہیں۔

لیکن اس میں ایک قابل فکر پہلو یہ ہے کہ کس وناکس نے اپنے اپنے نظریات اور مبلغ علم کے مطابق خلاصہ بتانے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے بلکہ سروے کرنے پر یہ بات سامنے آئی ہے کہ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے کسی دینی جامعہ میں داخل ہوکر اساتذۂ فن سے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی، ایسی صورت میں اگر وہ بے لگام اجتہاد کے گل کھلائیں یا من مانی تفسیریں کریں تو یہ چیز خلاف توقع نہیں ہوگی۔

اس لیے ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس ہورہی تھی جس میں مستند تفاسیر کی مدد سے خلاصۂ قرآن مرتب کردیا جائے جس سے عوام بھی فائدہ اٹھاسکیں اور خواص بھی اسے ماہ رمضان

مبارک میں نمازیوں کے سامنے پیش کرسکیں۔

کس زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں جس نے اپنے کمزور اور عاجز بندے کو وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمادی۔ یہ خلاصہ مرتب کرنے کا بہت زیادہ انحصار علامہ وھبۃ الزحیلی کی ''التفسیر المنیر'' اور خادم کتاب وسنت شیخ محمد علی صابونی کی ''قبس من نور القرآن الکریم'' پر رہا۔ چونکہ ماہ مبارک میں یہ خلاصہ انتہائی عجلت میں لکھا گیا تھا اس لیے میں نے کتابی صورت میں مرتب کرتے ہوئے یکسانیت قائم کرنے کے لیے ابتدائی چار پاروں کا خلاصہ نئے سرے سے لکھا اور باقی پاروں پر نظر ثانی کے علاوہ متعدد مقامات پر نئے مضامین کا اضافہ کیا، اغلاط کی تصحیح کی۔ حتی المقدور کوشش کی گئی ہے۔

پھر بھی کسی بندے کا کام غلطی سے پاک کہاں ہوسکتا ہے، یہ شان تو صرف اس ذات کی ہے جو ہر غلطی، عیب اور نسیان وخطا سے پاک ہے۔ قارئین سے دست بستہ التجا ہے کہ اگر کوئی لفظی یا معنوی غلطی ان کے علم میں آئے تو اس عاجز کو فوراً مطلع فرمائیں۔ تاکہ دوسرے ایڈیشن میں درستگی کردی جائے اس اطلاع سے بندہ کو خوشی بھی ہوگی اور وہ اطلاع کنندہ کے لیے دل سے دعاء بھی کرے گا۔ آخر میں چند معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں: پہلی گزارش تو یہ ہے کہ قرآن کریم کا ہر مضمون اہم ہے۔

اس کتاب ہدایت کی ہر آیت اور ہر لفظ کی تہ میں معانی کا ایک جہاں پوشیدہ ہے، اور صحیح بات تو یہ ہے کہ اس کا خلاصہ ہو ہی نہیں سکتا، خلاصہ کے نام پر آپ کے سامنے جو کچھ پیش کیا جارہا ہے وہ اس کے مطالب ومضامین کی لامحدود دنیا کی ایک جھلک اور بحرِ معانی کے چند قطرے ہیں، یہ جھلک ایک تو ''مالا یدرک کله لایترک کله'' کے اصول کے تحت دکھائی جارہی ہے تاکہ کوئی شخص پورے قرآن کا مطالعہ نہیں کرسکتا تو اس کے مضامین کی ایک جھلک ہی دیکھ لے۔ اس کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس اجمالی مطالعہ کی برکت سے شاید رب کریم اس کے دل میں تفصیلی مطالعہ کا شوق پیدا فرمادے۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ ہمارے ہاں چونکہ تراویح میں پاروں کے حساب سے تلاوت کی جاتی ہے اس لیے خلاصہ بھی پاروں کے حساب سے لکھا گیا ہے، وگرنہ قرآن کریم کی جو تقسیم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی وہ سورتوں کے اعتبار سے تھی، پارہ، نصف، ثلث، ربع اور رکوع وغیرہ کی تعیین اور تقسیم بعد میں کی گئی ہے۔ جب کوئی نئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے فلاں سورت میں رکھنے کا حکم دیتے تھے فلاں پارہ میں رکھنے کا حکم نہیں دیتے تھے، اور ظاہر ہے کسی متعین سورت میں رکھنے کا جو حکم دیا جاتا تھا تو یہ اس کے مضامین کے ساتھ مناسبت

کی وجہ سے تھا، اگر مناسبت پیش نظر نہ ہوتی تو اس آیت کو کسی بھی سورت کے ساتھ جوڑ دینے کا اختیار دے دیا جاتا، پھر ۱۱۴ سورتوں میں اتنا تفاوت بھی نہ ہوتا کہ ایک سورت تو صرف تین آیات پر مشتمل ہے، تو دوسری سورت ۲۸۶ آیات پر مشتمل ہے۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ خلاصہ بیان کرتے ہوئے سورتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے مگر تراویح میں چونکہ پاروں کے حساب سے تلاوت کی جاتی ہے۔ اس لیے ناچیز نے کوشش یہ کی ہے کہ خلاصہ تو سورت کو سامنے رکھ کر ہی لکھا جائے مگر پاروں کی ترتیب کو بھی ملحوظ رکھا جائے، ہر پارہ کے جو خاص خاص مضامین سپرد قلم کیے گئے ہیں ان کے آخر میں آیت نمبر کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے تا کہ اگر کوئی صاحب اس مضمون کا تفصیل سے مطالعہ کرنا چاہیں تو کتب تفسیر میں اس آیت کا مطالعہ کرسکیں۔ (آیت نمبر کا حوالہ سورت کے اعتبار سے ہے پارہ کے اعتبار سے نہیں۔)

آخری گزارش یہ ہے کہ قرآن کریم ایک ایسی عظیم الشان کتاب ہے جس کے ساتھ کسی نوع کا تعلق بھی فائدہ سے خالی نہیں، خواہ وہ اسے محبت کی نظر سے دیکھنے اور ادب واحترام کے ساتھ چھونے کا تعلق ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اس بحرِ بے کنار اور دائمی شجرِ سایہ دار سے مستفید ہونے کے لیے دو چیزیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں ایک تو یہ کہ دل میں اس کی عظمت پوری طرح بیٹھ جائے، ذہن میں یہ بات مستحضر رہے کہ یہ وہ عظیم المرتبت کتاب ہے جس کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے خود رب تعالیٰ نے متعدد بار قسمیں کھائی ہیں۔

آپ صرف ایک قسم ہی ملاحظہ فرمالیں، سورۂ واقعہ میں ہے ”میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کی منزلوں کی اور اگر تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے، کہ یہ بڑے رتبے کا کلام ہے جو کتاب محفوظ میں لکھا ہوا ہے، اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں پروردگار عالم کی طرف سے اتارا گیا ہے کیا تم اس کلام کا انکار کرتے ہو اور اپنا وظیفہ یہ بناتے ہو کہ اسے جھٹلاتے ہو۔“

دوسری بات جو اس مبارک کتاب سے فائدہ اٹھانے میں اہمیت رکھتی ہے وہ اسے سمجھ کر پڑھنا ہے، دلوں کے تزکیہ، اخلاق وعادات کی تطہیر، طرز زندگی کی تبدیلی، برکات کے نزول اور کیفیات کے ورود میں عظمت قرآن کے استحضار اور فہم قرآن کو بہت بڑا دخل ہے۔ دل میں اس کی عظمت بٹھا لینے کے بعد کوشش کریں کہ خود بھی اسے سمجھ کر پڑھیں اور اس نعمت کو عام کرنے کی کوشش بھی فرمائیں، یہ بات اچھی طرح جان لیجئے کہ اس دنیا کا مستقبل، قرآن کے سوا کچھ نہیں، ذہنی پریشانیوں، قلبی بیماریوں، سیاسی اختلافات، باہمی تنازعات، معاشرتی فتنہ وفساد اور معاشی مجبوریوں میں الجھے ہوئے انسان کو ایک نہ ایک دن اس حقیقت کا یقین آ کر رہے گا کہ

اس کے تمام مسائل کا حل صرف قرآن میں ہے، اس کی روحانی تشنگی کا سامان قرآن کے سوا کہیں نہیں ہے۔

آیئے! دنیا بھر کے پیاسوں کو چشمۂ صافی کی راہ دکھانے میں ہم بھی اپنا کردار ادا کریں جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ "خلاصۃ القرآن" کی صورت میں آپ کے سامنے یہ جو حقیر سی کوشش ہے اسے اپنے احباب اور دنیا بھر کے مسلمانوں تک پہنچانے میں ہمارے ساتھ تعاون فرمایئے، ان شاء اللہ تعالیٰ انگلش اور بعض دوسری زبانوں میں بھی اس کے تراجم شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

محتاج دعاء
محمد اسلم شیخوپوری

پارہ 1

سورۃ الفاتحہ...... پہلا پارہ سورۃ فاتحہ مکمل اور سورۂ بقرہ کے کچھ حصہ پر مشتمل ہے، اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ سورۂ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس پر بھی کہ یہ بالکل ابتدائی مکی دور میں نازل ہوئی، یہ سورت سات آیات پر مشتمل ہے، مختصر ہونے کے باوجود اس کتاب مقدس کے اساسی مقاصد اجمالی طور پر آ گئے ہیں، اسی لیے اسے ''ام القرآن'' اور ''اساس القرآن'' بھی کہا جاتا ہے، یعنی قرآن کی بنیاد اس سورت کی حیثیت قرآن کے دیباچہ کی بھی ہے اور خلاصہ کی بھی ہے۔ قرآن کریم کے بنیادی مضامین تین ہیں: توحید، رسالت اور قیامت اس سورت کی ابتدائی دو آیتوں اور چوتھی آیت میں توحید کا مضمون ہے، تیسری آیت میں قیامت کا ذکر ہے، پانچویں اور چھٹی آیت میں نبوت اور رسالت کی طرف اشارہ ہے، یونہی اس سورۂ میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات مذکور ہیں، اسی کی عبادت اور اسی سے استعانت اور استقامت وہدایت کی دعاء کا حکم ہے۔ ایک طرف انبیاء اور صلحاء کا تذکرہ ہے، تو دوسری طرف ان قوموں کی روش سے بچنے کی تلقین ہے جو اپنی علمی اور عملی کج روی کی وجہ سے اللہ کے غضب اور عذاب کی مستحق ہو گئیں۔ یہ دعویٰ بلا خوف تردید کیا جا سکتا ہے کہ سورۂ فاتحہ ایک بے مثال دعاء معارف کا بیش بہا خزانہ اور قرآنی علوم کا ایسا شفاف آئینہ ہے جس میں ایک سو تیرہ سورتوں کی جھلک ہم مختصر وقت میں دیکھ سکتے ہیں، شاید یہ جھلک بار بار دکھانے کے لیے ہی ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سورۃ البقرہ...... سورۂ بقرہ قرآن کریم کی سب سے طویل سورت ہے جو کہ دو سو چھیاسی آیات پر مشتمل ہے۔ سورۂ بقرہ کا اکثر حصہ، ہجرت مدینہ کے بعد بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوا۔ عربی زبان میں بقرہ، گائے کو کہتے ہیں، چونکہ اس سورۂ میں بقرہ کا لفظ بھی آیا ہے اور گائے ذبح کرنے کا واقعہ بھی مذکور ہے اس لیے اسے ''سورۃ البقرہ'' کہا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل کے ایک مالدار شخص کو اس کے بھتیجے نے مال وراثت ہتھیانے کی غرض سے قتل

کردیا، پھر رات کی تاریکی میں نعش اٹھا کر کسی دوسرے کے دروازے پر ڈال دی اور اس پر قتل کا دعویٰ کردیا۔ قریب تھا کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ کے خاندان ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھا لیتے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے انہیں گائے ذبح کرنے اور اس کے گوشت کا کچھ حصہ اس مقتول کے جسم کے ساتھ لگانے کا حکم دیا۔ ایسا کرنے سے مقتول زندہ ہو کر اٹھ بیٹھا اور اس نے اپنے قاتل کی نشاندہی کردی۔ اتفاق سے انہی دنوں بنی اسرائیل کا ایک گروہ مرنے کے بعد کی زندگی کا انکار بھی کررہا تھا، مقتول کے زندہ ہونے سے نہ صرف یہ کہ قاتل کی نشاندہی ہوگئی بلکہ بعث بعد الموت پر ایک حجت بھی قائم ہوگئی۔ علاوہ ازیں مصریوں کے ساتھ طویل عرصہ تک رہنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کے دل میں گائے کی جو عقیدت و محبت رچ بس گئی تھی، گائے ذبح کرنے کا حکم دے کر اس کی تردید اور توہین بھی کردی گئی۔ اس واقعہ کے علاوہ پہلے پارہ میں جو اہم مضامین بیان ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

● ...... اس سورت کی ابتداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی معجزہ ''قرآن کریم'' کے ذکر سے ہوئی ہے، یوں تو آپ کو متعدد حسی اور مادی معجزات بھی عطاء کیے گئے۔ لیکن آپ کا سب سے بڑا معجزہ علمی تھا، اس سورۃ کی ابتداء حروف مقطعات میں سے ''الم'' کے ساتھ ہوئی ہے، ابتداء کا یہ انداز عربوں کے لیے غیر مانوس تھا، اس انداز نے ان کی توجہات اپنی طرف مبذول کرلیں اور وہ توجہ سے بات سننے پر مجبور ہوگئے۔ قرآن کریم کی جن سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے ہوا ہے، وہاں قرآن کریم کی عظمت و صداقت اور اعجاز و حقانیت کا تذکرہ بھی ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے علماء کی ایک بڑی جماعت کی رائے یہ ہے کہ حروف لا کر حقیقت میں، قرآن کو انسانی کاوش قرار دینے والوں کو چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر واقعی قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ساختہ کلام ہے تو تم بھی ان حروف سے جنہیں تم شب و روز استعمال کرتے ہو ایسا ہی کلام بنالو۔ تمہیں اپنی فصاحت و بلاغت اور زبان دانی پر بڑا ناز ہے جس کی وجہ سے تم اپنے مقابلے میں سارے انسانوں کو عجم (گونگے) کہتے ہو۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ نہ کل کے کافروں نے اس چیلنج کو قبول کیا، نہ آج کوئی قبول کرنے والا ہے اور نہ ہی قیامت تک کوئی اسے قبول کرسکے گا۔

● ...... انسانوں کی تین قسمیں ہیں: مومن، کافر اور منافق۔ مومنوں کی نمایاں صفات پانچ ہیں:

① ...... ایمان بالغیب ...... یعنی ان حقائق پر ایمان جن کا حواس سے ادراک نہیں کیا جاسکتا جیسے جنت، دوزخ، حشر اور حساب و جزاء وغیرہ۔

② ...... اقامت صلوٰۃ ...... یعنی نماز کو شروط و آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے مستقل اداء کرتے رہنا۔

③ ...... اداء زکوٰۃ ...... قرآن کریم میں عام طور پر نماز اور زکوٰۃ کا اکٹھے ہی ذکر آیا ہے کیونکہ نماز

اللہ کا اور زکوۃ بندوں کا حق ہے اور انسان کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دونوں قسم کے حقوق ادا نہ کرے۔

④......ان تمام آسمانی کتابوں پر ایمان جو مختلف زمانوں میں انبیاء ورسل پر نازل کی گئیں۔

⑤......آخرت کی ایسی تصدیق جس میں شک کی کوئی ملاوٹ نہ ہو۔ یہاں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا تزکرہ چار آیات میں، کفار کا دو آیات میں اور منافقوں کا تیرہ آیات میں فرمایا ہے، ان تیرہ آیات میں منافقوں کے بارہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں، مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان اوصاف بد سے اپنا دامن بچا کر رکھیں، یہ اوصاف اور علامات درج ذیل ہیں: جھوٹ، دھوکا، عدم شعور، قلبی بیماریاں (حسد، تکبر اور حرص وغیرہ) مکروفریب، سفاہت، احکام الٰہی کا استہزاء، زمین میں فتنہ وفساد، جہالت، ضلالت، تذبذب اور اہل ایمان کا تمسخر۔

● ......حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کا قصہ جو ابلیس لعین کے ساتھ پیش آیا، حقیقت میں یہ ساری انسانیت اور اس دنیا کی ابتداء سے انتہاء تک کا قصہ ہے۔ یہ قصہ حق اور باطل، خیر اور شر کے درمیان دائمی کشمکش کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ قصہ حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت شان بتاتا ہے، انہیں ارضی خلافت عطا کی گئی، ایسے علم سے نوازا گیا جو فرشتوں کے پاس نہیں تھا، ملائکہ کو ان کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا گیا۔ منصب خلافت پر فائز ہونے کی وجہ سے بنو آدم اس امر کے پابند ہیں کہ وہ زمین پر اللہ کے حکموں کو نافذ کریں اور دنیا کا نظام ویسے چلائیں جیسے اللہ چاہتا ہے۔

● ......یوں تو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے۔ لیکن ان کے بارے میں سب سے زیادہ تفصیلی بحث سورۂ بقرہ کرتی ہے پہلا پارہ تقریباً پورا ہی ان کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔

اس تذکرہ میں سب سے پہلے تو یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بے شمار ظاہری اور باطنی، دینی اور دنیاوی نعمتیں عطا فرمائیں مثلاً ان کے اندر کثرت سے انبیاء پیدا فرمائے۔ انہیں دنیاوی خوشحالی عطا کی، عقیدۂ توحید اور ایمان کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ فرعون کے مظالم سے نجات دی، انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں مصر سے ہجرت کی اور فرعون نے ان کا تعاقب کیا تو سمندر میں ان کے لیے راستے بنادیئے اور ان پر ظلم ستم ڈھانے والے کو ان کی نظروں کے سامنے بمع لاؤلشکر غرق آب کر دیا، صحرائے سینا میں وہ بے سروسامانی کے عالم میں تھے، ان کے کھانے کے لیے من وسلویٰ کا اور سایہ کے لیے ٹھنڈے بادلوں کا انتظام فرمادیا۔ پینے کے لیے پانی کی تلاش ہوئی تو پتھر سے بارہ چشمے جاری فرمادیئے۔ اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ

انہوں نے ان نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا اور بتدریج کفرانِ نعمت کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے حق کو چھپایا، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا، بچھڑے کو معبود بنالیا، دشتِ سینا میں بے صبری اور حرص وطمع کا مظاہرہ کیا، اریحاء شہر میں متکبرانہ انداز میں داخل ہوئے۔ جبکہ انہیں عاجزی کے ساتھ داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے انبیاء کو ناحق قتل کیا، بار بار بدعہدی کے مرتکب ہوئے۔ ان کے دل سخت ہو گئے تھے، انہوں نے کلام اللہ میں لفظی اور معنوی تحریف کی، شریعت کے بعض احکام پر وہ ایمان لائے اور بعض کا انکار کرتے رہے، وہ بغض اور حسد کی بیماری میں مبتلا ہو گئے انہیں مادی زندگی سے مبالغے کی حد تک محبت تھی، مقرب فرشتوں سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے، سحر وکہانت میں بے حد دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کے ہاں ایسے علمیات کو قبول عام حاصل تھا جن کے ذریعے میاں بیوی کے درمیان جدائی پیدا کر کے عشق پراز فسق کی راہ ہموار کی جائے، بدعملی کے باوجود جنت کے واحد ٹھیکیدار ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ وہ بڑے وثوق سے کہتے تھے کہ جنت میں صرف وہی جاسکتا ہے جو یہودی ہو اور یہی دعویٰ نصاریٰ بھی کرتے تھے، اس کے ساتھ دونوں یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ صرف ہم ہی حق پر ہیں اور ہمارے مخالف فرقہ کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ (سوچنے اور عبرت ونصیحت کی بات یہ ہے کہ کہیں ان خرابیوں میں سے کوئی خرابی ہم مسلمانوں میں تو نہیں پائی جاتی) یہود پر انعامات اور ان کے کفرانِ نعمت اور جرائم کی تفصیل کے بعد تذکرہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جن کی عظمت شان کو یہود اور نصاریٰ دونوں تسلیم کرتے تھے اور فخریہ طور پر ان کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے، حالانکہ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہوتے تو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ضرور کرتے۔ کیونکہ آپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو مختلف ابتلاؤں اور آزمائشوں میں ڈالا۔ لیکن وہ ہر آزمائش سے سرخرو ہو کر نکلے، والد کی بت پرستی سے بیزاری کا معاملہ ہو، یا قوم سے ٹکراؤ کا، نمرود سے بحث مباحثہ کا مرحلہ ہو یا آگ میں ڈالے جانے اور وطن سے ہجرت کا، بیوی اور بچے کو بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑنے کا حکم ہو یا لختِ جگر کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے کا، اللہ کے خلیل ہر مقام پر ثابت قدم رہے اور ان کے قدموں میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی۔ اسی ثابت قدمی کی برکت تھی کہ ان کی دعائیں قبول ہوئیں۔ مکہ پرامن شہر بنا وہاں کے رہنے والوں کو پھلوں کا رزق میسر آیا اور سب سے بڑی دعا جو قبول ہوئی وہ یہ کہ اللہ نے قریش کی نسل سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔ حضرت خلیل کے مآثر اور مفاخر بیان کرنے کے بعد اللہ فرماتے ہیں کہ ملت ابراہیمی سے وہی شخص اعراض کرسکتا ہے جو شقی، احمق اور خواہشات کا غلام ہو، یہود ونصاریٰ واقعی ایسے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت تو کرتے تھے۔ مگر ان کا زعم باطل یہ تھا کہ نجات

حنفیت کی اتباع میں نہیں ہے بلکہ یہودیت اور نصرانیت کی اتباع میں ہے، اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ انہیں حنفیت یعنی دین اسلام کی طرف دعوت دیں جو کہ تمام انبیاء کا دین ہے، اگر وہ آپ کی دعوت قبول کرلیں تو ہدایت پا جائیں گے اور اگر قبول نہ کریں تو ان کا انکار اور گمراہی کسی دلیل کی بنا پر نہیں ہوگی بلکہ ضد اور عناد کی بنا پر ہوگی تو آپ انہیں عناد کی گندگی میں پڑا رہنے دیں، اللہ ان سے نمٹ لے گا، ارشاد ہوتا ہے: ''اگر یہ یہود و نصاریٰ بھی اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو یہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ منہ موڑے رہیں تو اس پر تعجب نہ کرو کیونکہ ضد اور مخالفت ان کی عادت ہے، اگر انہوں نے شرارت کرنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ ان سے عنقریب نمٹ لے گا وہ بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔'' (۱۳۷)

پارہ 2

دوسرے پارہ کی ابتدا ہوتی ہے تحویل قبلہ کے ذکر سے...... اصل میں مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ لیکن آپ کی دلی آرزو یہ تھی کہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا جائے جو کہ ملت ابراہیمی کا ایک حسی اور ظاہری شعار تھا، آپ کی قدیمی آرزو کی تکمیل یوں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کا حکم نازل فرما دیا...... تحویل قبلہ کا حکم نازل ہونے کے بعد یوں تو مشرکوں اور منافقوں نے بھی بے بنیاد اعتراضات اٹھائے۔ لیکن اس معاملے میں یہود پیش پیش تھے وہ بظاہر بڑے تعجب سے لیکن حقیقت میں عناد کی بنا پر کہتے تھے: ''انہیں کس چیز نے اس قبلہ سے پھیر دیا جس کی طرف رخ کر کے یہ پہلے عبادت کیا کرتے تھے''

اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا: ''آپ فرما دیجئے کہ ساری سمتیں خواہ مشرق ہو یا مغرب اللہ ہی کی ہیں''

پس اسے اختیار ہے جس سمت کو چاہے قبلہ مقرر فرما دے، گویا یوں کہا گیا کہ ساری جہات اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، کسی بھی جہت کو دوسری جہت پر اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اور نہ ہی کوئی جہت خود قبلہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، بلکہ وہ اللہ کے حکم سے قبلہ بنتی ہے، لہٰذا تحویل قبلہ کے بارے میں ان کے اعتراضات کی کوئی حقیقت نہیں، یوں بھی اصل اہمیت کسی جہت کی طرف توجہ کو نہیں بلکہ اصل اہمیت اللہ کی طرف توجہ کو حاصل ہے۔ ان آیات کے مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن ادب بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ شدت اشتیاق اور انتظار وحی میں بار بار آسمان کی طرف اپنی مبارک نگاہیں اٹھاتے تو تھے مگر تحویل قبلہ کا سوال نہیں کرتے تھے کہ شاید اللہ کا فیصلہ اور اس کی رضا عدم تحویل ہی میں ہو، شاید اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کا حکم دینے کے فوراً بعد اہل ایمان پر اس نعمت عظمیٰ کا ذکر فرمایا

ہے جو انہیں سراج منیر اور بشیر ونذیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں عطا ہوئی۔ مستقل قبلہ کا تعین بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے اور ہدایت کے لیے عظیم الشان رسول کی بعثت بھی بے مثال احسان ہے۔ (۱۵۱)

تحویل قبلہ کی بحث کو سمیٹتے ہوئے آخری اور فیصلہ کن بات جو ارشاد فرمائی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حقیقی نیکی کا معیار مشرق ومغرب کی طرف رخ کرنا نہیں بلکہ حقیقی نیکی کا معیار یہ ہے کہ عقائد، اعمال، معاملات اور اخلاق سب کا رخ صحیح ہو، اللہ کو راضی کرنے کے لیے صرف چہرے کا رخ ہی نہیں بلکہ دل اور پوری زندگی کا رخ بھی بدلنا ہوگا، ارشاد ہوتا ہے: ''مشرق ومغرب کی طرف منہ کرلینا ہی نیکی نہیں بلکہ حقیقی نیکی تو یہ ہے کہ الخ'' (۱۷۷)

اس آیت کریمہ کو علماء کرام نے بڑی اہمیت دی ہے اور اس سے کم وبیش سولہ قواعد اخذ کیے ہیں۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دین اسلام محض چند ایسی مذہبی رسوم کا نام نہیں ہے جنہیں عبادت خانے اور خانقاہ میں ادا کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس دین کا تعلق زندگی کے ہر شعبے سے ہے، یہ ہر جگہ انسان کے ساتھ رہتا ہے گھر میں بھی اور بازار میں بھی، مسجد میں بھی اور مدرسہ میں، سیاست وحکومت میں بھی اور تجارت ومعاشرت میں بھی، یہ مسلمان کی ہر جگہ نگرانی کرتا ہے اور مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ہر قدم اسے دیکھ کر اٹھائے۔ اس آیت کریمہ کو ''آیت بر'' کہا جاتا ہے اور اس کے بعد جو احکام ومسائل بیان کیے گئے ہیں انہیں ''ابواب ''بر'' کہا گیا ہے، گویا پہلے اجمالی طور پر نیکی کے اصول بتانے کے بعد آگے ان کی جزوی تفصیلات اور احکام ذکر کیے گئے ہیں، یہ احکام مسلمان کی معاشی، معاشرتی، تجارتی، ازدواجی اور جہادی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، یہ احکام ہم اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں (ان میں سے دو حکم ایسے ہیں جو آیت بر سے پہلے ذکر ہو چکے ہیں)

① ...... چونکہ زمانہ جاہلیت میں صفا مروہ پر دو بت رکھے ہوئے تھے جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے اس لیے قبول اسلام کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صفا مروہ کا طواف کرنے سے بچتے تھے، اس لیے فرمایا گیا کہ ان کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (۱۵۸)

② ...... مشرکین از خود بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام ٹھہرا لیتے تھے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ''(حرام وہ چیزیں نہیں جنہیں تم حرام کہتے ہو) بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو صرف ان چیزوں کو حرام کیا ہے، مردار، بہتا ہوا خون، خنزیر کا گوشت اور ہر ایسا جانور جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، البتہ جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر ان میں سے کوئی چیز کھا لے تو اسے کچھ بھی گناہ نہیں ہوگا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کھانے سے مقصد حصول لذت نہ ہو اور نہ ہی قدر ضرورت

سے تجاوز کرے...... واقعی اللہ تعالیٰ بڑا غفور ورحیم ہے۔" (۱۷۳)

③ ...... شریعت اسلامیہ کی بنیاد عدل پر ہے، اسی لیے مسلمانوں پر قصاص فرض کیا گیا ہے یعنی مقتول کے بدلے قاتل کو بھی قتل کیا جائے گا، چاہے مقتول اور قاتل کے درمیان سماجی، خاندانی، مالی اور جسمانی اعتبار سے کتنا ہی تفاوت کیوں نہ ہو، قصاص میں زندگی ہے، قاتل کی بھی اور مقتول کی بھی، جب قاتل کو اپنے جرم کی سزا ملنے کا یقین ہوگا تو وہ شدت غضب کے باوجود اپنا ہاتھ قتل سے روک لے گا اس کے رک جانے سے مقتول اور قاتل بلکہ ان کا خاندان بھی قتل وقتال سے بچ جائے گا، اسلام نے قتل کی سزا میں رحمت اور عدل دونوں چیزوں کو جمع کر دیا ہے، مقتول کے اولیاء اور ورثاء اگر قصاص کا مطالبہ کریں تو یہ عدل ہوگا اور اگر وہ معاف کر دیں یا دیت لینے پر راضی ہو جائیں تو فضل واحسان اور رحمت ہوگی۔ (۱۷۸۔۱۷۹)

④ ...... ایسا صاحب مال جسے اپنی موت قریب آجانے کا احساس ہو جائے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال کے بارے میں وصیت کر جائے۔ (۱۸۰)

⑤ ...... ہر عاقل بالغ مسلمان پر روزے فرض ہیں، روزے اگر واقعی تمام آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے رکھے جائیں تو انسان میں تقویٰ پیدا کرنے کے ساتھ انسانی احساسات کو بھی بیدار کرتے ہیں، جس مہینے میں روزے فرض کیے گئے ہیں اسے یہ خصوصیت اور فضیلت بھی حاصل ہے کہ اس میں قرآن جیسی عظیم الشان کتاب نازل ہوئی۔

⑥ ...... رمضان کی راتوں میں بیوی کے ساتھ جماع جائز ہے لیکن اعتکاف کی حالت میں جائز نہیں۔ (۱۸۶۔۱۸۷)

⑦ ...... کسی بھی باطل اور ناجائز طریقے سے مال کمانا جائز نہیں خواہ وہ جوا ہو یا چوری، غصب اور رشوت ہو یا خرید وفروخت کے ناجائز طریقے۔ (۱۸۸)

⑧ ...... قمری تاریخوں کا استعمال فرض کفایہ بھی ہے اور اسلامی شعار بھی...... کئی عبادات کا مدار ان کی معرفت پر ہے۔ (۱۸۹)

⑨ ...... مسلمانوں پر جہاد وقتال فرض ہے۔ جہاد کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے چونکہ حق اور باطل، خیر اور شر کے درمیان ٹکراؤ ازل سے ہے، اور ابد تک رہے گا، اس لیے جہاد بھی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ جہاد کے لیے ہمیشہ مستعد رہیں اور دشمن کے سامنے کمزوری ظاہر نہ کریں ورنہ جرم ضعیفی کی سزا، مرگ مفاجات کے سوا کچھ نہیں۔ (۱۹۰۔۱۹۵)

⑩ ...... اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن حج بھی ہے، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ پوری دنیا سے مسلمان سال میں ایک بار مساوات کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے بلد حرام میں جمع ہوں اور وہاں اس

کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق حج کے مناسک اور اعمال ادا کریں، حج کا احرام چند مخصوص مہینوں میں باندھا جاتا ہے۔ البتہ عمرہ پورے سال میں کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے، حج کے دنوں میں تجارت اور خرید وفروخت جائز ہے، زمانہ جاہلیت میں مشرکوں نے بہت ساری رسوم اور بدعات کا اضافہ کرلیا تھا، جن میں سے ایک یہ تھی کہ قریش، مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے اور میدان عرفات میں جانا اپنی توہین سمجھتے تھے، انہیں حکم دیا گیا کہ وہ بھی عام لوگوں کی طرح عرفات جاکر واپس آئیں اور اپنے لیے کوئی الگ تشخص ثابت نہ کریں۔ یونہی مشرکین منیٰ میں جمع ہوکر آباؤ اجداد کے مفاخر بیان کیا کرتے تھے انہیں کہا گیا کہ وہ آباء کی بجائے اللہ کا ذکر کریں۔ (۱۹۶۔۲۲۰)

⑪...... انفاق فی سبیل اللہ کے ضمن میں بتایا گیا ہے کہ اہمیت، اس بات کو حاصل نہیں کہ کیا خرچ کیا جاتا ہے، اصل اہمیت اس امر کو حاصل ہے کہ کہاں خرچ کیا جاتا ہے (اور کس نیت سے خرچ کیا جاتا ہے) لہٰذا اللہ کے دیئے ہوئے جان و مال کو صحیح مصرف پر خرچ کرنا ضروری ہے۔ (۲۱۵)

⑫...... جو شخص مرتد ہوجائے اس کے سارے اعمال باطل ہوجاتے ہیں اور وہ جہنم کا حق دار ہوجاتا ہے (اور دنیا میں اس کی سزا یہ ہے کہ اگر وہ سمجھانے کے باوجود باز نہ آئے تو اسے قتل کردیا جائے)۔ (۲۱۷)

⑬...... شراب اور جوا میں اگرچہ ظاہری اور مادی منافع ہیں لیکن ان میں جسمانی عقلی، مالی، اخلاقی اور معاشرتی اعتبار سے جو نقصانات ہیں وہ منافع کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کو "ام الخبائث" یعنی خباثتوں اور گناہوں کی جڑ قرار دیا ہے۔ (۲۱۹)

⑭...... بعض اجتماعی بیماریوں کی نشاندہی کے بعد خاندانی مسائل بیان کیے جارہے ہیں کیونکہ خاندان ہی ایک اچھے معاشرہ کی بنیاد ہے، ان مسائل کی ابتدا ازدواجی تعلقات سے کی جارہی ہے، اس سلسلہ میں پہلا حکم یہ دیا گیا ہے کہ مشرک مردوں اور عورتوں سے کسی صورت بھی نکاح جائز نہیں۔ (۲۲۱) البتہ کتابی عورت کے ساتھ مسلمان مرد کا نکاح ہوسکتا ہے، مگر بہتر یہی ہے کہ کتابیہ کے ساتھ نکاح کی بجائے کسی مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کیا جائے۔ اس حکم قرآنی سے یہ نکتہ سمجھ میں آتا ہے کہ اسلام میں ازدواجی رشتہ کی بنیاد خلق اور دین پر ہے، حسب نسب یا غناء اور حسن وجمال پر نہیں کیونکہ یہ عارضی چیزیں ہیں نہ ہی یہ حقیقی سکون اور راحت کی ضامن ہیں اور نہ ہی سعادت کا سبب بنتی ہیں۔ البتہ ازدواجی زندگی کے سفر میں نیک اور خوف خدا رکھنے والا ساتھی، سفر کے بہت سارے مراحل کو آسان کردیتا ہے، اسی لیے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک خاتون کو قیمتی خزانہ سے تعبیر کیا ہے۔ (ترمذی)

⑮...... حالت حیض میں بیوی کے ساتھ جماع جائز نہیں کیونکہ حیض کے خون میں ایسی نجاست

اور ایسے جراثیم پوشیدہ ہوتے ہیں جن کی وجہ سے میاں اور بیوی دونوں کی صحت خطرہ میں پڑسکتی ہے، البتہ آپس میں بوس وکنار، اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے کی اجازت ہے۔ جبکہ یہودی اس کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے اور نصاریٰ جماع کرنا بھی برا نہیں سمجھتے تھے۔ گویا کہ اسلام نے دوسرے بہت سارے معاملات کی طرح حیض کے معاملہ میں بھی افراط وتفریط کی بجائے اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ (۲۲۳_۲۲۲)

⑯ ...... اگر کسی شخص نے قسم کھالی کہ وہ چار ماہ تک اپنی بیوی کے قریب نہیں جائے گا تو چار ماہ گزرنے پر خود بخود طلاق واقع ہوجائے گی۔ البتہ اگر اس نے رجوع کرلیا تو نکاح باقی رہے گا لیکن قسم کا کفارہ اس پر لازم ہوگا۔ (۲۲۷_۲۲۶)

⑰ ...... سورۃ البقرہ میں جتنی تفصیل کے ساتھ طلاق، عدت اور رضاعت کے مسائل بیان کیے گئے ہیں اتنی تفصیل کے ساتھ کسی دوسری سورت میں بیان نہیں کیے گئے۔ اس سلسلہ میں یہ جان لینا ضروری ہے کہ اللہ کی نظر میں طلاق کے قابل نفرت ہونے کے باوجود مخصوص حالات اور مجبوریوں کی بنا پر طلاق کی اجازت دی گئی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات میاں بیوی میں سے کوئی ایک ایسا ہوتا ہے جو اپنی بداخلاقی، بدکرداری اور باغیانہ رویہ کی وجہ سے گھر کو جہنم بنا دیتا ہے، جہاں سکون نام کو نہیں ہوتا، ایسی صورت میں طلاق کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا، اسلام نے طلاق کی اجازت دینے کے ساتھ اس میں بہت ساری اصلاحات بھی کی ہیں، زمانہ جاہلیت میں طلاق کی کوئی حد مقرر نہیں تھی، سو سو طلاقیں دے کر بھی رجوع کرلیا کرتے تھے۔ اسلام تین سے زائد طلاق کی اجازت نہیں دیتا، دو طلاقوں کے بعد تو رجوع کیا جاسکتا ہے مگر تیسری طلاق کے بعد رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ (۲۲۹)

⑱ ...... شوہر نے مہر کی صورت میں بیوی کو جو کچھ دیا ہو اسے واپس لینے کی اجازت نہیں، البتہ خلع کی صورت میں اجازت ہے، خلع یہ ہے کہ عورت اس شرط پر پورا مہر یا اس کا کچھ حصہ دینے کے لیے آمادہ ہو کہ اسے طلاق دے دی جائے، خلع کے لیے زوجین کی رضامندی ضروری ہے۔ (۲۳۰)

⑲ ...... اگر طلاق یافتہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے مگر کسی وجہ سے اس کے ساتھ بھی نباہ نہ ہوسکے تو وہ اس سے طلاق لینے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے، اسے حلالہ کہا جاتا ہے، آج کل حلالہ کے نام پر جو ڈرامہ کیا جاتا ہے اس کے کرنے والے اور کرانے والے دونوں پر حدیث میں لعنت کی گئی ہے۔ (۲۳۰)

⑳ ...... طلاق کے بعد عورت کو محض اذیت سے دوچار کرنے کے لیے رجوع کرنا جائز نہیں۔ (۲۳۱)

㉑ ...... چونکہ اسلام، عدل اور احسان کا دین ہے جو کہ کسی پر بھی ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔ خواہ بچہ

ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، اس لیے اسلام نے دودھ پیتے بچوں کے حقوق بھی بیان کیے ہیں، آج تو پوری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے کہ ماں کے دودھ کا کوئی نعم البدل نہیں مگر اسلام نے اس وقت ماؤں کو اپنے بچوں کو دودھ پلانے کا حکم دیا تھا جب پوری دنیا جہالت کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی اور ماں کے دودھ کی افادیت کسی کو معلوم نہ تھی، اگر بالفرض میاں بیوی میں جدائی واقع ہو جائے تو بھی دودھ پیتے بچے کی پرورش اور اسے دودھ پلانے کا زیادہ حق ماں ہی کو حاصل ہے، طلاق اور جدائی کی سزا اس معصوم کو دینا جائز نہیں۔ (۲۳۳)

(۲۲)...... طلاق ہو جائے یا شوہر کی وفات کا سانحہ پیش آ جائے دونوں صورتوں میں عورت پر عدت لازم ہے، عدت طلاق تین حیض جبکہ عدت وفات چار ماہ دس دن ہے۔ (۲۲۸_۲۳۴)

(۲۳)...... جو عورت زمانہ عدت میں ہو اس سے نکاح کے بارے میں عہد و پیمان لینا منع ہے۔ البتہ دل میں خواہش رکھنے اور اشارہ کنایہ میں اپنی خواہش کے اظہار کی اجازت ہے۔ (۲۳۵)

(۲۴)...... خاندان اور معاشرہ کی اصلاح اپنی جگہ بے حد اہمیت رکھتی ہے لیکن اس کے لیے حق اور حق کے انصار و اعوان کی بقا ضروری ہے، جہاد کا مقصد حق اور حق کے علمبرداروں کی بقا ہی ہے، اس لیے قرآن کریم میں جہاد پر بڑا زور دیا گیا اور موت کے ڈر سے جہاد سے راہ فرار اختیار کرنے والوں کی شدید مذمت کی گئی ہے، بعض مقامات پر اس حوالے سے امم سابقہ کے قصے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ یہاں دوسرے پارہ کے اختتام پر بھی دو قصے مذکور ہیں۔ پہلا قصہ ایسی قوم کا ہے جو طاعون کی بیماری پھیل جانے کے بعد موت کے ڈر سے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی تھی لیکن یہ فرار انہیں موت سے بچا نہ سکا، اس قصہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ کوئی تدبیر انسان کو تقدیر سے نہیں بچا سکتی۔

دوسرا قصہ بنی اسرائیل اور حضرت طالوت کا ہے جن کی قیادت میں جہادی صفات سے مالا مال تھوڑے سے لشکر نے اپنے سے کئی گناہ بڑے لشکر کو شکست دے دی، یہ قصہ ایسا تھا کہ خود بنی اسرائیل کے بھی صرف خواص ہی کے علم میں تھا، عوام اس سے بے خبر تھے۔ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے تاریخ کی اس بھولی بسری داستان کا بیان ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا رابطہ اس ذات سے ہے، جس کی نظر سے تاریخ کی کوئی کڑی بھی اوجھل نہیں اور یہ کہ آپ واقعی سچے رسول ہیں اسی لیے اس قصہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے "یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں اور بلاشبہ آپ ہمارے رسولوں میں سے ہیں" (اسی آیت پر دوسرے پارہ کا اختتام ہو جاتا ہے)

پارہ 3

سورۃ البقرہ میں تشریعی احکام کے ساتھ نبوت ورسالت کی گواہی دی، یہاں، تیسرے پارہ کے آغاز میں ان خصائص کا ذکر ہے جو بعض انبیاء علیہم السلام کو عطا کیے گئے، کسی کو سیادت وقیادت عطا ہوا، کسی کو بلا واسطہ ہم کلامی کا شرف عطا کیا گیا۔ کسی کی تائید واضح معجزات سے کی گئی، یہ تمام انبیاء علو مرتبہ کے باوجود فضل وشرف میں ایک جیسے نہ تھے بلکہ بعض کو بعض پر فضیلت حاصل تھی، جیسے بعض انبیاء کو دوسرے بعض پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح ان کی امتوں کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ چونکہ بہت ساری خصوصیات اور امتیازات کی بناء پر ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء پر فضیلت حاصل ہے لہٰذا آپ کی امت کو بھی دوسری تمام امتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

انبیاء کے فضائل اور فرق مراتب کو بیان کرتے ہوئے یہ سورت ہمارے سامنے اس آیت کو پیش کرتی ہے جو کتاب اللہ افضل ترین آیت ہے، میری مراد آیت الکرسی ہے جو پچاس کلمات اور دس جملوں پر مشتمل ہے، اس میں سترہ بار اللہ تعالیٰ کا ذکر آیا ہے کہیں صراحۃً اور کہیں اشارۃً۔ تیسرے پارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ قصہ بھی جب انہوں نے نمرود بن کنعان جیسے سرکش اور متکبر بادشاہ کے ساتھ مباحثہ کیا تھا اور وہ قصہ بھی جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ مجھے مردوں کو زندہ کرنے کا منظر دکھایا جائے یونہی حضرت عزیر علیہ السلام کے دل میں ایک تباہ شدہ بستی کو دیکھ کر خیال پیدا ہوا تھا کہ نہ معلوم اس بستی کو دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا چنانچہ خود ان پر سو سال کے لیے موت مسلط کر دی گئی پھر انہیں زندہ کیا گیا۔

سورۃ بقرہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس سورۃ میں پانچ جگہ ''احیاء موتی'' (مردوں کو زندہ کرنے) کا موضوع ذکر کیا گیا ہے۔

① ...... اس مقتول کے واقعہ میں جو گائے کا گوشت جسم کے ساتھ لگنے کے بعد زندہ ہوا تھا۔

(۲)...... بنی اسرائیل کے ان معاندین کے قصہ میں جنہوں نے رؤیت باری کا مطالبہ کیا تھا۔
(۳)...... اس قوم کے قصہ میں جو طاعون سے بچنے کے لیے گھروں سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔
(۴)...... حضرت عزیر اور
(۵)...... حضرت ابراہیم علیہما السلام کے قصہ میں۔

مذکورہ بالا کے علاوہ سورۃ البقرہ میں جو اہم مضامین بیان ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱)...... دین اسلام، انسانیت، انفاق فی سبیل اللہ، اخوت ومحبت اور فضل واحسان کا دین ہے انسانی فلاح کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کی قرآن نے دعوت نہ دی ہو اور نیکی کا کوئی ایسا کام نہیں جس کی اسلام نے ترغیب نہ دی ہو، سورۃ البقرہ میں انداز بدل بدل کر انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے اور اس کے آداب بھی بتائے گئے ہیں۔

سب سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں اور اخلاص کی بنا پر انہیں حاصل ہونے والے ثواب کو اس کاشت کار کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو زمین میں ایک دانہ بوتا ہے اور اس سے سات بالیاں اگ آتی ہیں، ایک ایک بالی میں سو سو دانے ہوتے ہیں۔ یوں کاشت کار زمین کو ایک دانہ دے کر اس سے سینکڑوں دانے واپس لے لیتا ہے۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو اللہ کی رضا کے لیے ایک روپیہ خرچ کر کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں، لاکھوں نیکیاں حاصل کر لیتا ہے۔ (۲۶۱) دوسری طرف وہ شخص ہے جو محض دکھاوے کے لیے صدقہ کرتا ہے اسے اس کسان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو اپنی فصل ایسی چٹان پر بوتا ہے جس پر مٹی کی ہلکی سی تہہ بچھی ہوتی ہے اگر تیز بارش ہو جائے تو مٹی اور بیج دونوں بہہ جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی ساری محنت ضائع چلی جاتی ہے۔ (۲۶۴)

صدقہ خیرات کے شرائط اور آداب بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ''مناسب بات کہہ دینا اور درگزر کرنا ایسے صدقہ خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد دل آزاری کی جائے۔'' (۲۶۳)

دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ ''اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے اور جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا ہے اس میں سے بھی عمدہ چیز ہی خرچ کرو اور ایسی ردی چیز اللہ کی راہ میں دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا جو اگر تمہیں دی جائے تو تم کبھی نہ لو سوائے اس کے کہ تم چشم پوشی کر جاؤ۔ (۲۶۷)

تیسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ ''اگر تم صدقات علانیہ دو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر تم چھپا کر ضرورت مندوں کو دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔'' (۲۷۱)

(۲)...... سورۂ بقرہ میں جو شرعی مسائل بیان کیے گئے ہیں، ان میں ہمارے دور کا ایک اہم

مسئلہ ''حرمت رباء'' بھی ہے، سود خور کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو جنات اور شیاطین کے اثرات کی وجہ سے خبطی اور دیوانہ ہو جاتا ہے، دنیا میں بھی سود خور کا حال خبطیوں اور پاگلوں جیسا ہوتا ہے، قیامت کے دن وہ قبر سے بھی یونہی کھڑا ہوگا، اس کے بعد سود پر ایسی وعید سنائی گئی ہے کہ اس جیسی وعید کسی بڑے سے بڑے گناہ پر بھی قرآن میں نہیں آئی۔ ارشاد ہوتا ہے ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور لوگوں پر تمہارا جو سود باقی رہ گیا ہے، اگر تم واقعی مومن ہو تو اسے چھوڑ دو، لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر تمہارے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔'' (۲۷۸-۲۷۹)

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ قرآن نے صدقہ کے فضائل و آداب بیان کرنے کے بعد ربا کے نقصانات اور تباہ کاریاں بیان کی ہیں، اصل میں صدقہ اور ربا دو متضاد نظام ہیں، صدقہ میں احسان، پاکیزگی اور تعاون کا جذبہ ہوتا ہے۔ جبکہ ربا میں بخل، گندگی اور خود غرضی پوشیدہ ہوتی ہے، صدقہ میں دیا ہوا مال واپس لینے کی نیت نہیں ہوتی جبکہ ربا میں اصل زر سے بھی زیادہ لینے کی شرط ہوتی ہے، صدقہ سے آپس کی محبت بڑھتی ہے جبکہ ربا سے باہمی نفرت میں اضافہ ہوتا ہے، صدقہ کرنے والے کے لیے اللہ کی محبت کا اعلان اور مغفرت کا وعدہ ہے جبکہ سود خور پر لعنت کی وعید اور اعلان جنگ ہے، سود کے نفسیاتی، اخلاقی، معاشی اور معاشرتی نقصانات اتنے واضح ہیں کہ اب سود کے حامی بھی دبی دبی زبان سے ان کا اعتراف کرنے لگے ہیں۔

③ ...... ربا کی حرمت کا حکم بیان کرنے کے بعد دین، تجارت، باہمی لین دین اور رہن کے احکام بیان کیے گئے ہیں، یہ احکام جس آیت کریمہ میں بیان کیے گئے ہیں وہ قرآن کریم کی سب سے طویل آیت ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن، مالی معاملات کو کس قدر اہمیت دیتا ہے اور یہ کہ اسلام دین اور دنیا، عبادت اور تجارت، جسم اور روح سب کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں جو احکام دیے گئے ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

① ...... ادھار کے تمام معاملات میں تحریری دستاویز تیار کر لینی چاہیے۔

② ...... جب ادھار کا معاملہ کیا جائے تو اس کی میعاد ضرور مقرر کر لی جائے اور میعاد بھی ایسی مقرر کی جائے جس میں کوئی ابہام نہ ہو۔

③ ...... دوران سفر اگر دستاویز کی تیاری ممکن نہ ہو تو رہن رکھ کر بھی قرض لیا جا سکتا ہے۔

④ ...... دست بدست تجارت کی صورت میں تحریر ضروری نہیں۔

چونکہ سورۂ بقرہ میں نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ، جہاد، صدقہ، ربا، طلاق اور عدت جیسے متعدد شرعی احکام بیان ہوئے ہیں اس لیے سورت کے اختتام پر یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کسی

بھی انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔" (۲۸۵)

یونہی سورت کا اختتام جامع ترین دعا پر کیا گیا ہے۔ جس میں مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے کہ وہ بارگاہ الٰہی میں یوں درخواست کیا کریں کہ اے اللہ! اگر احکام کی تعمیل میں ہم سے کوئی غلطی ہو جائے تو معاف کر دینا...... جب تک مسلمان، احکام الٰہیہ پر اپنی استطاعت کے مطابق عمل کرنے کے ساتھ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر استغفار کرتے رہیں گے، نیز وہ اللہ تعالیٰ سے دعا اور التجا کرتے رہیں گے تو ان شاءاللہ یہود جیسے انجام بد سے بچے رہیں گے۔

سورۃ آل عمران ...... تیسرے پارہ کے آٹھ رکوع تو سورۂ بقرہ پر مشتمل تھے، اب نویں رکوع سے سورۂ آل عمران کا آغاز ہوتا ہے، یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے، اس میں بیس رکوع اور دو سو آیات ہیں، چونکہ اس سورت میں حضرت عمران علیہ السلام کے خاندان کا قصہ بیان کیا گیا ہے، اس لیے اس کا نام "آل عمران" رکھ دیا گیا، اس سورت کی فضیلت کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دو روشن سورتیں یعنی بقرہ اور آل عمران پڑھا کرو۔"

ان دونوں سورتوں کے مضامین میں حد درجہ مناسبت پائی جاتی ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دو سورتوں کو "زہراوین" (دو روشن چیزیں یا شمس وقمر) قرار دینا بھی ان کے درمیان مناسبت کو ظاہر کرتا ہے۔ علاوہ ازیں ان دونوں سورتوں میں اہل کتاب سے خطاب ہے مگر سورۃ البقرہ میں زیادہ تر روئے سخن یہود کی طرف تھا جبکہ آل عمران میں اصل خطاب نصاریٰ سے ہے، پھر یہ کہ دونوں سورتوں کا آغاز حروف مقطعات میں سے "الم" کے ساتھ ہوا ہے اور دونوں ہی سورتوں کی ابتدا میں قرآن کی حقانیت کو بیان کیا گیا ہے۔

اس سورۂ کی تقریباً اسی آیات اس وقت نازل ہوئیں جب نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وفد میں نصاریٰ کے ساٹھ افراد شامل تھے، وفد کے شرکاء نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مباحثہ کیا اور انہیں معاذ اللہ! اللہ کا بیٹا ثابت کرنے کی کوشش کی اس سلسلہ میں ان کے اس غلط استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ اللہ کے کلام میں دو قسم کی آیات ہیں، بعض آیات وہ ہیں جو اپنی مراد پر دلالت کرنے میں بالکل واضح ہیں، ایسی آیات کو محکمات کہا جاتا ہے، اور قرآن کریم کا غالب حصہ محکمات پر ہی مشتمل ہے، اور دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جن کی حقیقی اور یقینی مراد اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں یا جن میں کسی بھی وجہ سے اشتباہ پایا جاتا ہے، ایسی آیات کو

متشابہات کہا جاتا ہے، جو حق کے متلاشی ہوتے ہیں، وہ ہمیشہ محکمات کی پیروی کرتے ہیں اور جن کے دل میں کجی اور دماغ میں فتور ہوتا ہے وہ متشابہات کی غلط سلط تاویل کرنے اور ان کی مراد تک پہنچنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں...... کلمۃ اللہ اور روح اللہ جیسے الفاظ، متشابہات کی قسم میں سے ہیں، ان متشابہات کی بنیاد پر شرکیہ عقائد کی عمارت کھڑی کرنا، پانی پر نقش بنانے کے سوا کچھ نہیں، توحید اور ایمان کے دلائل بالکل واضح ہیں ان کا انکار وہی شخص کرسکتا ہے جو بصیرت سے بالکل کورا ہو، اس کائنات کی ہر چیز یہاں تک کہ خود باری تعالیٰ، اس کے پاک فرشتے اور نیک علماء توحید کی گواہی دیتے ہیں۔ (۱۸)

جیسے اللہ توحید کی گواہی دیتا ہے، اسی طرح وہ اس بات کی بھی گواہی دیتا ہے کہ اس کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہے، یہود ونصاریٰ کا اس کی حقانیت کے بارے میں جھگڑا کرنا سوائے کفر وعناد کے اور کچھ نہیں۔

اگلی آیات میں مسلسل اہل کتاب کی مذمت کی گئی ہے اور ان کے جرائم بیان کیے گئے ہیں، یہی ہیں جنہوں نے انبیاء کو قتل کیا، خون ریزی کی، اللہ کے نیک بندوں پر مظالم ڈھائے (۲۱)، مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔ (۲۸) کیونکہ اسلام اور کفر کے درمیان کوئی رشتہ اور ناتا نہیں ہے اور کافر کبھی بھی مسلمان کے ساتھ مخلص نہیں ہوسکتا۔

تین عبرت آموز قصے...... اگلی آیات میں سورۂ آل عمران تین عبرت آموز قصے بیان کرتی ہے، یہ تینوں قصے خوارق عادت کے قبیل سے ہیں اور تینوں اللہ کی عظیم قدرت پر دلالت کرتے ہیں، پہلا قصہ حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت کا ہے، جنہیں عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کی زوجہ اور ان کے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا اور یوں بدترین گمراہی کا شکار ہوگئے۔

حضرت مریم علیہا السلام کے والد حضرت عمران، اللہ کے نیک بندے تھے اور آپ کی والدہ "حنۃ بنت فاقوذ" صاحب کردار اور پاک خاتون تھیں، عرصہ تک ان کے ہاں بچہ پیدا نہ ہوا، ایک دن پرندے کو دیکھا کہ وہ اپنے بچے کو دانہ کھلا رہا تھا، دیکھ کر دل مچل گیا، اولاد کی آرزو پیدا ہوگئی اللہ کے حضور دامن پھیلا کر درخواست کی اور نذر مانی کہ اگر تو مجھے اولاد عطا فرمادے تو میں اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کردوں گی، اللہ نے دعا قبول فرمالی، ان کے ہاں بیٹی پیدا ہوگئی، دستور یہ تھا کہ بیت المقدس کی خدمت کے لیے لڑکوں کو قبول کیا جاتا تھا لڑکیوں کو قبول نہیں کیا جاتا تھا، ایک سانحہ یہ بھی پیش آ گیا کہ نومولود بچی کے والد انتقال فرماگئے، اللہ تعالیٰ نے سابق دستور کے خلاف زوجہ عمران کی نذر قبول فرمالی اور اپنے زمانے کے بہترین انسان حضرت

زکریا علیہ السلام کو بچی کی کفالت اور تربیت کے لیے منتخب فرمالیا، حضرت زکریا علیہ السلام نے بچی کی کرامتیں اور بے موسم کا پھل دیکھا تو ایک دن پوچھا ”اے مریم! یہ رزق تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کے ہاں سے آتا ہے، بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے“ (۳۷) معصوم بچی کا ایمانی جواب سن کر حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں بھی اولاد کی آرزو جاگ اٹھی۔ حالانکہ ان کی عمر سو سال سے تجاوز کر چکی تھی اور بیوی بھی بوڑھی ہو چکی تھی، بانجھ تو تھی ہی، لیکن ظاہری اسباب کی مخالف کے باوجود انتہائی عجز وانکساری کے ساتھ اپنے رب سے دعا کی کہ ”اے میرے رب! مجھے اپنی خصوصی عنایت سے نیک اولاد عطا فرما بے شک تو ہی دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے“ (۳۸) اللہ تعالیٰ نے شکستہ دلی سے کی گئی دعا قبول فرمالی اور ایسے بیٹے کی بشارت سنائی جو چار صفات کا حامل ہوگا۔

① ...... ”وہ کلمۃ اللہ“ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرے گا اور آپ پر ایمان لائے گا۔

② ...... وہ علم وتقویٰ اور زہد وعبادت میں سیادت کے مقام پر فائز ہوگا۔

③ ...... وہ انتہائی عفیف ہوگا، قدرت اور قوت کے باوجود عورتوں کے قریب نہیں جائے گا۔

④ ...... اور وہ انبیاء اور صلحاء کی جماعت کا ایک فرد ہوگا۔

تیسرا عبرت آموز قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ہے، اگر حضرت مریم اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا قصہ اس اعتبار سے عجیب اور قدرت الٰہیہ کا نمونہ تھا کہ ان کے والدین بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ چکے تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ عجیب ترین ہے کیونکہ آپ کی ولادت، والد کے بغیر سراسر معجزانہ طریقے پر ہوئی، جب فرشتوں نے حضرت مریم کو بیٹے کی خبر دی تو انہوں نے بڑے تعجب سے کہا: ”میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہوگا حالانکہ مجھے کسی انسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا“

اللہ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ: ”اسی طرح ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے، جب وہ کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے“ (۴۷)

سیدنا مسیح علیہ السلام کو باری تعالیٰ نے مختلف معجزات عطا فرمائے لیکن ان معجزات کو دیکھ لینے کے باوجود یہود کو ایمان قبول کرنے کی سعادت حاصل نہ ہوئی اور انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا عزم کر لیا، دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچانے کی تدبیر کر لی، پھر سب نے دیکھ لیا کہ اللہ ہی کی تدبیر غالب رہی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”انہوں نے بھی تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے اچھا

ہے"(۵۴)

یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معاذ اللہ سولی دے کر قبر میں دفن کردیا تھا، تین دن تک وہیں رہے پھر قبر پھٹی اور آسمانوں پر چلے گئے اور وہاں رب کے عرش پر تشریف فرما ہوگئے، متحدہ ہندوستان میں ایک مدعی نبوت کی اقتداء کرنے والے فرقے کا دعویٰ ہے کہ آپ سولی پر زخمی ہوگئے تھے، آپ کو مردہ سمجھ کر قبر میں دفن کردیا گیا، شاگردوں نے آپ کا علاج کیا جس سے آپ تندرست ہوگئے پھر آپ ہجرت کرکے کشمیر گئے وہیں آپ کا انتقال ہوا، ان تمام دعوؤں کے برعکس قرآن کا دعویٰ اور اہلسنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ یہ ہے کہ آپ کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا تھا، آپ قیامت کے قریب آسمان سے اتریں گے، اور پھر اپنی زندگی پوری فرما کر طبعی موت مریں گے۔ سورۂ آل عمران میں ہے: "جس وقت اللہ نے فرمایا میں تجھے اسی وقت موت دوں گا جو وقت موت کے لیے مقرر ہے اور فی الحال میں آپ کو اپنی طرف اٹھالیتا ہوں اور میں تجھے کافروں کے الزامات سے پاک کیے دیتا ہوں اور تیری اتباع کرنے والوں کو قیامت کے دن کافروں پر غالب کردوں گا"۔(۵۵)

نجران کے وہ عیسائی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بحث ومناظرہ کے لیے مدینہ منورہ آئے تھے جب وہ تمام دلائل سننے کے باوجود حق کا اعتراف کرنے پر تیار نہ ہوئے تو اللہ کے حکم سے آپ نے انہیں مباہلہ کی دعوت دی۔ یعنی یہ کہ تم اپنے اہل وعیال کو لے آؤ میں اپنے اہل وعیال کو لے آتا ہوں پھر ہم مل کر خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو(٦١)

عیسائیوں کا یہ وفد جو ساٹھ افراد پر مشتمل تھا اور اس میں ان کے چودہ انتہائی سربرآوردہ مذہبی رہنما بھی شامل تھے ان میں کوئی بھی مباہلہ کے لیے تیار نہ ہوا بلکہ آپ کو جزیہ دینے پر راضی ہوگئے۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد سورۃ آل عمران تمام اہل کتاب کو خواہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ، ایک ایسے کلمہ پر متفق ہوجانے کی دعوت دیتی ہے جس کی تلقین تمام انبیاء نے کی ہے اور جس کی تعلیم چاروں کتابوں سمیت تمام آسمانی صحیفوں میں دی گئی ہے اور وہ ہے کلمہ توحید: "لا الہ الا اللہ" یعنی ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے۔(٦٤)

یہود ونصاریٰ کی بدعملیوں، بد دیانتیوں اور ان کے جھوٹ اور افتراء کو بیان کرنے کے بعد سورۂ آل عمران بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد لیا تھا کہ اگر ان کی موجودگی میں خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو تم سب آپ پر ایمان لاؤ گے اور اگر تمہاری

موجودگی میں وہ نہ آئے تو پھر تمہارے امتی ان کی اتباع کرنے اور ان پر ایمان لانے کے پابند ہوں گے۔(۸۱)

انبیاء سے عہد، حقیقت میں ان کی امتوں سے عہد تھا مگر افسوس کہ ان انبیاء کی امتوں نے اس عہد کی پاسداری نہ کی اور تصدیق اور مدد کے بجائے وہ تکذیب اور مخالفت پر تل گئے۔

یہ آیت کریمہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو سید الانبیاء ثابت کرتی ہے۔تیسرے پارہ کے اختتام پر اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ ایمان اور کفر دو ایسی ضدیں ہیں جو جمع نہیں ہو سکتیں، اسی لیے ان لوگوں کی سخت مذمت بیان کی گئی ہے جو ایمان سے مرتد ہوجاتے ہیں، ضلالت کو ہدایت پر ترجیح دیتے ہیں اور جن کا حالت کفر میں انتقال ہوجاتا ہے۔

پارہ 4

سورۂ آل عمران میں جن مضامین کو خاص اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ان میں انفاق فی سبیل اللہ کا مضمون بھی ہے، چوتھے پارہ کے آغاز میں اس مضمون کی مناسبت سے ایک اہم ہدایت دی گئی ہے وہ یہ کہ نیکی کا کمال درجہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی پسندیدہ چیزوں کو نہ لگایا جائے، مطلوب تک پہنچنے کے لیے محبوب کی قربانی اور ایثار ضروری ہے۔

اس کے علاوہ جو اہم مضامین چوتھے پارہ میں بیان کیے گئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

① ...... جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کے بجائے کعبہ کو اپنا قبلہ ٹھہرالیا تو اس پر اہل کتاب نے بڑا شوروغوغا کیا۔ وہ کہنے لگے کہ بیت المقدس کعبہ سے افضل ہے اور اسے زمین پر اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر ہونے کا شرف حاصل ہے، اللہ تعالیٰ ان کی تردید فرماتے ہوئے بیت الحرام کی تین خصوصیات بیان فرماتے ہیں۔

پہلی: ...... یہ کہ اس روئے زمین پر کعبہ سب سے پہلی عبادت گاہ ہے۔

دوسری: ...... یہ کہ اس میں ایسی واضح نشانیاں پائی جاتی ہیں جو اس کے شرف اور فضیلت پر دلالت کرتی ہیں جن میں مقام ابراہیم، زمزم اور حطیم شامل ہیں۔

تیسری: ...... یہ کہ جو شخص حرم میں داخل ہوجائے اسے امن حاصل ہوجاتا ہے۔

بعض اللہ والوں کا قول ہے کہ پورے عالم میں کعبہ سے زیادہ شرف والی کوئی عمارت نہیں ہے۔ اس کی تعمیر کا حکم رب جلیل نے دیا، اس کا نقشہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بنایا، اس کے معمار حضرت خلیل علیہ السلام تھے اور معاون اور مزدور کے طور پر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کام کیا۔ دنیا بھر میں یہی وہ عبادت گاہ ہے جس کی زیارت کے لیے سفر کرنے کا مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے۔ جو شخص سفر وغیرہ کے اخراجات برداشت کرسکتا ہو اور وجوب حج کی دوسری شرائط بھی پائی جائیں تو اس پر فوراً حج کرنا فرض ہوجاتا ہے، بلا عذر تاخیر کرنے سے وہ گناہگار ہوگا۔

② ...... مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور گروہ در گروہ تقسیم نہ ہو جائیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حق تقویٰ (ڈرنے کا حق) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے، نافرمانی نہ کی جائے، اسے یاد رکھا جائے، بھلایا نہ جائے، اس کا شکریہ ادا کیا جائے اور کفران نعمت نہ کیا جائے۔

امت مسلمہ تمام امتوں سے افضل اور بہترین امت ہے اور اس کے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دوسری امتوں کے برعکس یہ ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتی ہے جن پر ایمان رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، علاوہ ازیں یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی ہے جو دینی ذمہ داری اور مذہبی فریضہ بھی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''جس کا دل چاہتا ہے کہ اس کا شمار اس امت میں سے ہو اسے چاہیے کہ وہ اس بارے میں اللہ کی شرط کو پورا کرے''

آپ کا ارشاد اسی آیت کریمہ کی طرف ہے جس میں ملت اسلامیہ کی مذکورہ بالا تین صفات بیان کی گئی ہیں۔ جب تک امت میں یہ تین خصوصیات موجود رہیں گی وہ فضیلت اور اللہ کی خصوصی عنایت کا حقدار رہے گی اور اگر خدانخواستہ امت کا کوئی گروہ یا فرد ان تین اوصاف سے محروم ہو گیا تو وہ فضیلت کا حقدار نہیں رہے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو۔ ورنہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر اپنا عذاب مسلط کر دے پھر تم اس سے دعائیں مانگو گے مگر تمہاری دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔'' (ترمذی، ابن ماجہ)

③ ...... منافقین اور کفار سے قلبی دوستی لگانے سے منع کیا گیا ہے اور اس کے چار اسباب بتائے گئے ہیں۔

پہلا: ...... یہ کہ وہ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔

دوسرا: ...... یہ کہ وہ دل سے چاہتے ہیں کہ تمہیں دین اور دنیا کے اعتبار سے مصیبت اور پریشانی لاحق ہو۔

تیسرا: ...... یہ کہ ان کے چہرے اور ان کی باتوں سے تمہارے لیے بغض و عداوت ظاہر ہوتا ہے۔

چوتھا: ...... یہ کہ ان کے دلوں میں جو بغض اور حسد پوشیدہ ہے وہ ان کی علانیہ باتوں سے کہیں زیادہ سخت ہے۔

④ ...... منافقوں کو راز دار اور دلی دوست بنانے سے منع کرنے کے بعد غزوہ بدر کا ذکر ہے جسے

تمام اسلامی غزوات کا تاج ہونے کا شرف حاصل ہے۔اس غزوہ کے شرکاء نے جہاں خود جرأت اور بہادری کی انوکھی مثالیں قائم کی وہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور غیبی مدد کے مظاہر اپنی آنکھوں سے دیکھے، مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی، اسلحہ بھی نہ ہونے کے برابر تھا، اس غزوہ سے دو بڑے سبق مسلمانوں کو حاصل ہوئے۔

پہلا:...... یہ کہ جنگ میں فتح صرف اسلحہ کی کثرت اور افرادی قوت کی بنا پر حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ اس کی بنیادی شرط ایمان ویقین، اتباع اور استقامت ہے۔

دوسرا:...... یہ کہ جب تک مسلمان حق پر ثابت قدم رہیں گے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہیں گے انہیں اللہ کی مدد حاصل رہے گی اور وہ غالب رہیں گے۔

⑤...... غزوہ بدر کا ذکر سورۂ آل عمران میں محض حوالے کے طور پر آیا ہے ورنہ اصل میں یہاں غزوہ احد کا ذکر مقصود ہے جو کہ پچپن آیات میں مکمل ہوا۔ان آیات میں شکست کے اسباب اور حکمتیں بیان کی گئی ہیں، تنبیہ بھی ہے، فہمائش بھی ہے، تنقید بھی ہے، تعریف بھی ہے، جیسا کہ تاریخ اسلام سے معمولی شد بد رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ غزوہ بدر میں قریش ذلت آمیز شکست سے دو چار ہوئے تھے، انہوں نے اس شکست کا انتقام لینے کے لیے بھرپور تیاری کے بعد شوال ۳ھ میں ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی، قریش کا لشکر تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا، جس میں دو سو گھڑ سوار، سات سو زرہ پوش اور تین ہزار اونٹ تھے، پانچ سو عورتیں بھی ساتھ تھیں، قریش کے تین ہزار کے لشکر کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس سواروں کا ایک دستہ اپنے عقب کی پہاڑی پر متعین فرما دیا، اس پہاڑی کو ''جبل الرماۃ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، آپ نے اس دستے کو تاکید فرمادی کہ فتح ہو یا شکست کسی صورت بھی یہاں سے نہ ہٹیں۔ یہاں تک کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے ہماری لاشیں نوچ رہے ہیں تو بھی یہاں سے نہ ہٹنا، سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی مجاہدین کو میدان میں اس طرح پھیلا دیا تھا کہ قریش لشکر دوبدو مقابلہ کرنے پر مجبور ہوگیا اور اس کے لیے اپنے سواروں کو استعمال کرنا ممکن نہ رہا، انفرادی مقابلوں میں قریش کے آٹھ علمبردار قتل ہوگئے جس سے قریشی لشکر کی ہمتیں پست ہوگئیں، حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت ابودجانہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے اسلامی شیروں کے حملے اس قدر شدید تھے کہ مشرکوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، قریشی لشکر کی شکست دیکھ کر ''جبل رماۃ'' کے تیراندازوں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی اور دس مجاہدین کے سوا سب مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہوگئے، خالد بن ولید (اس وقت ابھی

اسلام قبول نہیں کیا تھا) جو کہ اب تک عقب سے حملہ کرنے میں ناکام رہا تھا اسے سنہری موقع ہاتھ آ گیا اور اس نے ''جبل رماۃ'' پر موجود چند تیر اندازوں کو روندتے ہوئے زوردار حملہ کر دیا، اسلامی فوج اس شدید حملے سے غافل تھی، ادھر جب بھاگتے ہوئے قریشی پیادے کے سپاہیوں کو اس حملے کی خبر ملی تو وہ بھی پلٹ پڑے، اب اسلامی لشکر دوطرفہ حملے کا شکار ہو گیا، یوں بظاہر ایک چھوٹی سے غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی، اس لڑائی میں بائیس مشرک قتل ہوئے جبکہ دوسری طرف ستر صحابہ شہید ہوئے، سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی اس میں شامل تھے، قریشی لشکر اس پوزیشن میں تھا کہ اگر اللہ اس کے دلوں کو پھیر نہ دیتا تو وہ اسلامی لشکر کا مکمل خاتمہ کر سکتا تھا۔ لیکن موقع ملنے کے باوجود وہ ادھوری فتح پر ہی اکتفاء کرتے ہوئے مکے لوٹتا ہوا نظر آیا، منافقین نے اپنی فطرت کے مطابق وسوسہ اندازی شروع کی کہ اگر مسلمان حق پر ہوتے تو انہیں ہرگز شکست نہ ہوتی، اس لیے پچپن آیات میں غزوہ احد پر تبصرہ کرنے کے بعد پچیس آیات میں منافقین کا تذکرہ ہے جو فتنہ فساد کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

احد کے شہداء کی تدفین سے فارغ ہونے کے بعد ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان کو ''روحاء'' کے مقام پر پہنچ کر اپنی اس غلطی کا احساس ہوا ہے کہ میں جنگ کے اہداف پوری طرح حاصل کیے بغیر لوٹ آیا ہوں اور اپنے ساتھیوں کی ملامت کی وجہ سے وہ دوبارہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہا ہے، آپ اس کے ارادے کی خبر سن کر خود ہی قریشی لشکر کے تعاقب میں چل پڑے اور ساتھ ہی یہ شرط بھی لگادی کہ تعاقب میں صرف انہی مجاہدین کو جانے کی اجازت ہے جو کل کی جنگ میں شریک تھے، آپ اندازہ کیجئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایمان ویقین اور عزم وفا کا کہ ابھی ابھی ستر شہداء کو دفن کر کے فارغ ہوئے ہیں، زخموں اور تھکاوٹ سے نڈھال ہیں لیکن انہوں نے اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا اور انتہائی سرعت سے سفر کرتے ہوئے مدینہ سے آٹھ میل دور ''حمراء الاسد'' کے مقام تک جا پہنچے، اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دل میں رعب ڈال دیا اور وہ تیزی سے مکہ کی جانب کوچ کر گئے۔ مذکورہ مقام کی مناسبت سے اسے ''غزوہ حمراء الاسد'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس غزوہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جن لوگوں نے جنگ میں زخمی ہونے کے باوجود اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر لبیک کہا ان میں سے جو نیک اور پرہیز گار ہیں ان کے لیے اجر عظیم ہے۔'' (۱۷۲)

(۶)...... سورۂ آل عمران کے آخری رکوع میں ان اہل ایمان کا ذکر ہے جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، ارض وسماء کی تخلیق کے بارے میں غور وفکر کرتے اور اپنے پروردگار سے دعائیں

کرتے ہیں۔(۱۹۰۔۱۹۵)

سورۃ کے اختتام پر فلاح کے چار اصول بیان ہوئے ہیں۔

صبر...... دین پر جمے رہنا اور مشکلات اور مصائب کی وجہ سے دل چھوٹا نہ کرنا۔

مصابرہ...... دشمن کے مقابلے میں دشمن سے زیادہ استقامت اور شجاعت کا مظاہرہ کرنا۔

مرابطہ...... دشمنان دین سے مقابلہ کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھنا۔

تقویٰ...... ہر حال میں اور ہر جگہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔(۲۰۰)

سورۃ النساء...... سورۃ النساء کا تقریباً ایک پاؤ چوتھے پارہ میں آیا ہے، یہ بھی مدنی سورت ہے، اس میں ۱۷۶ آیات ہیں، اسے سورۃ النساء کبریٰ (بڑی سورۃ النساء) بھی کہا جاتا ہے اس کے مقابلے میں اٹھائیسویں پارہ کی سورۂ طلاق کو سورۃ النساء قصری (چھوٹی سورۃ النساء) کہا جاتا ہے، چونکہ اس سورت میں ایسے احکام کثرت سے بیان ہوئے ہیں جو کہ خواتین (نساء) سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے اسے "سورۃ النساء" کا نام دیا گیا ہے، اس سورت کا جو حصہ چوتھے پارہ میں ہے اس میں جو اہم مضامین اور احکام مذکور ہیں وہ درج ذیل ہیں:

① ...... یتیموں کے اموال ان کے حوالے کر دیے جائیں اور انہیں ہتھیانے یا عمدہ مال کو ردی مال سے بدلنے کی کوشش نہ کی جائے

② ...... یہ حکم یتیم بچوں کے بارے میں بھی ہے اور یتیم بچیوں کے بارے میں بھی ہے لیکن عام طور پر یتیم بچیوں کی میراث میں ناجائز تصرف زیادہ کیا جاتا تھا۔

③ ...... چار عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت ہے مگر شرط یہ ہے کہ شوہر ان کے حقوق ادا کرنے کی سکت رکھتا ہو اور ان کے درمیان عدل وانصاف بھی ملحوظ رکھ سکے اگر شوہر ایسا نہیں کرسکتا تو اسے ایک بیوی پر ہی اکتفاء کرنا چاہیے۔

④ ...... تعدد ازواج کا رواج تو اسلام سے پہلے بھی تھا مگر وہ رواج کسی قید اور ضابطے کا پابند نہیں تھا، نہ تعداد متعین تھی اور نہ ہی بیویوں کے درمیان عدل و مساوات کی کوئی شرط تھی، ایک شخص دس دس بلکہ اس سے بھی زیادہ عورتوں سے نکاح کرسکتا تھا، پھر ان میں سے جس کے حقوق چاہتا ادا کرتا اور جسے چاہتا معلق رکھتا، اسے نہ تو طلاق دی جاتی اور نہ ہی اس کے ازدواجی اور معاشی حقوق ادا کیے جاتے اسے آپ زندہ شوہر والی "بیوہ" کہہ سکتے ہیں، اسلام نے تعداد بھی متعین کر دی اور حقوق کی ادائیگی کو بھی فرض کر دیا، یورپ کی لعنتی تہذیب جو پوری دنیا کو اپنے رنگ میں رنگنا چاہتی ہے وہ قانونی اعتبار سے تو ایک سے زیادہ عورتوں سے تعلق رکھنے کو جائز قرار نہیں دیتی البتہ غیر

قانونی طور پر جتنی بھی عورتوں سے تعلق قائم کرلیا جائے اس پر کوئی قدغن نہیں لگاتی، اس افسوس ناک حقیقت کا اعتراف کیسے کیا جائے کہ بہت سے نام نہاد مسلمان بھی ذہنی اور عملی طور پر اسی لعنتی تہذیب کے ہم نوا دکھائی دیتے ہیں۔

⑤ ...... اسلام کا سورج طلوع ہونے سے پہلے عورت کو میراث میں سے کچھ بھی نہیں دیا جاتا تھا، اہل عرب کا مقولہ تھا: ''ہم اسے کیسے مال دیں جو نہ گھوڑے پر سوار ہو سکے، نہ تلوار اٹھا سکے اور نہ ہی دشمن کا مقابلہ کر سکے''

اپنے اس جاہلانہ اصول کی بنیاد پر بچوں اور خواتین کو میراث سے محروم رکھا جاتا تھا، اسلام نے اس ظلم کا خاتمہ کیا اور بچوں اور خواتین کو بھی وراثت کا حق دار قرار دیا، عورت کو حصہ دینا اس پر کسی کا احسان نہیں ہے بلکہ اس کا حق اور اس کا فریضہ ہے جو اسے دیا جاتا ہے۔ (۱۱۔۱۴)

⑥ ...... عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور میراث میں ان کا حصہ بیان کرنے کے بعد ان خواتین کا تذکرہ ہے جن کے ساتھ قرابت، نسبت، مصاہرت (سسرالی رشتہ) یا رضاعت کی وجہ سے نکاح کرنا حرام ہے۔ (۲۳۔۲۴)

پارہ 5

چوتھے پارہ کے آخر میں ان عورتوں کا ذکر تھا جن سے نکاح کرنا حرام ہے، پانچویں پارہ کے شروع میں اسی بحث کو مکمل کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ''ان محرمات کے سوا دوسری عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کرلو بشرطیکہ نکاح سے مقصود عفت قائم رکھنا ہو نہ کہ شہوت رانی، تو جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو ان کا مہر مقرر کیا ہوا ادا کردو۔''

یہ جو آخری الفاظ ہیں کہ ''جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو'' ان الفاظ سے بعض حضرات متعہ کے جواز پر استدلال کرتے ہیں مگر یہ استدلال بالکل باطل ہے، اس آیت میں نکاح شرعی کا ذکر ہے متعہ کا ذکر نہیں ہے، اس میں شک نہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں متعہ کا رواج تھا چونکہ اسلام کے احکام بتدریج نازل ہوئے ہیں، اس لیے ابتدا اسلام میں یہ رواج باقی رہا۔ لیکن بعد میں واضح طور پر اس کی حرمت کا اعلان کردیا گیا، ابن ماجہ میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے لوگو! میں نے تمہیں متعہ کی اجازت دی تھی لیکن اب اللہ نے اسے قیامت تک کے لیے حرام کردیا ہے۔''

اس کے علاوہ جو اہم مضامین اس پارہ میں آئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

① ...... تیسرے رکوع میں گھر کے نظام کو درست رکھنے کے لیے چند بنیادی ہدایات دی گئی ہیں، پہلی ہدایت تو یہ دی گئی ہے کہ گھر میں قوامیت (حاکمیت) اور ذمہ دار ہونے کا درجہ مرد کو حاصل ہوگا، کیونکہ جس جماعت اور جس گھر کا کوئی سربراہ نہ ہو اسے انتشار اور افتراق سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اس سربراہی کا یہ مطلب نہیں کہ مرد کو آقا اور عورت کو لونڈی کا درجہ دے دیا جائے۔ بلکہ ان کا باہمی تعلق ایسے ہوگا جیسے راعی اور رعیت کا ہوتا ہے، دوسری ہدایت یہ دی گئی ہے کہ اگر عورت اکھڑ مزاج، نافرمان اور سرکش ہو تو اسے راہ راست پر لانے کے لیے تین تدبیریں اختیار کی

جاسکتی ہیں:

پہلی تدبیر...... یہ ہے کہ اسے سمجھایا جائے اور سرکشی کے برے نتائج سے خبردار کیا جائے اگر وعظ ونصیحت اس پر اثر نہ کرے تو

دوسری تدبیر...... یہ ہے کہ اس کا بستر الگ کر دیا جائے اور اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے، اگر پھر بھی وہ نہ سمجھے تو انتہائی اقدام کے طور پر اور واقعی سرکشی اور بے راہ روی کی صورت میں حد کے اندر رہتے ہوئے اس کی پٹائی بھی لگائی جاسکتی ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینا مناسب ہوگا کہ قرآن کے مخاطب ہر قسم کے لوگ ہیں، شہری بھی، دیہاتی بھی، جنگلی بھی، صحرائی بھی، شریف الطبع بھی اور اکھڑ مزاج بھی، باکردار بھی اور بدکردار بھی، اسلام نے ہر عورت کی پٹائی کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ صرف اسی عورت کی پٹائی کی اجازت دی ہے جو اس کے علاوہ دوسری کوئی زبان نہ سمجھتی ہو اور ظاہر ہے پسماندہ معاشروں میں ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جو پٹائی کے بغیر راہ راست پر نہیں آتیں۔ لیکن وہ ظالم مرد جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر وحشیانہ انداز میں عورتوں کی پٹائی لگاتے ہیں ان کے اس ظلم اور زیادتی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲)...... گھر اور خاندان کے نظام کو درست رکھنے کی تدابیر بتانے کے بعد پانچویں رکوع میں اجتماعی زندگی کی درستگی کے لیے ہر چیز اور ہر کام میں احسان کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ احسان کی بنیاد باہمی خیر خواہی، امانت، عدل اور رحمدلی پر ہے۔ (۵۸)

حقیقت یہ ہے کہ اسلام، حق، عدل اور مساوات کا دین ہے اور وہ ساری مخلوق کے درمیان عدل کا حکم دیتا ہے یہاں تک کہ کافر کے حقوق بھی غصب کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ عثمان بن طلحہ کا مشہور واقعہ ہے، جو کعبہ کے کلید بردار تھے۔ ان سے فتح مکہ کے موقع پر چابی لی گئی بعض مسلمانوں نے کلید بردار ہونے کا شرف حاصل کرنے کی تمنا ظاہر کی مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں کلید کعبہ واپس کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہی واقعہ ان کے ایمان لانے کا سبب بن گیا پھر وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے جسے مفسرین نے چھٹے رکوع کی بعض آیات کے شان نزول کے طور پر ذکر کیا ہے کہ ایک نام نہاد مسلمان (منافق) اور یہودی کا مقدمہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کیا، منافق نے اپنے حق میں فیصلہ کروانے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا اور آپ نے اس کی گردن اڑادی۔ اس پر منافقین نے بڑا شور غوغا کیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سامنے اس حقیقت کو خوب اچھی طرح واضح کر دیا کہ کسی بھی شخص کا ایمان اس وقت کامل نہیں جب تک کہ وہ اللہ اور رسول کے فیصلوں پر راضی نہ ہو اور یہ بھی بتادیا گیا کہ رسول کی بعثت کا اصل مقصد ہی ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، رسول کی

اطاعت حقیقت میں اللہ کی اطاعت ہے۔ لیکن ظاہر ہے منافقوں کو رسول کی اطاعت بڑی گراں محسوس ہوتی ہے۔ (۶۰۔۶۵)

③ ...... اس کے بعد ساتویں رکوع میں پہلے تو مسلمانوں کو جہاد اور قتال کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ اپنی نیت خالص رکھیں اور صرف اللہ کی رضا اور دین کی سربلندی کے لیے جنگ کریں۔ پھر بڑے جذباتی انداز میں انہیں جہاد کی ترغیب دی گئی ہے کہ آخر تم جہاد کیوں نہیں کرتے جبکہ صورت یہ ہے کہ ظلم وستم کی چکی میں پسنے والے کمزور مرد، خواتین اور بچے اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں کرتے ہیں کہ ''اے ہمارے رب! تو ہمیں اس بستی سے نکال دے جہاں کے لوگ بڑے ظالم ہیں اور اے اللہ! تو کسی کو ہمارا مددگار بنا کر بھیج دے''۔ (۷۵)

چونکہ عام طور پر موت کا خوف جہاد کے میدان میں نکلنے سے ایک بڑی رکاوٹ بنا ہے اس لیے فرمایا گیا کہ موت تو کہیں بھی آسکتی ہے، گھر میں بھی اور مضبوط قلعوں میں بھی، نہ جہاد میں نکلنا موت کو یقینی بناتا ہے اور نہ ہی گھر میں رہنا زندگی کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ (۷۸)

④ ...... جہاد وقتال کے ترغیب کے بعد مسلمانوں کو منافقین کی تدبیروں اور سازشوں سے چوکنا رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ وہ سنگدل گروہ ہے جس نے اسلام کا جامہ زیب تن کر کے ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا۔ مدینہ منورہ میں جو پہلی اسلامی ریاست قائم ہوئی اس کے خلاف سازشوں کا تانا بانا بننے میں بھی یہی گروہ پیش پیش تھا، مسلمان ان حرمان نصیبوں کے بارے میں فیصلہ کرنے میں متردد تھے کہ سورۂ نساء کا وہ حصہ نازل ہوگیا جس میں ان کی ذلت آمیز حرکتوں، خفیہ منصوبہ بندیوں اور بغض وحسد پر مبنی کاروائیوں کا پول کھول دیا گیا اور ان کے بارے میں واضح فیصلہ سنا دیا گیا کہ ان کا اسلام اور مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں تاکہ اہل ایمان اور اہل نفاق کے درمیان حد فاصل قائم ہوجائے اور مسلمان منافقوں کے بارے میں یک آواز ہوجائیں اور ان کے درمیان کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔ باری تعالیٰ کے حاکمانہ بیان کا انداز ملاحظہ فرمایئے، ارشاد ہوتا ہے: ''تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو اور اللہ نے ان کو ان کی حرکتوں کی وجہ سے الٹ دیا ہے''۔ (۸۸)

یعنی اے مسلمانو! تم منافقوں کے بارے میں دو گروہوں میں کیوں تقسیم ہوگئے ہو، ایک گروہ کہتا ہے کہ انہیں قتل کرنا چاہیے کیونکہ وہ ہمارے دشمن ہیں، دوسرا گروہ وہ کہتا ہے کہ ان کے بارے میں نرم پہلو اختیار کرنا چاہیے کیونکہ وہ ہمارے دینی بھائی ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے نفاق اور معصیت کی وجہ سے کفر کی طرف واپس لوٹا دیا ہے۔ اس کے بعد ان کی حقیقت سے پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''وہ (منافق) یہ چاہتے ہیں کہ جیسے وہ خود کافر ہیں تم بھی کافر

بن جاؤ پھر تم دونوں برابر ہو جاؤ۔ پس ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں۔ پس اگر وہ اعراض کریں تو انہیں پکڑو اور جہاں بھی پاؤ انہیں قتل کرو اور کسی کو رفیق اور مددگار نہ ٹھہراؤ۔'' (۸۹)

⑤...... دسویں رکوع میں مومن کے قتل عمد کی سزا بتائی گئی ہے اور اس کے لیے انتہائی سخت لہجہ اختیار کیا گیا ہے، فرمایا گیا: ''جو کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے، اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب ہوا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لیے اللہ نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (۹۳)

اس آیت سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ مومن کو قتل کرنے والا اگرچہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو وہ دائمی عذاب کا مستحق ہے لیکن بالاتفاق یہ ظاہری معنی مراد نہیں ہے، دائمی عذاب کا مستحق صرف وہ شخص ہوگا جو مسلمان کے قتل کو حلال سمجھے گا۔ کیونکہ ایسا سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے اور کافر کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے۔

⑥...... قتل عمد کی سزا بیان کرنے کے بعد دوبارہ جہاد کی اہمیت اور مجاہدین کی فضیلت بتائی گئی ہے اور واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ جو بار بار جہاد کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد امت اسلامیہ کی عزت اور سعادت کا راستہ ہے، اگر امت جہاد سے کنارہ کشی کر لے گی تو اسے ذلت اور رسوائی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

⑦...... جہاد کے ساتھ ساتھ ہجرت کا بھی ذکر ہے کیونکہ ہجرت بھی جہاد کی مختلف قسموں میں سے ایک قسم ہے، چنانچہ گیارہویں رکوع میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص قدرت کے باوجود دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کرے گا اور اس حالت میں اسے موت آ جائے گی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (۹۷)

بعض روایات میں ہے کہ جب آیات ہجرت نازل ہوئیں تو حضرت حمزہ بن قیس رضی اللہ عنہ جو کہ سخت علیل تھے وہ پریشان ہو گئے، چلنے پھرنے کے قابل تو تھے نہیں، اپنے بیٹوں سے کہا کہ مجھے چارپائی پر ڈال کر مدینہ منورہ لے چلو، میں مکہ میں ایک رات بھی نہیں گزاروں گا۔ انہیں چارپائی پر ڈال کر مدینہ لے جانے لگے لیکن مکہ سے نکلتے ہی ان کا انتقال ہو گیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے گھر سے نکل جائے پھر اس کو موت آ پکڑے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہو چکا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (۱۰۰)

⑧...... چونکہ ہجرت و جہاد میں خوف و خطر کا سامنا بھی ہوتا ہے اس لیے بارہویں رکوع میں

صلوٰۃ خوف اور صلوٰۃ مسافر کا ذکر ہے، تیرہویں رکوع میں اس مشہور واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کے مطابق ایک شخص نے چوری کرنے کے بعد ایک یہودی پر بہتان لگا دیا، اس نے اور اس کے اقرباء نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو متاثر کرلیا، قریب تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس یہودی کے خلاف فیصلہ فرما دیتے کہ اللہ پاک نے یہ آیات نازل فرمائیں اور آپ کو ایسے لوگوں کا ساتھ دینے اور ان کے وکالت کرنے سے منع فرمایا۔

ارشاد باری ہے: ’’آپ دغا بازوں کی طرف سے جھگڑا کرنے والے نہ بنیں اور اللہ سے معافی مانگیں، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔‘‘ (۱۰۵۔۱۰۶)

یہ آیات اور یہ واقعہ عدل وانصاف کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے کہ ایک یہودی اور مسلمان (منافق) کے تنازع میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان مسلمان کی طرف ہوا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو نہ صرف تنبیہ کی گئی بلکہ اس تنبیہ کا قیامت تک کے لیے قرآن میں بھی ذکر کردیا گیا۔

ان آیات کے نزول کے بعد یہ شخص جس نے چوری کی تھی مکہ بھاگ گیا اور مرتد ہوگیا، اس لیے پندرہویں رکوع میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا جرم کفر وشرک ہے اور جس کا کفر وشرک پر انتقال ہوجائے اس کی مغفرت کی کوئی صورت نہیں۔ (۱۱۶)

⑨ ...... اس کے بعد متعدد آیات میں انسان کی سرکشی کا سبب بتلایا گیا ہے، وہ یہ کہ اللہ کے مقابلے میں شیطان کی اطاعت کرتا ہے اور وہ اس کو ہدایت کے راستے سے بہت دور لے جاتا ہے۔

⑩ ...... پھر ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا تذکرہ ہے اور یہ ہدایت اسی کو ملے گی جو ان کے راستے کی اتباع کرے گا۔

⑪ ...... سولہویں رکوع میں دوبارہ عورتوں کا تذکرہ ہے جس میں ان پر ظلم کرنے اور ان کے حقوق غصب کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ کہ اگر میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہوجائے تو انہیں آپس میں صلح کرلینی چاہیے کہ صلح ہی سب سے اچھا راستہ ہے۔

⑫ ...... پانچویں پارہ کے آخری رکوع میں دوبارہ منافقین کی مذمت ہے اور انہیں سخت ترین عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

پارہ 6

پانچویں پارہ کے آخر میں منافقوں کی مذمت تھی اور انہیں سخت ترین عذاب کی وعید سنائی گئی تھی۔ اس لیے چھٹے پارہ کے شروع میں یہ بتایا گیا کہ اللہ بری باتوں کے اظہار کو پسند نہیں کرتا مگر ضرر کا خطرہ ہو یا جو ظالم ہو اس کی مذمت کی جاسکتی ہے، لہٰذا اس پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ نے منافقین کی پردہ دری کیوں کی ہے۔ اس کے علاوہ جو اہم مضامین اس پارہ میں مذکور ہیں درج ذیل ہیں:

① ...... منافقین کی مذمت کے بعد یہود کے جرائم کا تذکرہ ہے اس لیے کہ کفر وضلال میں وہ بھی منافقین کے بھائی تھے، ان کے جرائم میں سے ایک جرم یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی اور انہیں باعزت طریقے سے آسمانوں پر اٹھالیا۔ (۱۵۸)

② ...... یہود کے بعد اہل کتاب کے دوسرے گروہ یعنی نصاریٰ کا تذکرہ ہے، جن کا ایک انتہائی غلط عقیدہ یہ تھا کہ خدا ایک نہیں بلکہ تین اقنوم سے مرکب ہے یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس۔ نصاریٰ کو سمجھایا گیا کہ تم اپنے دین میں غلو نہ کرو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے اصل مقام سے نہ بڑھاؤ اور یہ مت کہو کہ خدا تین ہیں (۱۷۱)

پھر جبکہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور عبودیت میں اپنی کوئی ہتک محسوس نہیں کرتے بلکہ عزت محسوس کرتے ہیں تو تم کون ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ٹھہرانے والے۔ (۱۷۲)

③ ...... سورۂ نساء کے اختتام پر دوبارہ اس مضمون کا اعادہ ہے جو اس سورت کے شروع میں بیان ہوا تھا یعنی عورتوں کے معاملے کی رعایت اور قریبی ورثاء کے حقوق کا خیال۔ (۱۷۶)

سورۃ المائدہ ...... سورۃ المائدہ مدنی سورت ہے اور اس میں ایک سو بیس آیات ہیں، چونکہ

اس میں مائدہ (دسترخوان) کا قصہ مذکور ہے اس لیے اس کا نام مائدہ رکھ دیا گیا ہے، یہ سورت ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوئی، بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نزول کے اعتبار سے سورۂ مائدہ آخری سورت ہے، اس سورت میں حلال وحرام کے متعدد احکام اور تین قصے بیان کیے گئے ہیں۔ اس سورت کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں وہ آیت کریمہ بھی ہے جو حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، اس آیت میں تکمیل دین کا اعلان کیا گیا ہے، یہ وہ آیت ہے جس کے بارے میں ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا اے امیر المومنین! اگر یہ آیت ہمارے اوپر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو ''یوم عید'' قرار دے دیتے۔ آپ نے جواب میں فرمایا میں اس دن کو بھی جانتا ہوں اور اس گھڑی کو بھی جانتا ہوں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی وہ عرفہ کی شام اور جمعے کا دن تھا'' گویا ہماری اس دن دو عیدیں تھیں۔ اس سورت کا جو حصہ چھٹے پارے میں آیا ہے اس میں جو اہم مضامین بیان ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

① ...... سورت کی ابتدا میں اہل ایمان کی ہر جائز عہد اور عقد کے پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، خواہ وہ عہد وعقد انسان اور رب کے درمیان ہو یا انسان اور دوسرے انسان کے درمیان ہو۔ گویا یہ آیت ان احکام کو بھی شامل ہے جو اللہ نے بندوں پر فرض کیے ہیں اور بیع شراء، شرکت، اجارہ، نکاح اور قسم جیسے تمام عقود کو بھی شامل ہے، اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے عقد اور عہد کو کتنی اہمیت دی ہے۔

② ...... کھانے پینے کی بہت ساری ایسی چیزوں کی حرمت کا اعلان کیا گیا ہے جنہیں زمانہ جاہلیت میں حلال سمجھا جاتا تھا، کیونکہ ان چیزوں کے کھانے میں صحت وجسم کا بھی نقصان ہے اور فکر ونظر اور دین واخلاق کا بھی نقصان ہے۔ مثلاً مردار، بہنے والا خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے، البتہ اضطرار کی صورت میں جبکہ جان کو خطرہ لاحق ہو ان کا کھانا جائز ہے۔ ان نجس چیزوں کے علاوہ باقی طیبات اور پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ (۳۔۴)

③ ...... حلال اور حرام کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنے اس فضل وانعام کا ذکر کیا ہے کہ اللہ نے انہیں وضو اور غسل کے ذریعے ظاہر وباطن کے اعتبار سے پاک کیا ہے تاکہ وہ روحانی طور پر اللہ کے ساتھ مناجات کے لیے تیار ہوسکیں۔ بندوں پر اللہ کے فضل واحسان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پانی کے استعمال کی قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کی اجازت دی گئی ہے، کیونکہ اسلامی شریعت آسان شریعت ہے۔ اس میں قدم قدم پر بندوں کی مجبوریوں کا لحاظ

رکھا گیا ہے، چنانچہ اس پارہ کے چھٹے رکوع میں فرمایا گیا: ''اللہ تم پر تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کردے اور تمہارے اوپر اپنا احسان پورا کردے تاکہ تم شکر کرنے والے بن جاؤ۔''(٦)

④ ......اس پارہ کے ساتویں رکوع میں یہود کی بزدلی، ان کے فتنہ وفساد، سرکشی اور تکبر کا بیان ہے اوران اوصاف کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنے آپ کوان خرابیوں میں مبتلا ہونے سے بچا کر رکھیں۔ یہود کے ساتھ ساتھ نصاریٰ کے احوال بھی بتلائے گئے ہیں، ان سے بھی اللہ کے حکموں پر قائم رہنے کا وعدہ لیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے اللہ کے عہد کو توڑ دیا جس کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں میں بغض وعداوت ڈال دی۔ باوجودیکہ یہ دونوں گروہ بہت ساری اعتقادی، عملی اور اخلاقی خرابیوں میں مبتلا تھے پھر بھی یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، اس دعوے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ: اگر واقعی تم اللہ کے محبوب ہو تو وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے، (١٨) اس مذمت اور تردید کے بعد انہیں دین حق اور خاتم الانبیاء علیہ السلام پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔

⑤ ......آٹھویں رکوع میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے یہود کو اللہ کے احسانات یاد کرنے کا حکم دیا پھر انہیں ارض مقدس (فلسطین) میں داخل ہونے کی ترغیب دی۔ لیکن ان بدبختوں نے اس ترغیب کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑانا شروع کردیا اور کہا: ''اے موسیٰ! ہم تو اس ملک میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے۔ جب تک کہ وہاں سے عمالقہ نہیں نکل جاتے لہٰذا تم اور تمہارا رب جا کر لڑو! ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔''(٢٤)

⑥ ......بنی اسرائیل کی سرکشی اور نافرمانی کے تذکرہ کے بعد نویں رکوع میں آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، جس کے مطابق قابیل نے حسد کی بنا پر اپنے بھائی کو قتل کردیا، یہی حسد یہودیوں کے اندر بھی پایا جاتا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے خاتم الانبیاء علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا۔

⑦ ......اسی قصہ کی مناسبت سے ڈاکوؤں، باغیوں اور زمین میں فساد پھیلانے والوں کی سزا ذکر کی گئی ہے یعنی کسی کو سولی دی جائے، کسی کو قتل کیا جائے اور کسی کے ہاتھ پاؤں الٹی جانب سے کاٹ دیے جائیں، (٣٣)

پھر دسویں رکوع میں چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ ملک کے امن وتحفظ کے لیے خطرہ بنتے ہیں، لہٰذا ان کو ایسی سزا دینا ضروری ہے جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔ یہاں یہ حقیقت کو بڑی اہمیت دیتا ہے اوران

کے لیے خطرہ بننے والوں کے لیے ایسی عبرت ناک سزائیں تجویز کرتا ہے کہ ان کا تصور ہی انسان کو جرم کے ارتکاب سے روک لے اور ایسے لوگوں کو سر اٹھانے کا موقع نہ ملے جو اجتماعی امن کے لیے خطرہ ثابت ہوں۔ چند ہاتھ کٹنے سے لاکھوں انسانوں کو اگر امن اور سکون میسر آجاتا ہے تو یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ آج کی دنیا جو کہ جرائم کی کثرت کی وجہ سے جہنم کا نمونہ بن چکی ہے، چیخ چیخ کر اسلامی قوانین اور حدود کے نفاذ کی دعوت دے رہی ہے۔

⑧ ...... ڈاکہ زنی، چوری اور فساد کے احکام بیان کرنے کے بعد فسادیوں کے دو بڑے گروہوں کا تذکرہ ہے یعنی منافقین اور یہود، پہلے گروہ کا ذکر اختصار کے ساتھ ہے، اور دوسرے گروہ کا تفصیلی تزکرہ ہے۔ فرمایا گیا: ''اے رسول! آپ کو وہ لوگ غم میں نہ ڈالیں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں، وہ جو اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور ان کے دل مسلمان نہیں اور وہ جو یہودی ہیں، یہ جھوٹ بولنے کے لیے جاسوسی کرتے ہیں اور ایک دوسری جماعت کے جاسوس ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئی۔'' (۴۱)

یہود کے ساتھ ساتھ نصاریٰ کی گمراہی کا بھی بیان ہے اور بتلایا گیا ہے کہ ان کو تورات اور انجیل دی گئی تھی لیکن انہوں نے ان کتابوں کے مطابق اپنے فیصلے نہ کیے۔

⑨ ...... تورات اور انجیل کے ذکر کے بعد قرآن کا تذکرہ ہے جو کہ ہدایت اور گمراہی میں فرق کرنے والا ہے اور یہی کتابوں کا محافظ ہے۔ عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق سے تعلق رکھنے والی کوئی ایسی نصیحت اور کوئی ایسا کام نہیں جو انسانیت کی فلاح کے لیے ضروری ہو اور کتب سابقہ میں تو ہو مگر قرآن میں نہ ہو۔

⑩ ...... اس کے بعد مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ قلبی دوستی لگانے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ وہ امت اسلامیہ کے سخت ترین دشمن ہیں۔ فرمایا گیا: ''اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے گا وہ انہیں میں سے ہوگا، بیشک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (۵۱)

قرآن کریم کی صداقت کا زندہ معجزہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آپس کے شدید مذہبی اور سیاسی اختلافات کے باوجود یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے مقابلے میں متحد ہیں۔ تعجب تو اس بات پر ہے کہ عالم اسلام کے حکمران قرآن حکیم کی واضح ہدایات کے باوجود یہود و نصریٰ سے پینگیں بڑھاتے ہیں اور ان کے اشاروں پر ''بنیاد پرست'' مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھاتے ہیں۔

⑪ ...... کفار کے ساتھ جب قلبی دوستی لگائی جائے گی تو ارتداد کا بھی خطرہ رہے گا۔ اس لیے اگلی

آیات میں مسلمانوں کو ارتداد سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے کیونکہ ارتداد سے سارے اعمال باطل اور ضائع ہو جاتے ہیں اور انسان پر ہمیشہ کے لیے دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ کا دین تمہارا محتاج نہیں اگر تم مرتد ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تم سے بہتر لوگوں کو دین کی خدمت کے لیے کھڑا کر دے گا فرمایا: ''اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگوں کو پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں، اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ کشائش والا اور جاننے والا ہے۔'' (۵۴)

⑫ ...... یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ سچے ایمان سے دوستی لگانے کا حکم دیا گیا ہے، کفار کی دوستی کی قباحت کو واضح کرنے کے لیے مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ اسلام کے شعائر کا مذاق اڑاتے ہیں اس لیے ان کے ساتھ دوستی کسی طور پر بھی جائز نہیں، یہود و نصاریٰ کی گمراہیوں میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے اسلام اور قرآن کو جھٹلایا اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ٹھہرایا جیسا کہ چھٹے پارے کے چودھویں رکوع میں فرمایا: ''بے شک وہ لوگ کافر ہوئے جنھوں نے کہا کہ اللہ وہی مسیح ابن مریم ہے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ وہ تین میں سے تیسرا تھا۔''

قرآن نے ان کے غلط نظریہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ''مسیح ابن مریم اور ان کی والدہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔'' (۷۵) ظاہر ہے کہ جو کھائے گا وہ فضلہ نکالنے کا بھی محتاج ہوگا اور جو محتاج ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

⑬ ...... یہود و نصاریٰ دونوں کو دین میں ناحق غلو کرنے اور خواہشات کی اتباع کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ غلو اکثر گمراہی کا سبب بنتا ہے۔

⑭ ...... چھٹے پارے کے آخری رکوع میں یہود پر اللہ کی لعنت کا سبب بتلایا ہے وہ یہ کہ: ''وہ اللہ کی نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کر جاتے تھے اور ایک دوسرے کو برے کاموں سے منع نہیں کرتے تھے۔''

یہ سبب ذکر کر کے اصل میں امت اسلامیہ کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہیں ورنہ ان پر بھی ویسے ہی اللہ کی لعنت ہو سکتی ہے جیسا کہ بنی اسرائیل پر لعنت ہوئی۔ اور یہ بات خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں ارشاد فرمائی ہے، ترمذی میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جب بنی اسرائیل معاصی میں مبتلا ہوئے تو ان کے علماء نے انہیں منع کیا

مگر وہ باز نہ آئے، ان کی مجلسوں میں بیٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے بھی رہے۔ چنانچہ اللہ نے ان سب کے دلوں کو ایک جیسا کر دیا اور داؤد اور عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کی زبان سے ان پر لعنت فرمائی یہ اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کر جاتے تھے...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ٹیک لگائے ہوئے تھے مگر یہ فرماتے ہوئے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے نہ تمہارا ایمان کامل ہو سکتا ہے اور نہ ہی تم اللہ کے عذاب سے نجات پا سکتے ہو جب تک کہ تم لوگوں کو (حق کی دعوت نہ دو اور حق قبول کرنے پر آمادہ نہ کرو (اور انہیں ظلم اور معاصی سے منع نہ کرو) (ترمذی)

⑮......آخری آیت میں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے سب سے سخت دشمن یہود اور مشرکین ہیں اور قرآن کے اس دعویٰ پر یہود کی پوری تاریخ گواہ ہے، البتہ جو واقعی اور حقیقی نصاریٰ ہیں وہ مسلمانوں کے لیے اپنے دلوں میں نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ آج ہمیں جن نصاریٰ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، وہ حقیقت میں وہ نصاریٰ نہیں ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کرنے والے ہیں، ان کی اکثریت تو فکر و عمل کے اعتبار سے یہود کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے، بے شمار ایسے ہیں جو ملحد اور بے دین ہیں۔ صرف نام کے عیسائی ہیں باقی جو بچتے ہیں وہ مسخ شدہ عیسائیت پر عمل پیرا ہیں ''نصرانیت'' کہیں بھی نہیں ہے۔

پارہ 7

چھٹے پارہ کی آخری آیت میں بتایا گیا تھا کہ جو حقیقی نصاریٰ ہیں وہ اپنے دلوں میں مسلمانوں کے لیے قدرے نرم گوشہ رکھتے ہیں، اب ساتویں پارہ کے شروع میں بھی بعض نصاریٰ ہی کا ذکر ہے جو قرآن سن کر اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ پاتے اور بے اختیار ان کی آنکھیں چھلکنے لگتی ہیں، (۸۳۔۸۵)

یہ آیات حبشہ کے ان نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جن کے ملک میں مسلمان ہجرت کر کے گئے تھے، انہوں نے جب مسلمانوں کی زبان سے قرآن سنا تو روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں اور ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں کی رم جھم سے تر ہو گئیں۔ اصل میں اللہ کے کلام میں تاثیر ہی ایسی ہے کہ اگر ایسے دل اسے سنیں جو بغض اور کینہ سے خالی اور خوف وخشیت سے معمور ہوں تو جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنکھوں سے آنسو چھلک ہی پڑتے ہیں۔ حقیقی نصاریٰ کے کلام اللہ سے متاثر ہونے اور رونے دھونے کا حال بتانے کے بعد شرعی مسائل ذکر کیے گئے ہیں۔ کیونکہ سورۂ مائدہ مدنی سورت ہے، جیسے مکی سورتوں میں عام طور پر عقائد سے بحث ہوتی ہے یونہی مدنی سورتوں میں تفصیل کے ساتھ اور کہیں اختصار کے ساتھ تشریعی امور سے بحث ہوتی ہے، یہاں جو مسائل واحکام ذکر کیے گئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

① ...... کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے، اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جن پاکیزہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے تم نہ تو انہیں حرام سمجھو اور نہ ہی ان کے استعمال سے احتراز کرو، (۸۷۔۸۸)

اصل میں اسلام اعتدال کا دین ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط، نہ غلو اور نہ ہی کمی کوتاہی، اس لیے اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ پاکیزہ چیزوں سے اجتناب کو تقویٰ اور کمال کا سبب سمجھا جائے اور نہ ہی اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ حرام اور حلال کے فرق ہی کو اٹھا دیا جائے اور بے دریغ ایسی چیزوں کا استعمال شروع کر دیا جائے جنہیں اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔

② ...... لغو قسم پر کوئی دینوی مواخذہ نہیں...... (۸۹) لغو قسم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اپنے خیال کے مطابق سچی قسم کھائے حالانکہ وہ کام اس کے گمان کے خلاف تھا، البتہ ایسی قسموں پر کفارہ کی صورت میں مواخذہ ہوگا جو مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کھائی جائیں اور پھر انہیں پورا نہ کیا جائے۔

③ ...... شراب، جوا، بت اور پانسے قطعی حرام اور شیطانی عمل ہیں ان کے ذریعے شیطان مومنوں کے دلوں میں بغض وعداوت کے بیج بوتا ہے اور انہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دیتا ہے۔(۹۰۔۹۲)

④ ...... احرام کی حالت میں خشکی کا شکار جائز نہیں البتہ سمندر اور دریا میں رہنے والے جانوروں کا شکار حالت احرام میں بھی جائز ہے۔(۹۴۔۹۶)

⑤ ...... احرام کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے بیت الحرام یعنی کعبہ اور شہر حرام کا بھی تذکرہ کیا ہے، یہ کعبہ کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے گردوپیش کے علاقے کو حرم قرار دیا ہے، اس کی حرمت اور امن کا اندازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ: ”اگر میں اپنے والد خطاب کے قاتل کو بھی حرم میں دیکھ لوں تو اس وقت تک اس پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا جب تک کہ وہ حرم کی حدود سے باہر نہ نکل جائے۔“

⑥ ...... زمانہ جاہلیت میں مشرکین نے بہت سارے جانور بزعم خویش حرام قرار دے رکھے تھے اور ان کے لیے مخصوص نام بھی تجویز کر رکھے تھے، مثال کے طور پر بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام...... آیت نمبر ۱۰۳ میں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ یہ مشرکین کا جھوٹ اور افتراء ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی بھی جانور کو حرام قرار نہیں دیا۔

⑦ ...... جب کسی انسان کو موت کی آہٹ محسوس ہونے لگے تو اسے چاہیے کہ وہ قابل وصیت امور کے بارے میں وصیت کر جائے، اس وصیت پر دو قابل اعتماد شخصوں کو گواہ بنا لیا جائے تا کہ کل کلاں اگر اختلاف ہو جائے تو ان کی گواہی کی روشنی میں فیصلہ کیا جا سکے۔(۱۰۶۔۱۰۸)

⑧ ...... حلال وحرام کے ان مسائل کے بعد قیامت کے دن کی منظر کشی کی گئی ہے، جب تمام رسولوں کو جمع کر کے ان سے سوال کیا جائے گا کہ جب تم نے میرا پیغام میرے بندوں تک پہنچایا تو تمہیں کیا جواب دیا گیا۔ انبیاء کے ساتھ سوال وجواب کے تناظر میں حضرت مسیح علیہ السلام کا خاص طور پر تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سیدنا مسیح علیہ السلام کو اپنے احسانات یاد دلائے گا، ان احسانات میں ”مائدہ“ والا قصہ بھی مذکور ہے کہ جب حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ آپ اللہ سے درخواست کریں کہ وہ

ہمارے لیے آسمان سے ''مائدہ'' نازل فرمائے یعنی ایسا دسترخوان جس میں کھانے پینے کی مختلف آسمانی نعمتیں سجی ہوئی ہوں، اسی قصہ کے حوالے سے اس سورت کا نام ''مائدہ'' رکھا گیا ہے۔ اپنے چند احسانات گنوانے کے بعد اللہ تعالیٰ سوال کرے گا: ''اے عیسیٰ، مریم کے بیٹے! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود ٹھہراؤ''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہ جلال میں عرض کریں گے: ''تو پاک ہے میرے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق ہی نہیں تھا''

پھر عرض کریں گے کہ: ''میں نے تو انہیں ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا تھا، اگر انہوں نے میرے حکم کی نافرمانی کی ہے تو آپ کو اختیار ہے چاہیں تو انہیں سزا دیں اور چاہیں تو معاف کر دیں'' (۱۱۶۔۱۱۸)

قیامت کے دن کی منظر کشی اور اللہ کی ہمہ گیر سلطنت کے تذکرہ پر سورۂ مائدہ اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔

سورۃ الانعام ......سورۂ مائدہ کے بعد ساتویں پارہ کے دوسرے پاؤ سے سورۂ انعام کا آغاز ہوتا ہے، اس سورت میں ایک سو پینسٹھ آیات اور بیس رکوع ہیں۔ یہ مکی سورت ہے، مکی سورتوں میں عام طور پر تین بنیادی عقائد سے بحث کی جاتی ہے یعنی توحید، رسالت اور آخرت۔ اس سورت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مشرکین کے غلط عقائد کی تردید کیلئے تقریر اور تلقین دونوں اسلوب اختیار کیے گئے ہیں، اسلوب تقریر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور قدرت وعظمت کے دلائل کو ایسے مسلم اصولوں کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے کہ ان کا انکار ایسا انسان کر ہی نہیں سکتا جسے اللہ تعالیٰ نے قلب سلیم اور عقل صحیح سے نوازا ہو۔ آپ اس سورت کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو وقفے وقفے سے ایسی آیات ملیں گی جن میں ارض وسما میں اللہ کے موجود ہونے، بندوں پر اس کے غلبے اور ظاہر و باطن کا عالم ہونے کا یوں ذکر کیا گیا ہے کہ گویا دعووں کو مشرکین بھی تسلیم کرتے ہیں اور یہ دعوے ایسے ہرگز نہیں کہ ان کے ثبوت کے لیے دلائل دیئے جائیں یا زیادہ مغز ماری کی جائے بلکہ جب صاحب نظر انسان کائنات پر ایک نظر ڈالتا ہے تو وہ اللہ کے وجود، اس کی عظمت و کبریائی اور غلبے اور قدرت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہتا۔ درج ذیل آیات میں اسی اسلوب کی جھلک دکھائی دیتی ہے: ''اور آسمان اور زمین میں وہی ایک اللہ ہے تمہاری پوشیدہ اور ظاہری باتیں سب جانتا ہے اور تم جو عمل کرتے ہو سب سے واقف ہے۔'' (۳)

اور وہ بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبان مقرر کیے رکھتا ہے'' (۶۱)

اور وہی تو ہے جو رات کو نیند کی حالت میں تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس سے خبر رکھتا ہے۔" (۶۰)

اسلوب یقین کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول امی کو ایسے دلائل سکھاتا ہے جن کا منکرین کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا اور وہ شرمندگی اور سرافگندگی پر مجبور ہو جاتے ہیں، یہ اسلوب عام طور پر سوال جواب کی شکل میں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آیت ۱۲ میں ہے: "آپ ان سے سوال کیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے یہ کس کا ہے"

ظاہر ہے کہ دل سے تو مشرکین بھی تسلیم کرتے تھے کہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے لیکن زبان سے اعتراف کرنے میں انہیں حجاب ہوتا تھا، اس لیے فرمایا گیا کہ آپ خود ہی جواب دیجئے کہ: "سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔" (۱۲)

اور آیت ۱۹ میں ہے: "ان سے پوچھو کہ سب سے بڑھ کر کس کی شہادت ہے کہہ دیجئے کہ اللہ ہی میرے درمیان اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔" (۱۹)

تقریر اور تلقین کے یہ دونوں اسلوب سورۂ انعام میں پہلو بہ پہلو چلتے ہیں۔

اس سورت کی ابتدا اللہ کی حمد وثنا اور عظمت اور توحید سے ہوتی ہے، توحید کے ساتھ رسالت کا ذکر بھی ضروری ہے۔ چنانچہ بتایا گیا ہے کہ منکرین کی عادت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی دلائل وبراہین ان کے سامنے پیش کرتے ہیں یہ ان سے اعراض کرتے ہیں اور جواب میں کٹ حجتی کے طور پر کہتے ہیں کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ توحید ورسالت کے بعد بعث وجزا کا ذکر ہے، فرمایا گیا کہ: "تمہیں اللہ قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا، اس میں کوئی شک نہیں" (۱۶)

یہ تینوں مضامین سورۂ انعام میں ادل بدل کر تلقین اور تقریر کے اسلوب سے چلتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ بات ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام تک جا پہنچتی ہے، اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ حضرت خلیل علیہ السلام شرک میں ڈوبی ہوئی دنیا میں روشن مینار تھے، انہوں نے جب سورج، چاند، ستاروں اور ہاتھوں سے بنائے گئے اصنام کو معبود تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور رب واحد کی کبریائی پر ایمان کا اعلان کیا تو انہیں سب سے پہلے اپنے والد ہی کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر انہوں نے اس مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کی اور دعوت توحید کا سلسلہ جاری رکھا، (۷۴۔۸۱)

یہی دعوت دوسرے انبیاء نے بھی اپنے اپنے زمانے میں دی۔ سورۂ انعام میں ان انبیاء میں سے اٹھارہ کے نام مذکور ہیں، (۷۴۔۸۷)

ان سب کو وحی سے مشرف کیا گیا، ان کے علاوہ بھی بے شمار انبیاء دنیا میں آئے ہیں لیکن

ان کے نام قرآن میں مذکور نہیں۔ وحی اور نبوت کے بعد دوبارہ ایسے دلائل ذکر کیے گئے ہیں جو خالق کے وجود، اس کے علم، قدرت اور حکمت کے کمال پر دلالت کرتے ہیں، ان دلائل سے اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات اور اس کے افعال کی معرفت ہے۔ لیکن مکہ کے کفار ان دلائل میں تو غور وفکر نہیں کرتے تھے البتہ مختلف قسم کے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے کہ اگر ہمیں فلاں معجزہ دکھا دیا جائے تو ہم ایمان قبول کرلیں گے حالانکہ ان کی یہ باتیں زبانی جمع خرچ اور دفع الوقتی کے سوا کچھ نہ تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صاحب طلب معجزہ کا مطالبہ نہیں کرتا وہ جدھر نظر اٹھاتا ہے اسے اللہ کے وجود اور قدرت کی نشانیاں واضح طور پر دکھائی دیتی ہیں، اس کائنات پر کافر بھی نظر ڈالتا ہے اور مومن بھی نظر ڈالتا ہے لیکن دونوں کے نظر ڈالنے میں زمین آسمان کا فرق ہے، کافر دیکھتا ہے تو اسے پوری کائنات مادی اسباب میں جکڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے لیکن جب ایک مسلمان دیکھتا ہے تو اسے ہر چیز اور ہر مرحلے میں قدرت کی کارفرمائی نظر آتی ہے، مثال کے طور پر جب وہ پھل کو دیکھتا ہے کہ رنگ اور خوشبو، چھوٹا اور بڑا، کھٹا اور میٹھا ہونے کے اعتبار سے کیسے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا ہے ابتدا میں کوئی کڑوا اور نمکین ہوتا ہے اور کوئی کھٹا یا پھیکا لیکن جوں جوں وہ پکتا جاتا ہے، اس میں مٹھاس اور لذت آتی جاتی ہے جب ایک مومن ایمانی نظر سے دیکھتا اور غور وتدبر کرتا ہے تو بے ساختہ پکار اٹھتا ہے ''سبحان اللہ'' اسی لیے یہاں زمین سے اگنے والی مختلف چیزوں اور پھلوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ''یہ چیزیں جب پھلتی ہیں تو ان کے پھلوں پر اور جب پکتی ہیں تو ان کے پکنے پر نظر کرو، ان میں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں، اللہ کی قدرت کی بہت ساری نشانیاں ہیں۔''(۹۹)

پارہ 8

ساتویں پارہ کے آخر میں مشرکین کا یہ مطالبہ ذکر کیا گیا تھا کہ اگر ہمیں کوئی حسی معجزہ دکھایا جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ آٹھویں پارہ کے شروع میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں، اگر ان کو حسی معجزات بھی دکھادیئے جائیں، یہاں تک کہ قبروں سے مردے زندہ ہوکر ان سے باتیں کریں تو بھی یہ ایمان لانے والے نہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ ان کی مخالفت، استہزاء اور انکار سے پریشان نہ ہوں، ہر نبی کے ساتھ انسی اور جنی شیاطین نے ہمیشہ یہی رویہ اختیار کیا ہے، باقی آپ کی نبوت کے اثبات کے لیے ان کے مطلوبہ معجزات کی کوئی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو متعدد معجزات سے نوازا ہے جن میں سے سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے، لہٰذا یہ اس معجزہ کو دیکھنے اور سننے کے باوجود انکار کرتے ہیں تو آپ پریشان نہ ہوں، کیونکہ زمین پر بسنے والے اکثر لوگوں کا یہی حال ہے کہ وہ ہدایت کو چھوڑتے ہیں اور گمراہی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ فرمایا: ”اور اگر آپ اکثر لوگوں کی بات مانیں گے جو دنیا میں ہیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے دور کردیں گے۔“ (۱۱۶)

اس آیت کریمہ سے مغربی جمہوریت کی نفی ہوتی ہے کیونکہ مغربی جمہوریت میں اکثر کی رائے کا اعتبار ہے خواہ وہ کتاب وسنت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو جبکہ مسلمانوں کا یہ اجتماعی عقیدہ ہے کہ اگر پوری دنیا کے انسان کسی ایسی بات پر متفق ہو جائیں جو کتاب وسنت کے واضح حکم کے خلاف ہو تو ان کے اتفاق کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور اسے رد کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد جو اہم مضامین اس سورت میں مذکور ہیں وہ درج ذیل ہیں:

① ......رکوع نمبر دو کے آغاز میں فرمایا گیا کہ: ”مومن کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو زندہ ہے اور اسے ہم نے نور عطا کیا ہے اور کافر کی مثال اس شخص جیسی ہے جو مردہ ہے اور تاریکیوں میں پھنسا ہوا ہے۔“ (۱۲۲)

② ......ایمان اور ہدایت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے اسے نوازتا ہے۔

③...... ہدایت یافتہ اور گمراہ فریقوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا کہ اللہ ان سب کو قیامت کے دن جمع کرلے گا پھر ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔(۱۲۸-۱۲۹)

④...... مشرکین کی مختلف حماقتوں میں سے ایک حماقت یہ ذکر کی گئی ہے کہ وہ زمین سے حاصل ہونے والے غلے اور چوپاؤں میں اللہ کا حصہ الگ کرلیتے تھے اور اپنے شرکاء کا حصہ الگ کرلیتے تھے پھر جو ان کے شرکاء کا حصہ ہوتا تھا اسے تو اللہ کے حصے میں نہیں ملنے دیتے تھے لیکن جو اللہ کا حصہ ہوتا تھا وہ اگر شرکاء کے حصے میں مل جاتا تو اسے برا نہیں سمجھتے تھے(۱۳۶)

ان کی دوسری حماقت یہ تھی کہ وہ اپنی بیٹیوں کو فقر یا عار کی وجہ سے قتل کردیتے تھے۔(۱۳۷)

عورت پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات میں سے ایک بڑا احسان یہ ہے کہ حضور نے اپنی زبان وعمل سے یہ سمجھایا کہ بیٹی کا وجود نہ تو باعث ننگ ہے اور نہ ہی فقر وغربت میں اضافے کا سبب۔ مشرکین کی تیسری حماقت قرآن نے یہ بتلائی کہ انہوں نے چوپاؤں کو مختلف قسموں میں تقسیم کررکھا تھا، بعض وہ تھے جو کاہنوں اور مذہبی پیشوؤں کے لیے مخصوص تھے۔ بعض وہ تھے کہ جن پر سوار ہونا اوران سے کسی بھی طرح فائدہ اٹھانا جائز نہیں سمجھتے تھے اور بعض وہ تھے جنہیں ذبح کرتے وقت اللہ کی بجائے بتوں کے نام ذکر کرتے تھے،(۱۳۸)

ایک چوتھی حماقت یہ بتلائی گئی کہ چوپائے کے پیٹ سے جو بچہ پیدا ہوتا تو اسے مردوں کے لیے حلال سمجھتے تھے مگر عورتوں کے لیے حرام اور اگر وہ مردہ پیدا ہوتا تو اسے مرد اور عورتوں دونوں کے لیے حلال سمجھتے تھے۔(۱۳۹)

مشرکین کی یہ حماقتیں بتانے کے بعد انہیں اللہ کی نعمتیں یاد دلائی گئیں کہ وہی اللہ ہے جس نے باغات، زیتون اور انار جیسے مختلف پھل پیدا کیے ہیں، وہی اللہ ہے جس نے بار برداری، گوشت اور دودھ کے حصول کے لیے چھوٹے اور بڑے جانور پیدا کیے۔ ان جانوروں اور کھانے پینے کی دوسری اشیاء میں تحلیل وتحریم کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے، وہ جس چیز کو چاہتا ہے حلال کرتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے حرام کرتا ہے۔

⑤...... مشرکین کے عقائد اور دعوؤں کی تردید کے بعد وہ مشہور آیات ہیں جن میں اللہ نے ایسی دس وصیتیں بیان فرمائی ہیں جن پر ساری آسمانی شریعتیں متفق ہیں اور تمام ادیان ان پر عمل کی دعوت دیتے ہیں کیونکہ ان پر عمل کرنے سے انسانی سعادت کی حفاظت ہوتی ہے اور اسے دنیا وآخرت میں عزت وکرامت کی وہ زندگی حاصل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ انسان کو دینا چاہتا ہے۔

●...... پہلی وصیت یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

- ......دوسری یہ کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور انہیں اپنی زبان و عمل سے تکلیف نہ دی جائے۔
- ......تیسری یہ کہ اولاد کو فقر کے ڈر سے یا ننگ و عار خوف سے قتل نہ کیا جائے۔
- ......چوتھی یہ کہ ہر قسم کے فواحش اور برائیوں سے بچا جائے، خواہ وہ خفیہ ہوں یا علانیہ۔
- ......پانچویں یہ کہ انسان کو ناحق قتل کرنا حرام ہے، یہ بدترین گناہ ہے۔
- ......چھٹی یہ کہ یتیم کے مال میں ناجائز تصرف نہ کیا جائے۔
- ......ساتویں یہ کہ ناپ تول کو پورا رکھا جائے۔
- ......آٹھویں یہ کہ سارے انسانوں کے درمیان عدل کو ملحوظ رکھا جائے، خواہ کوئی اپنا قریبی ہو یا دشمن۔
- ......نویں یہ کہ اللہ کے عہد کو پورا کیا جائے۔
- ......دسویں یہ کہ صراط مستقیم ہی کی اتباع کی جائے اور مختلف راستوں پر چلنے سے احتراز کیا جائے۔

یہ وصیتیں بیان کرنے کے بعد اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ علی الاعلان کہہ دیجئے کہ مجھے اللہ نے دین حق کی ہدایت دی ہے، یہی ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا اور یہ کہ میری نماز اور عبادات سارے افعال واعمال خالص اللہ کے لیے ہیں، میں ان اعمال سے صرف اللہ کی رضا چاہتا ہوں۔ سورت کا اختتام اس بات پر ہوا کہ یہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے یہ ابتلاء اور آزمائش کے لیے ہے تاکہ مومن، کافر اور نیک اور بد میں فرق ہو جائے۔

سورۃ الاعراف......یہ مکی سورت ہے اور اس میں دوسو چھ آیات ہیں، دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی تینوں بنیادی عقائد کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ اس سورت کی ابتداء میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی معجزہ یعنی قرآن کا ذکر ہے جو کہ سارے انسانوں کے لیے اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے، اس سورت میں انسان کو اللہ کی اس نعمت کی طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے کہ اس نے سب انسانوں کو ایک ہی باپ سے پیدا کیا ہے تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور اس بات کو یاد رکھیں کہ وہ انسانیت میں بھائی بھائی ہیں۔ اسی طرح اس سورت میں انسان کو اللہ نے جو تکریم بخشی اس کا بھی ذکر ہے، وہ یہ کہ اللہ نے پہلے انسان کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، اس میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو اس کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اس قصہ کے ضمن میں شیطان کے مکروفریب سے بچنے کی بھی تلقین کی گئی ہے کیونکہ وہ ایسا مکار

دشمن ہے جو انسان کی راہ کھوٹی کرنے کے لیے ہر راستے پر بیٹھا ہوا ہے اور انسان کے ساتھ ٹکراؤ کی جو ابتداء ابلیس کے انکار سجدہ سے ہوئی تھی یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور خیر و شر اور حق و باطل کے درمیان کشمکش کسی نہ کسی انداز میں باقی رہے گی۔

سورۂ اعراف کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مسلسل چار بار انسانوں کی ''یا بنی آدم'' کے صیغہ سے خطاب فرمایا ہے۔ یہ چار ندائیں سورۂ اعراف کے علاوہ کسی اور سورت میں نہیں ہیں۔ پہلی ندا دسویں رکوع میں ہے، جس میں اللہ نے لباس کی نعمت کا ذکر کیا ہے۔ آیت نمبر ۲۶ جس میں فرمایا گیا: ''اے اولادِ آدم! ہم نے تمہارے لیے لباس اتارا ہے جو تمہارے ستر کو بھی چھپاتا ہے اور زینت کا بھی باعث ہے اور تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے۔''

دوسری ندا دسویں رکوع کی آیت نمبر ۲۷ میں ہے، جس میں اللہ تعالیٰ ابلیس کے فتنہ سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اے اولادِ آدم! کہیں شیطان تم کو بہکا نہ دے جیسے اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا، ان کے لباس اتروا دیئے تاکہ انہیں ان کا ستر دکھاوے۔''

تیسری ندا دسویں رکوع کی آیت نمبر ۳۱ میں ہے جس میں فرمایا گیا: ''اے اولادِ آدم! اپنی زینت (کالباس) لے لو ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو، بے شک اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

چوتھی ندا گیارہویں رکوع کی آیت نمبر ۳۵ میں ہے جس میں فرمایا گیا: ''اے اولادِ آدم! اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آئیں جو تم کو میری آیات سنائیں تو جو تقویٰ اختیار کرلیں گے اور اپنی اصلاح کرلیں گے تو ایسوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

اولادِ آدم کو یہ بار بار خطاب انہیں شیطان کے وساوس اور مکاریوں سے بچانے کے لیے ہے تاکہ انسان ملمع ساز باتیں سن کر دھوکہ نہ کھا جائے۔ کیونکہ وہ ایسا چالاک دشمن ہے جو بظاہر دوست کا لباس پہن کر آتا ہے اور ایسی مکار لومڑی ہے جو اپنے آپ کو خیر خواہ کے روپ میں پیش کرتی ہے، اسے حق کو باطل اور باطل کو حق، شر کو خیر اور خیر کو شر بنا کر پیش کرنے کا فن آتا ہے۔ دنیا میں جو لوگ بھی یہ کام کر رہے ہیں وہ حقیقت میں شیطان کے ایجنٹ ہیں۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ پہلی تین ندائیں لباس کے بارے میں ہیں۔ ان میں سے دوسری ندا میں یہ بتایا گیا کہ ابلیس لعین نے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کے لباس اتروا دیئے تھے اور ان کے ستر کھلوا دیئے تھے، گویا ابلیس کا ایک بڑا ہدف یہ ہے کہ اولادِ آدم کو شرم و حیا کے لباس سے

محروم کردے اور انہیں فحاشی اور عریانیت کی راہ پر لگادے۔ ستر کے تقاضے پورے کرنے والا لباس، انسان اور حیوان سے ممتاز کرتا ہے، حیوان ننگا پیدا ہوتا ہے اور زندگی بھر ننگا رہتا ہے جبکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے لباس کے ساتھ عزت اور فضیلت بخشی ہے۔

آج جب ہم مغربی میڈیا کے ذریعہ بے حیائی کے اُمڈتے ہوئے سیلاب اور عورت کی آزادی کے نام پر حیا باختگی کی فضاد یکھتے ہیں تو پھر یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ قرآن نے لباس کے بارے میں تاکید اور تکرار کا اسلوب کیوں اختیار کیا ہے، ان نداؤں کے علاوہ اعراف کے اہم مضامین درج ذیل ہیں:

① ...... مشرکین بیت اللہ کا ننگے طواف کرتے تھے اور اپنے اس قبیح عمل اور اس جیسے دوسرے اعمال کے بارے میں حجت یہ پیش کرتے تھے کہ ہمارے آباؤ اجداد بھی یوں ہی کیا کرتے تھے اور بعض اوقات یہ بھی کہہ دیتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے، ان کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''اللہ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں دیتا''

لہٰذا تمہارا یہ دعویٰ جھوٹ اور افتراء کے سوا کچھ نہیں، اسلام زندگی کے تمام جائز مطالبات پورا کرنے والا دین ہے لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ لباس پہننے سے اور پاکیزہ چیزوں کے استعمال سے منع کرے، اس سے ان لوگوں کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو رہبانیت کے قائل ہیں اور حلال اور پاک چیزوں سے اجتناب کو اللہ کے قرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جسم اور روح دین اور دنیا دونوں کے جائز مطالبات اور تقاضے پورے کرنے والا ہی حقیقت میں کامل مسلمان ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ دن کو مستقل روزے رکھتے ہیں اور رات کو قیام کرتے ہیں، عبادت میں یہ مشغولیت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ اہلیہ تک کے حقوق ادا نہیں کرتے تو آپ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''تمہارے اوپر رب کا بھی حق ہے، تمہارے نفس کا بھی حق ہے، تمہارے گھر والوں کا بھی حق ہے، لہٰذا ہر حق والے کو اس کا حق دو''

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے ان کی اس نصیحت کا ذکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سلمان نے سچ کہا ہے۔''

② ...... آٹھویں پارہ کے گیارہویں اور بارہویں رکوع میں ایسے دو گروہوں کا ذکر ہے جو فکر ونظر اور عقیدہ و عمل کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہیں، ایک گروہ ضد اور عناد، کفر اور استکبار کی راہ اپنانے والوں کا ہے جن کا ٹھکانہ جہنم کے سوا کچھ نہیں، دوسرا گروہ تسلیم وانقیاد اور ایمان اور اطاعت کی راہ پر چلنے والوں کا ہے جو بفضلہ تعالیٰ جنت کے حقدار ہوں گے، یہ دونوں گروہ جب اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیں گے تو قرآن بتاتا ہے کہ ان کے درمیان مکالمہ ہوگا، اہل جنت

دوزخیوں سے سوال کریں گے کہ کیا تمہیں آج اللہ کے وعدوں کے سچ ہونے کا یقین آیا یا نہیں وہ جواب میں اقرار کریں گے کہ ہاں ہم نے وعدوں کو سچا اور برحق پایا۔ دوزخی جب جہنم کی ہولناک گرمی اور بھوک پیاس سے پریشان ہو جائیں گے تو جنتیوں کے سامنے دست سوال دراز کریں گے کہ ہمیں کچھ کھانے اور پینے کو دو لیکن ظاہر ہے کہ ان کا یہ سوال رائیگاں جائے گا، یہ مکالمہ اس پارہ کے بارہویں اور تیرہویں رکوع میں مذکور ہے۔

ایک تیسرا گروہ بھی ہے جسے قرآن نے ''اصحاب اعراف'' کا نام دیا ہے، یہ وہ لوگ ہوں گے جو مومن تھے لیکن اعمال صالحہ میں دوسرے جنتیوں سے پیچھے رہ گئے ہوں گے، انہیں نہ تو جنت میں داخل کیا جائے گا اور نہ ہی دوزخ میں بلکہ ان کا فیصلہ مؤخر کر دیا جائے گا۔ لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ ان کو بھی جنت میں داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرما دیں گے، ان اصحاب اعراف اور دوزخیوں کے درمیان بھی مکالمہ ہوگا جو کہ تیرہویں رکوع میں مذکور ہے۔ ان مکالمات کے بعد اللہ کی قدرت اور توحید کے تین اہم دلائل بیان کیے گئے ہیں۔

① ...... تہ بہ تہ سات آسمان جن میں سے ہر ایک دوسرے کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے قبہ ہوتا ہے، یہ ساتوں آسمان وسعت اور عظمت کے باوجود کسی ستون کے بغیر کھڑے ہیں۔

② ...... رحمٰن کا عرش کی وسعت کا یہ حال ہے کہ سارے آسمان اور ساری زمینیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتی اور کسی کا خیال اس کی عظمت کا تصور نہیں کر سکتا۔ کیونکہ عرش کے مقابلے میں کرسی ایسی ہے جیسے کوئی حلقہ جو کہ وسیع وعریض صحراء میں پڑا ہو، کرسی کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ وہ ارض وسما میں نہیں سما سکتی تو عرش کی وسعت کیا ہوگی، عرش اور کرسی ان حقیقتوں میں سے ہیں جن پر ہم ایمان تو رکھتے ہیں مگر ان کی کیفیت ہم نہیں جانتے۔

③ ...... تیسری دلیل جو یہاں بیان کی گئی ہے وہ سورج چاند اور ستاروں کی تخلیق ہے یہ سب چیزیں اللہ کی مشیت اور غلبہ کے تحت ہیں، ایسی فضا میں تیر رہے ہیں، جس کی وسعتوں کا کسی کو بھی اندازہ نہیں، نہ تو یہ آپس میں ٹکراتے ہیں اور نہ ہی اپنے مدار سے باہر نکلتے ہیں۔

یہ دلائل اور آخر میں چھ انبیاء کرام یعنی حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے قصے اختصار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے پہلا قصہ شیخ الانبیاء حضرت نوح علیہ السلام کا ہے اور آخری قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے، ان قصوں میں جو مختلف حکمتیں اور عبرتیں پوشیدہ ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

● ...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین کی ایذاؤں پر تسلی دینا۔

● ......متکبروں کا انجام بداور نیکوکاروں کا اچھا انجام بتانا۔

● ......اس بات پر تنبیہ کرنا کہ اللہ کے ہاں دیر تو ہے اندھیر نہیں، بالآخر ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا مل کر رہتی ہے۔

● ......ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سچائی کی دلیل پیش کرنا کہ امی ہونے کے باوجود آپ تاریخ کے گمشدہ اوراق، حقائق کے مطابق پیش فرماتے تھے۔

● ......انسانوں کے لیے عبرت ونصیحت کا سامان پیش کرنا۔

پارہ 9

آٹھویں پارہ کے آخر میں حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ شروع ہوا تھا، اس قصے کا بقیہ حصہ نویں پارہ کے آغاز میں بیان کیا جا رہا ہے، جب حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کی برائیوں اور فتنہ وفساد پر روک ٹوک کی تو ان کے متکبر سرداروں نے دھمکی دی: ''اے شعیب! ہم تمہیں اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ تم بھی ہمارے دین میں آ جاؤ''۔ آپ نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا، باقی جو کچھ کرنا ہے کرلو، ہم اللہ پر توکل اور بھروسہ رکھتے ہیں۔

ان مختلف انبیائے کرام علیہما السلام کے قصے بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جھٹلانے والی قوموں کے بارے میں ہماری سنت اور ہمارا دستور یہ رہا ہے کہ ہم انہیں ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، تنگی اور تکلیف میں بھی مبتلا کرتے ہیں کہ شاید وہ ہماری طرف رجوع کریں، لیکن جب وہ نرمی یا سختی کسی بھی طریقہ سے نہیں سمجھتے تو ہم انہیں اچانک اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیتے ہیں اور انہیں خبر ہی نہیں ہوتی۔ پھر ان قصوں کے آخر میں گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کے انکار اور استکبار پر حزین وملول نہ ہونے کی تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ: ''یہ بستیاں ہیں جن کے کچھ احوال ہم آپ کو سناتے ہیں، ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے، پھر ایسا نہ ہوا کہ اس بات پر ایمان لے آتے جسے وہ پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔''

وہ چھ انبیاء جن کے قصے سورۂ اعراف میں بیان کیے گئے ہیں ان میں سے تفصیل کے ساتھ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے، اس لیے کہ ان کی قوم کی جہالت اقوام عالم کی جہالت سے بڑھ کر تھی، اور آپ کی مخاطب قوم میں ایسا فرد بھی تھا جو خدائی کا دعوے دار تھا، آپ کو جو معجزات عطا کیے گئے وہ بھی سابقہ انبیاء کے معجزات کے مقابلے میں زیادہ واضح تھے، خاص طور پر عصا اور ید بیضا، یہ دو ایسے معجزے تھے کہ جن کا انکار کرنے کے لیے دل کے اندھوں کو بھی خاصے

تعصب اور ضد وعناد سے کام لینا پڑا ہوگا۔ فرعون اور اس کی قوم یعنی قبطیوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور وہ ان پر جور و جفا کے نئے نئے طریقے آزماتے رہتے تھے۔ بنی اسرائیل اس زمانے میں مصر آئے تھے جب ان کے شہر اور گاؤں شدید قحط کی لپیٹ میں آ گئے تھے، پھر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زیر سایہ یہیں آباد ہو گئے اور ان کی نسل میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ان کا شمار مصر کی دوسری بڑی قوم میں ہونے لگا، پھر مختلف فرعونوں نے اپنے اپنے دور میں انہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنانا شروع کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو بدترین غلامی سے رہائی دلا کر ان کے اپنے وطن یعنی ارض مقدس میں لے جانا چاہتے تھے اسی لیے آپ نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ: ''بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو'' (۷/ ۱۰۵)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے یہ دعویٰ کیا کہ میں رب العالمین کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں تو فرعون نے مذاق کے طور پر کہا: ''اچھا! اگر واقعی تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ''۔ آپ نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی جو دیکھتے ہی دیکھتے ایک خوفناک اژدہے کی شکل اختیار کر گئی، پھر آپ نے اپنا ہاتھ باہر نکالا، اس سے ایسا نور نکلا جس سے ارض و سما کے درمیان چکا چوند ہو گئی، بعض تفسیروں مثلاً طبری اور ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب فرعون نے لاٹھی کو سانپ بنتے ہوئے دیکھا تو ڈر کے مارے تخت سے چھلانگ لگا دی اور بھاگ کھڑا ہوا، پھر اسے یہ ڈر لاحق ہو گیا کہ کہیں لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئیں، اس لیے اس نے اپنے مشیران خاص سے کہا کہ یہ ایک جادوگر ہے جو تمہارے اس ملک پر قبضہ جمانا چاہتا ہے۔ لہٰذا تم مجھے مشورہ دو کہ کیا کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا ہمارے ملک میں بڑے بڑے ماہر جادوگر ہیں، ان سب کو جمع کر لیا جائے تاکہ وہ ایک مجمع عام کے سامنے موسیٰ کو شکست فاش دیں۔ چنانچہ یہی کیا گیا، ایک مخصوص میدان اور معین دن میں مصر کے ہزاروں لوگ جمع ہو گئے، ساحروں کے جادو کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا معجزہ دکھایا تو ساحران مصر بے اختیار سجدے میں گر گئے اور انہوں نے ایمان قبول کر لیا، ان کے قبول ایمان نے فرعون کو سیخ پا کر دیا اور وہ گالم گلوچ اور دھمکیوں پر اتر آیا۔ لیکن ان نو مسلموں کے دل کی گہرائی میں ایمان کی جڑ چند لمحوں ہی میں اس قدر پیوست ہو گئی تھی، کہ فرعون کی دھمکیاں ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ کر سکیں۔

فرعون اور اس کی قوم کی جانب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں مسلسل تکبر، سرکشی، انکار اور ظلم و ستم کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یکے بعد دیگرے مختلف عذابوں اور آزمائشوں میں مبتلا کر دیا۔ اللہ نے ایسا طوفان بھیجا جس سے ان کی

کھیتیاں تباہ ہوگئیں، ٹڈیوں کے دَل آئے جو درختوں کے پتے تک چٹ کر گئے، اس قدر چچڑیاں پیدا ہوگئیں کہ انہوں نے جمع شدہ غلے کو ناقابل استعمال کر دیا۔ مینڈکوں کی کثرت ہوئی، بات کرنے کے لیے منہ کھولتے تو مینڈک منہ کی طرف چھلانگ لگاتے، ان کی نہروں، کنوؤں اور مٹکوں کا پانی خون میں تبدیل ہوگیا، جب کوئی عذاب آتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آہ زاری اور عہد واقرار کرتے کہ اگر اللہ نے اس عذاب سے نجات دے دی تو ہم ایمان لے آئیں گے، لیکن جب عذاب ٹل جاتا تو وہی کچھ کرنے لگتے جو پہلے کر رہے ہوتے تھے۔ پھر یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعونیوں کے عذاب سے نجات دے دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں رات کی تاریکی میں مصر سے لے کر نکل گئے۔ آزادی نصیب ہوئی تو دستورِ زندگی کی ضرورت محسوس ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کوہِ طور پر بلایا، وہاں آپ نے چالیس روزے رکھے، پھر آپ کو باری تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف بھی حاصل ہوا اور دستورِ زندگی کے طور پر تورات بھی عطا ہوئی، آپ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں سامری کے بہلانے پھسلانے پر اسرائیلیوں نے بچھڑے کی عبادت شروع کر دی، آپ واپس تشریف لائے تو آپ کو ان کی اس مشرکانہ حرکت سے بے پناہ دکھ ہوا۔ اسرائیلی عجیب قوم تھے، قدم قدم پر پھسل جاتے تھے، وعدے کرتے تھے اور بھلا دیتے تھے، احکام الٰہیہ کا مذاق اڑاتے تھے، ان میں تاویل اور تحریف تک سے باز نہیں آتے تھے، انہیں حکم دیا گیا کہ بیت المقدس میں سر جھکا کر داخل ہونا مگر وہ سر اٹھا کر اور گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے، انہیں کہا گیا کہ ہفتے کے دن اللہ کی عبادت کے سوا کچھ نہ کرو۔ مگر وہ حیلے بہانے سے مچھلی کا شکار کرنے لگے، ان کے سروں پر کوہِ طور اٹھا کر تورات پر عمل کا وعدہ لیا گیا مگر وہ اپنے وعدے کو نبھانے میں ناکام رہے۔ یہ تمام واقعات سورۂ اعراف میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ جب بنی اسرائیل سے وعدہ لینے کا ذکر ہوا تو اسی کی مناسبت سے بارہویں رکوع میں بتایا گیا کہ عالمِ ارواح میں تمام انسانوں سے بھی اللہ کے حکموں کی تعمیل کا وعدہ لیا گیا تھا مگر اکثر انسانوں نے اس عہد کو فراموش کر دیا۔ اس کے بعد سورت کے اختتام تک جو اہم مضامین مذکور ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) ...... بلعم بن باعوراء کا قصہ جسے علم و شرف عطا کیا گیا تھا لیکن بدبخت نے اپنے علم کو دنیا کے چند سنگریزوں کے عوض فروخت کر دیا۔ (۷/۱۷۵-۱۷۸)

اس قصے سے ہمیں یہ عبرت حاصل ہوتی ہے کہ عمل اور اعلیٰ اخلاق کے بغیر خالی خولی علم اللہ کے ہاں کسی کام کا نہیں اسی لیے عرب شاعر نے کہا ہے کہ

لو کان فی العلم من دون التقیٰ

شر ف لكان اشرف خلق ال ابليس

(اگر تقویٰ کے بغیر علم میں کوئی شرف کمال ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ابلیس سب سے زیادہ معزز ہوتا)

④ ...... کفار، چوپاؤں کی طرح ہیں کیونکہ وہ اپنے دل ودماغ، آنکھوں اور کانوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ایمان سے محروم رہتے ہیں۔(۷/۱۷۹)

جولوگ عقل اور دماغ کو دین کے لیے استعمال نہیں کرتے وہ دیوانے ہیں، جو آیات الٰہیہ نہیں سنتے وہ بہرے ہیں اور جو انہیں نظر بصیرت سے نہیں دیکھتے وہ اندھے ہیں۔

③ ...... اللہ تعالیٰ کفار کو اس دنیا میں مہلت دیتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ انہیں اچانک پکڑ لیتا ہے۔(۷/۱۸۲) مہلت کے وقفہ کی وجہ سے بسا اوقات انسان دھوکا کھا جاتا ہے اور گناہوں پر مزید جری ہو جاتا ہے۔

④ ...... قیامت کا معین علم کسی کو بھی نہیں ہے۔(۷/۱۸۷)

⑤ ...... اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاق کریمانہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، فرمایا: ''آپ عفو اختیار کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کرلیں''، اس مختصر آیت میں وہ اعلیٰ اخلاق آگئے ہیں جنہیں اختیار کرنے کی اسلام دعوت دیتا ہے اور ان برے اخلاق سے بچنے کی تلقین بھی آگئی جن سے بچنا ایک نیک انسان کے لیے ضروری ہے۔

سورۂ اعراف کی ابتدا بھی قرآن کی عظمت کے بیان سے ہوئی تھی اور اس کا اختتام بھی قرآن کی تعظیم اور ادب واحترام کے بیان پر ہوا ہے فرمایا گیا: ''جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔'' جب کوئی شخص قرآن کی عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے توجہ سے سنتا ہے اور اس کی آیات میں غور وتدبر کرتا ہے تو اس کا دل متاثر ہوتا ہے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔

سورۃ الانفال ...... سورۂ انفال مدنی ہے، اس میں پچھتر آیات اور دس رکوع ہیں، دوسری مدنی سورتوں کی طرح اس میں شرعی احکام کے بیان کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ خاص طور پر ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا موضوع اس میں بہت نمایاں ہے، یہ سورت غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی جو کہ تاریخ اسلام میں ہونے والے غزوات کی بنیاد اور ابتدا تھا، اس غزوہ میں اللہ کی نصرت کا دیکھتی آنکھوں سے مشاہدہ کیا گیا اور ایک چھوٹے سے لشکر نے اپنے سے کئی گناہ بڑے لشکر کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔ اس سورت کی ابتدا مال غنیمت کا حکم بیان کرنے سے ہوئی ہے

کیونکہ اس کی تقسیم کے بارے میں مسلمانوں میں باہم اختلاف ہوگیا تھا، اس کے بعد سچے مومنوں کی پانچ صفات بیان کی گئی ہیں یعنی اللہ کی خشیت، تلاوت قرآن سے ایمان کی زیادتی، رحمٰن پر توکل، نماز کی حفاظت اور اللہ کے بندوں کے ساتھ احسان۔ اگلی آیات میں غزوہ بدر کی تفصیل ہے۔

سورۂ انفال کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو چھ بار "یـــا ایھا الذین آمنوا" کے محبت آمیز الفاظ سے خطاب فرما کر انہیں ایسے اصول بتائے ہیں جن پر عمل پیرا ہوکر وہ میدان جہاد میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ سکتے ہیں۔ پہلا خطاب آیت ۱۵ میں ہے جس میں فرمایا گیا: "اے ایمان والو! جب تم میدان جنگ میں کافروں سے ٹکراؤ تو ان سے پیٹھ مت پھیرو۔"

دوسرا خطاب آیت ۲۰ میں ہے جس میں ہے: "اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرو اور اس سے سن کر اعراض نہ کرو۔"

تیسرا خطاب آیت ۲۴ میں ہے: "اے ایمان والو! اللہ اور رسول کا حکم مانو جب وہ تمہیں ایسے کام کی طرف بلائیں جس میں تمہاری زندگی ہے۔"

چوتھا خطاب آیت ۲۷ میں ہے: "اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور آپس کی امانتوں میں جان بوجھ کر خیانت نہ کرو۔"

پانچواں خطاب آیت ۲۹ میں ہے: "اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں فرقان عطا کر دے گا، تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے"

چھٹا خطاب آیت ۴۶ میں ہے اور یہ آیت دسویں پارہ میں ہے: "اے ایمان والو! جب کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر سے کام لو کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

ان آیات میں جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل پیرا ہوکر اور جن باتوں سے منع کیا گیا ہے ان سے باز آ کر مسلمان یقیناً دنیا کی سب سے مضبوط اور طاقتور قوم بن سکتے ہیں۔ ایسی جماعت کبھی شکست سے دوچار نہیں ہوسکتی جو دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہے، جو اللہ اور رسول کے احکام کی اطاعت کرنے والی ہو، جو ایسی دعوت پر لبیک کہنے والی ہو، جس میں دلوں کی زندگی اور عزت وسعادت کا راز پوشیدہ ہو، جو نہ دین میں خیانت کرتی ہو اور نہ دنیاوی حقوق کی

ادائیگی میں خیانت کا ارتکاب کرتی ہو، سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خوف خدا اور تقویٰ کی صفت سے متصف ہو اور آخری بات یہ کہ وہ گولہ بارود کی بارش میں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی رہے، اس کا کلمہ ایک ہو، اس کی صفوں میں کامل اتحاد ہو، وہ نفسانی اور گروہی تنازعات اور اختلافات میں مبتلا نہ ہو۔ ذرا غور کیجیے جس جماعت میں یہ صفات پائی جائیں وہ کبھی شکست کھا سکتی ہے یقیناً وہ فتح ہی سے ہمکنار ہوگی اگرچہ اس کا مقابلہ پہاڑوں ہی سے کیوں نہ ہو۔

پارہ 10

سورۃ الانفال کا کچھ حصہ دسویں پارہ میں بھی آیا ہے، انفال نفل کی جمع ہے، مال غنیمت کو کہتے ہیں، اس سورت کی پہلی آیت میں ایک ایسے ہی سوال کا جواب دیا گیا تھا جو مال غنیمت کے بارے میں کیا گیا تھا، دسویں پارہ کے شروع میں اس کی مزید تفصیل ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو دیا جائے گا جبکہ چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم کیے جائیں گے۔

مال غنیمت کی تقسیم کا حکم بتانے کے بعد دوبارہ غزوۂ بدر کی تفصیل ہے جس میں قرآن حکیم نے اپنے خاص اسلوب میں اس کی یوں منظر کشی کی ہے کہ گویا سامعین اپنی آنکھوں سے اس غزوہ کا حال دیکھ رہے ہیں۔ فرمایا: ''اس وقت کو یاد کرو جب تم قریب کے ناکے پر تھے اور وہ دور کے ناکے پر تھے اور قافلہ تم سے نیچے اتر گیا تھا۔'' (۴۲)

غزوۂ بدر کے حوالے سے جو باتیں یہاں ذکر کی گئی ہیں ان میں سے خاص خاص باتیں درج ذیل ہیں:

① ...... جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو کفار نے مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم سمجھی اور یوں ہی مسلمانوں کو کفار بہت کم دکھائی دیئے، ایسا اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کا ہونا طے فرما دیا تھا اور اللہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی فریق بھی دوسرے کی کثرت سے مرعوب ہوکر راہ فرار اختیار کر جائے۔ (۴۳۔۴۴)

② ...... اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں مسلمانوں کی نصرت کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ کی نصرت کے حصول کے چار عناصر ذکر فرمائے ہیں:

- ...... میدان جنگ میں ثابت قدم۔
- ...... اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرنا۔
- ...... آپس میں اختلاف اور لڑائی جھگڑے سے بچ کر رہنا۔

● ......دشمن سے مقابلہ کے وقت ناموافق امور پر صبر کرنا۔ (۴۶)

③ ......غزوہ بدر میں شیطان مشرکین کے سامنے ان کے اعمال کو مزین کر کے پیش کرتا رہا، دوسری جانب مسلمانوں کی مدد کے لیے آسمان سے فرشتے نازل ہوئے، جو کافروں کے چہروں اور پیٹھوں پر سخت ضربیں لگاتے تھے۔ (۴۸۔۵۱)

مفسرین فرماتے ہیں کہ اگرچہ یہ آیات تو غزوہ بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہیں لیکن مفہوم کے اعتبار سے عام ہیں۔ چنانچہ موت کے وقت ہر کافر کی پٹائی لگتی ہے۔

④ ......قریش پر غزوہ بدر میں آفت آئی اور وہ ذلیل وخوار ہوئے تو اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ جب کوئی قوم شکر کی بجائے کفر اور اطاعت کی بجائے معصیت شروع کر دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا معاملہ بدل دیتا ہے اور اسے نعمت کی جگہ نکبت اور راحت کی جگہ مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

⑤ ......غزوہ بدر کے پس منظر میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ دشمنوں سے مقابلہ کے لیے مادی، عسکری اور روحانی تینوں اعتبار سے تیاری مکمل رکھیں، ظاہر ہے غزوہ بدر میں مادی تیاری مکمل نہ تھی یہ تو اللہ کی خاص نصرت کا نتیجہ تھا کہ مادی اور عسکری اعتبار سے کمزوری اور دونوں لشکروں میں بے پناہ تفاوت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ لیکن آئندہ کے لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ حالات اور ضروریات کے مطابق بھرپور تیاری کریں تاکہ ان کے اسلحہ اور سازوسامان کو دیکھ کر دشمن پر رعب طاری ہو جائے اور وہ اسلامی لشکر کے سامنے آنے کی جرأت ہی نہ کرے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”جہاں تک ہو سکے تم ان سے مقابلے کے لیے تیاری رکھو، قوت بھی اور گھوڑوں کا پالنا بھی کہ اس کے ذریعے تمہاری دھاک بیٹھی رہے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور ان کے سوا دوسرے لوگوں پر جنہیں تم نہیں جانتے اور اللہ انہیں جانتا ہے۔“ (۸:۶۰)

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مادی قوت وطاقت کی اہمیت کے باوجود روحانی قوت کا انکار نہیں کیا جا سکتا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دشمن سے دوبدو ہونے کے لیے روحانی اور ایمانی قوت، تمام دوسری قوتوں اور وسائل کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ یہی وہ قوت ہے جو کمزور کو طاقتور بناتی ہے، جو چھوٹے کو بڑے لشکر کے ساتھ ٹکرانے کا حوصلہ عطا کرتی ہے، جو شہادت کی راہ پر چلنا آسان کرتی ہے، ایمانی قوت رکھنے والوں کو ایسا رعب عطا کیا جاتا ہے جو بڑے بڑے سورماؤں کو لرزہ براندام کر دیتا ہے، اپنی اس اجتماعی کمزوری کا کیسے اعتراف کیا جائے

کہ آج کے مسلمان فکری، علمی، مادی اور روحانی ہر اعتبار سے ضعف اور کمزوری کا شکار ہیں۔

⑥ ...... جہاں مسلمانوں کو جنگ کے لیے ہمہ وقت مستعد رہنے کا حکم دیا گیا ہے وہیں یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ: ''اگر یہ (کافر) صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ۔'' (۸:۶۱)

اس آیت سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اگر صلح میں مسلمانوں کی مصلحت ہو تو صلح کر لینی چاہیے، جنگ کی تیاری اور جذبہ جہاد کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بہر صورت جنگ ہی کرنا ضروری ہے اور مصالحت سے دور رہنا ہی اللہ کا حکم ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر صلح کا راستہ اختیار فرمایا ہے۔

⑦ ...... جنگ بدر میں ستر مشرکین گرفتار ہوئے تھے، ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عادت کے موافق ان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لیے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین کی رائے یہ تھی کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مشورہ دیا کہ انہیں فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رائے کو پسند فرمایا اور ان قیدیوں کو رہا کر دیا، اس پر اللہ کی طرف سے عتاب نازل ہوا، فرمایا گیا: ''اگر اللہ کا حکم نہ ہو چکا ہوتا تو جو فدیہ تم نے لیا ہے اس کے بدلے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔'' (۸:۶۸)

اس قسم کی آیات جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا گیا ہے قرآن کی صداقت وحقانیت کی دلیل ہیں، اگر بالفرض قرآن اللہ کا کلام نہ ہوتا تو ایسی آیات کو قرآن میں ہرگز جگہ نہ ملتی۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ عتاب کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس فدیہ کے کھانے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اسے حلال اور پاکیزہ قرار دیا جو مشرک قیدیوں سے لیا گیا تھا۔ سورت کے اختتام پر ان لوگوں کو ایک دوسرے کا رفیق قرار دیا گیا ہے۔ جو اللہ کی رضا کے لیے ہجرت اور جہاد کرتے ہیں، ایک دوسرے کو ٹھکانہ فراہم کرتے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اس سورت کی ابتداء جہاد اور غنیمت کے ذکر سے ہوئی تھی اور اختتام نصرت اور ہجرت کے ذکر پر ہو رہا ہے گویا کہ یہ سورت ابتدا سے اختتام تک جہاد ہی کے بیان پر مشتمل ہے۔

سورۃ التوبۃ ...... سورۂ توبہ مدنی ہے اور اس میں ۱۲۹ آیات اور ۱۶ رکوع ہیں، اسے سورۂ براۃ بھی کہا جاتا ہے، اس سورت کا پہلا لفظ ہی ''براۃ'' ہے۔ یہ سورت ۹ ہجری میں اس وقت نازل ہوئی جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رومیوں کی سرکوبی کے لیے نکلے تھے، اس غزوہ کو غزوہ

تبوک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ غزوہ سخت گرمی کے زمانے میں پیش آیا تھا، سفر بھی بہت طویل تھا، پھل پکے ہوئے تھے جو کہ ان کا اہم ذریعہ معاش تھے اور مقابلہ ایک ایسی سلطنت سے تھا جسے اپنے وقت کی سپر پاور ہونے کا دعویٰ تھا، مختصر یہ کہ یہ غزوہ اہل ایمان کے لیے بڑی ابتلاء اور ان کے صدق و اخلاص کا امتحان تھا، اس کے ذریعے مومنوں اور منافقوں کے درمیان امتیاز بھی ہو گیا، حقیقت میں سورۂ توبہ کے بنیادی ہدف دو ہی ہیں:

- ......ایک مشرکین اور اہل کتاب کے ساتھ جہاد کے احکام بیان کرنا۔
- ......دوسرا غزوۂ تبوک کے پس منظر میں اہل ایمان اور اہل نفاق کے درمیان واضح فرق کر دینا۔

جہاں تک احکام جہاد کا تعلق ہے تو تمہید کے طور پر ان معاہدات سے برات کا اعلان کیا گیا جو مسلمانوں نے مشرکین کے ساتھ کیے تھے، ان کے لیے انتہائی مدت چار ماہ مقرر کر دی گئی، یوں ہی مشرکوں کو بیت اللہ کا حج کرنے سے بھی منع کر دیا گیا۔ کیونکہ یہ لوگ کئی بار عہد شکنی کے مرتکب ہو چکے تھے اور اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لیے یہود کے ساتھ گٹھ جوڑ کرتے چلے آ رہے تھے۔ مشرکوں سے برات کا اعلان کرنے کے بعد اہل کتاب کے ساتھ بھی قتال کی اجازت دی گئی ہے کہ مکر و فریب، عہد شکنی، منافقت اور جھوٹ ان کی فطرت میں رچ بس چکا تھا۔ یہود کا قبیلہ بنو قریظہ ہو یا بنو نضیر اور بنو قینقاع، انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا تھا، تقریباً بیس آیات میں ان کے باطنی خباثت اور دسیسہ کاریوں کو طشت ازبام کیا گیا ہے اور مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ: ”اہل کتاب میں سے جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ہی روز آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ دیں۔“ (۲۹)

جہاں تک اس سورت کے ہدف کا تعلق ہے تو منافقوں کی علامات اور بدباطنیوں کو اس انداز میں بیان کیا گیا کہ وہ سب کے سامنے ذلیل اور رسوا ہو کر رہ گئے۔ اسی لیے اس سورت کا ایک نام ”سورۃ الفاضحہ“ بھی ہے یعنی رسوا کرنے والی سورت، اس سورت کے نزول سے قبل انہوں نے اپنے آپ کو اسلام کے زبانی دعوے کے پردے میں چھپا رکھا تھا۔ لیکن اس سورت نے ان کے باطن کو یوں ظاہر کیا کہ ہر کسی نے جان لیا کہ کون منافق ہے اور کون مخلص مومن ہے، منافقوں کی کمزوریوں اور عیوب کو نمایاں کرنے کا ظاہری سبب غزوۂ تبوک بنا، جہاد تو ویسے بھی جان کو جوکھوں میں ڈالنے والی عبادت ہے۔ جبکہ غزوۂ تبوک میں مادی اعتبار سے اپنے وقت کی سب سے بڑی فوج کے ساتھ مقابلہ تھا اور وہ بھی شدید گرمی اور فقر و فاقہ کے دنوں میں، اس غزوہ

کے پس منظر میں منافقوں سے جو حرکتیں سرزد ہوئیں ان کا اندازہ ذیل کی چند جھلکیوں سے لگایا جاسکتا ہے، یہ جھلکیاں سورۂ توبہ کی بعض آیات ہی سے ماخوذ ہیں:

- ......اللہ نے پیشگوئی فرمادی تھی کہ ''منافق قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو آپ کے ساتھ ضرور (تبوک کی طرف) نکل پڑتے۔'' (۹:۴۲) چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آئے تو منافقوں نے جھوٹے اعذار پیش کیے۔
- ......سوائے چند کے باقی تمام مخلص مسلمان فوراً غزوہ تبوک میں شرکت کے لیے تیار ہو گئے جب کہ منافقوں نے مختلف حیلوں بہانوں سے مدینہ میں رہنے کی اجازت حاصل کرلی۔
- ......اللہ نے فرمایا کہ ان منافقوں کا جہاد میں نہ نکلنا ہی بہتر تھا، اگر بالفرض وہ شرکت کرتے تو مسلمانوں کے درمیان فتنہ فساد پھیلانے کے سوا کچھ بھی نہ کرتے۔ (۹:۴۷)
- ......ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے مضحکہ خیز عذر پیش کر کے اپنے لیے استثناء حاصل کرنے کی کوشش کی، مثال کے طور پر جد بن قیس نام کے ایک صاحب کہنے لگے ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں دل کا بڑا کمزور ہوں جبکہ رومیوں کی عورتیں گورے رنگ کی ہوتی ہیں، مجھے ڈر ہے کہ اگر میں جہاد میں گیا تو انہیں دیکھ کر فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں گا۔'' (۹:۴۹)
- ......ان کے دلوں میں مسلمانوں کے لیے بغض اور حسد کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (۹:۵۰) اگر مسلمانوں کو فتح حاصل ہو یا مال غنیمت ہاتھ آئے تو پریشان ہو جاتے ہیں اور اگر اس کے برعکس کسی حادثے یا مصیبت کا سامنا کرنا پڑ جائے تو انہیں بے پناہ خوشی ہوتی ہے۔
- ......وہ قسمیں کھا کر یقین دلاتے ہیں کہ اے مسلمانو! ہم تم میں سے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ (۹:۵۶)
- ......ان کی نظریں صرف مال پر ہوتی ہیں اگر مل جائے تو خوش ہوتے ہیں، اگر محروم رہیں تو اللہ کے نبی پر بھی طعنہ زنی سے باز نہیں آتے۔
- ......چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر کسی کی بات سن لیا کرتے تھے اس لیے وہ آپ کے بارے میں کہتے تھے کہ آپ تو ''نرے کان'' ہیں۔ (۹:۶۱)
- ......آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں انہیں مستقل یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کہیں ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کا پول کھول دے اور ان کے قلبی راز فاش کر دے۔ (۹:۶۴)
- ......ایک دوسرے کو برائی کا حکم دینا، نیکی سے روکنا اور بخل کرنا ان کی نمایاں صفات میں سے ہیں۔ (۹:۶۷)
- ......ان منافقین کی صفات اور اعمال، ماضی کے کفار جیسے ہیں۔ (۹:۶۹)

• ......ان کے دل اللہ کی محبت، اس کے ذکر وشکر اور اس کی عظمت سے یکسر خالی ہیں، ظاہر ہے جس کے دل میں اللہ کی عظمت نہیں ہوگی اس کے لیے معصیت اور نافرمانی بہت آسان ہو جائے گی۔ (۹:۶۷)

منافقوں کو کفار کے ساتھ تشبیہ دینے کے بعد قوم نوح، عاد، ثمود، قوم ابراہیم اصحاب مدین اور قوم لوط کا ذکر کیا ہے۔

• ......دسویں پارہ کے آخر تک منافقوں ہی کا تزکرہ ہوا ہے اوران کے بارے میں اللہ نے یہاں تک فرمادیا ہے کہ اے میرے پیغمبر! ''اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی استغفار کریں تو بھی اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا، اور یہ بھی فرمادیا کہ اگر ان میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ ادا نہ فرمائیں۔ (۹:۸۴)

منافقوں کے ساتھ ساتھ اللہ نے ان مخلص مسلمانوں کا بھی تزکرہ فرمایا ہے جن میں سے کوئی بڑھاپے، کوئی شدید بیماری اور کوئی سامان جہاد نہ ہونے کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کر سکا، ان لوگوں کے جذبات کا یہ عالم تھا کہ جہاد میں شرکت نہ کر سکنے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسوامڈامڈ آتے تھے اس لیے فرمایا گیا کہ مخلصین کی اس جماعت پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

پارہ 11

دسویں پارہ کے آخر میں مخلص اہل ایمان کے علاوہ ان منافقوں کا تذکرہ تھا جنہوں نے مالی وسائل اور سواری کی استطاعت رکھنے کے باوجود غزوۂ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی، گیارہویں پارہ کی ابتدا میں بھی اہل نفاق کا تذکرہ ہے، اللہ نے اپنے نبی کو تبوک سے واپسی پر راستہ ہی میں اطلاع دے دی تھی کہ جب آپ مدینہ پہنچیں گے تو منافق آپ کے سامنے مختلف قسم کے اعذار پیش کریں گے کہ ہم انتہائی سخت مجبوریوں کی بنا پر آپ کے ساتھ غزوہ میں شریک نہ ہوسکے۔ ورنہ ہم نے جانے کا تو پختہ ارادہ کر رکھا تھا، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور منافقوں نے قسمیں کھا کھا کر آپ کو اپنی سچائی کا یقین دلانے کی کوشش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروت اور شرافت کی بنا پر حقیقت کو جانتے ہوئے بھی خاموشی اختیار فرمائی اور انہیں جھوٹا قرار نہیں دیا، منافقوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے مخلص مسلمانوں کی صفات بیان فرمائی ہیں، اور ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتے ہیں، اور جھوٹ بول کر غلط کو صحیح قرار دینے کی کوشش نہیں کرتے، درمیان میں پھر منافقوں کا ذکر آ گیا ہے جنہوں نے اسلام کو ضرر پہنچانے، کفر کے فروغ اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کے لیے ''مسجد ضرار'' تعمیر کی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے افتتاح کی درخواست کی تھی مگر اللہ نے اپنے نبی کو اس مسجد میں کھڑا ہونے سے منع فرما دیا۔ چنانچہ اس مسجد کو آپ کے حکم سے جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ مسجد ضرار کے مقابلے میں مسجد قبا اور نفاق کے مقابلے میں ان اہل ایمان کا تذکرہ ہے جو اپنے مال اور اپنی جانیں حصول جنت کے لیے اللہ کی راہ میں وقف کر چکے ہیں، ان اہل ایمان کی نو ایسی صفات ذکر کی گئی ہیں جو ہر مومن کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے یعنی توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیک کاموں کا حکم دینے والے، بری باتوں سے منع کرنے والے اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے۔ (۹:۱۱۲)

غزوۂ تبوک میں شرکت سے جو لوگ محروم رہ گئے تھے ان میں تین ایسے مخلص مسلمان بھی تھے جن کے اخلاص اور ایمان میں کسی کو شک نہیں تھا، یعنی حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارۃ بن ربیع رضوان اللہ علیہم اجمعین، ان تینوں نے کوئی عذر نہیں تراشا بلکہ صاف صاف اعتراف کرلیا کہ پیچھے رہ جانے میں سراسر ہماری اپنی غلطی، سستی اور کاہلی کو دخل تھا، ان کے معاملہ کو الگ رکھا گیا تھا، یہاں تک کہ پچاس دن تک ان کا بائیکاٹ بھی کیا گیا۔ لیکن پھر انہیں سچ بولنے کی وجہ سے ایسا نوازا گیا کہ ان کی توبہ کی قبولیت کا اعلان وحی کے ذریعے سے کیا گیا، یہ اعلان ان کے لیے اتنی بڑی بشارت تھا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: ''جب سے تمہیں تمہاری والدہ نے جنا ہے آج سے زیادہ بہتر اور مبارک دن تم پر نہیں آیا۔''

ان حضرات کی قبول توبہ کا ذکر آیت ۱۱۸۔۱۱۷ میں ہے۔ اگلی آیات میں اہل ایمان کو چار اہم باتوں کی تاکید کی گئی ہے:

پہلی یہ کہ وہ خفیہ اور علانیہ تقویٰ کو لازم پکڑے رکھیں۔

دوسری یہ کہ وہ اہل نفاق سے دور رہتے ہوئے صرف سچوں کی صحبت اختیار کریں۔

تیسری یہ کہ وہ رزق کی تنگی اور کشادگی میں اللہ کے رسول کو اپنے اوپر ترجیح دیں۔

چوتھی بات حقیقت میں اللہ کی طرف سے وعدہ ہے کہ ہر قسم کی عبادت اور اطاعت کا اللہ کی طرف سے اجر مل کر رہے گا اور یہ کہ اللہ کے دین کے لیے جس قدر مشقت اٹھائی گئی، اتنا ہی اجر و ثواب عطا ہوگا۔ (۱۲۱۔۹:۲۰)

جہاد کی فضیلت اور اہمیت کے باوجود حکم دیا گیا ہے کہ سارے ہی مسلمانوں کو جہاد میں نہیں چلے جانا چاہیے۔ بلکہ کچھ لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود رہنا چاہیے۔ تاکہ آپ سے دین کی سمجھ حاصل کریں۔ (۹:۱۲۲)

اسلام کو اپنی دعوت کی ابتدا میں جیسے دشمنوں کی طاقت توڑنے کے لیے جہاد کی ضرورت تھی یونہی ان بنیادوں کی بھی ضرورت تھی جن پر اسلامی مملکت کی عمارت کھڑی کی جاسکے اس مقصد کے لیے شرعی احکام کے نزول کا سلسلہ مستقل جاری تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے افراد کی تیاری میں ہمہ تن مصروف تھے جو مستقبل کے مدرس، مربی، معلم، قاضی، حاکم، عامل اور منتظم بن سکیں، اس لیے حکم دیا گیا کہ مسلمانوں کی معتدد تعداد کو مدینہ میں ہی رہنا چاہیے تاکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرسکیں اسلامی مملکت کی ضروریات سے قطع نظر فی ذاتہ بھی علم دین حاصل کرنا بہت بڑا عمل ہے، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کرتا

ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے'' یہ بھی آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے کہ: ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ثابت ہوتا ہے''

جہاد کے لیے ایک اہم اصول یہ بتایا گیا ہے کہ الاقرب فالاقرب کے ضابطہ کے تحت جہاد کیا جائے، یعنی قریب کے کفار سے جہاد کرتے ہوئے اس کا دائرہ دور تک وسیع کیا جائے۔ (۹:۱۲۳)

سورۂ توبہ کی آخری آیات میں دوبارہ منافقین کی مذمت کی گئی ہے کہ ان حرماں نصیبوں کو قرآن سے بھی کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ فکر و عمل کے اعتبار سے ان کی نجاست ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اس سورت کی آخری آیت میں اللہ نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بیان فرمائی ہے اور آپ کے لیے اپنے اسماءِ حسنیٰ میں سے دو نام منتخب فرمائے ہیں یعنی رؤف اور رحیم۔ اور اس میں شک نہیں کہ آپ اپنی امت بلکہ ساری انسانیت کے حق میں بے حد شفیق اور مہربان تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے یہ دونام آپ کے سوا کسی کے لیے بھی جمع نہیں فرمائے۔

سورۃ یونس ...... سورۂ یونس مکی ہے، اس میں ۱۱۹ آیات اور ۱۱ رکوع ہیں، اس سورت میں ایمان کے بنیادی ارکان اور عقائد اور بالخصوص قرآن کریم سے بحث کی گئی ہے۔ سورت کی ابتدا کتاب اللہ، اور رسول اللہ کے ذکر سے ہوتی ہے، بتایا گیا ہے کہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت سے کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آپ کی بعثت کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول آتا رہا ہے۔ اس کے بعد ربوبیت، الوہیت اور عبودیت کی حقیقت اور خالق ومخلوق کے درمیان تعلق کی بنیاد بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ جو رب اور خالق ہے وہی معبود بننے کے لائق ہے، کائنات کا یہ سارا نظام اس کی ربوبیت اور قدرت پر گواہ ہے۔ (۱۰:۶)

اس نظام اور دلائل قدرت میں غور وفکر کے بعد انسان دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، تکذیب کرنے والے اور تصدیق کرنے والے۔ تکذیب کرنے والوں کا انجام آگ اور تصدیق کرنے والوں کا انجام دائمی باغات ہیں۔ (۱۰:۷)

تکذیب کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ انسان کی فطرت میں عجلت ہے یہاں تک کہ یہ بعض اوقات اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے عذاب اور ہلاکت کی دعائیں مانگتا ہے۔ (۱۰:۱۱)

ان جھٹلانے والوں کا حال یہ ہے کہ یہ قرآن کو جھٹلانے اور اس کا مذاق اڑانے سے بھی باز نہیں آتے اور اللہ کے نبی سے استہزاء کے طور پر کہتے ہیں کہ آپ کوئی دوسرا قرآن لے آئیں یا

اسی میں کچھ تبدیلیاں کریں آپ نے جواب دیا کہ مجھے ان میں سے کسی بات کا اختیار نہیں میں وحی کی اتباع کا پابند ہوں، کیا تم سمجھتے ہو کہ میں نے معاذ اللہ! یہ کلام خود بنا کر اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے، میں تمہارے اندر زندگی کے چالیس سال گزار چکا ہوں، تم نے مجھے کبھی جھوٹ بولتے ہوئے سنا ہے یا کسی استاد سے علم حاصل کرتے ہوئے دیکھا ہے اگر نہیں سنا اور نہیں دیکھا تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں یکا یک جھوٹ بولنا شروع کر دوں یا ایسا معجزانہ کلام تمہارے سامنے پیش کر دوں کیا یہ ہوسکتا ہے کہ میں انسانوں پر تو جھوٹ نہ بولوں اور اللہ پر جھوٹ بولنے کی جرات کرلوں آپ کی سیرت کی صفائی اور زبان کی صداقت کا یہی وہ پہلو تھا جس کا دشمن بھی اعتراف کرنے پر مجبور تھے، ابوسفیان سے زمانہ کفر میں جب روم کے بادشاہ ہرقل نے سوال کیا تھا کہ کیا دعویٰ نبوت سے پہلے تم نے کبھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ بولتے ہوئے سنا ہے تو کافر اور مشرک ہونے کے باوجود ابوسفیان بھی اس سوال کا جواب نفی میں دینے پر مجبور ہو گیا تھا اور ہرقل نے اس کا جواب سن کر کہا تھا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ تو جھوٹ نہ بولے اور اللہ پر جھوٹ بولنا شروع کر دے۔

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مشرکین نے بچپن سے نزول قرآن کے زمانہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مشاہدہ کیا تھا وہ جانتے تھے کہ آپ نے نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا نہ کسی استاذ کی شاگردی اختیار کی۔ پھر چالیس سال گزر گئے تو آپ یکا یک ایک عظیم کتاب ان کے پاس لے کر آ گئے جو علم اصول کے نوادر، علم احکام کی باریکیوں، علم اخلاق کے لطائف اور پہلو کے واقعات کے اسرار پر مشتمل تھی اور جس کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ کرنے سے بڑے بڑے ادیب اور شاعر عاجز آ گئے، ہر وہ شخص جسے عقل سلیم عطا کی گئی ہے وہ جانتا ہے کہ یہ سب کچھ وحی کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے۔

اگلی آیات میں مشرکین کی بت پرستی اور توحید کے دلائل مذکور ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ سختی اور مصیبت کے وقت بڑے سے بڑے مشرک بھی جھوٹے معبودوں کو بھول کر سچے معبود کو پکارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ (۱۰:۲۲)

پھر تلقین کے انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا ہے کہ آپ ان سے سوال کریں کہ: ''تمہیں آسمان اور زمین سے رزق کون دیتا ہے یا تمہارے کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو کون پیدا کرتا ہے تو آپ پوچھئے کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے ہو۔'' (۱۰:۳۲)

قرآن کی صداقت کے حوالے سے انہیں چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر یہ انسانی کلام ہے تو تم بھی

اس جیسی کوئی سورت بنا کر دکھا دو اور اس مقصد کے لیے عرب و عجم میں سے جسے بلانا چاہتے ہو بلا لو، پھر اللہ ان کی تکذیب کا سبب خود ہی فرما دیا، وہ یہ کہ انسان کی طبیعت ایسی ہے کہ وہ جس چیز سے جاہل ہوتا ہے اور اس کی حقیقت سمجھ نہیں پاتا تو سرے سے اس کا انکار ہی کر دیتا ہے۔ مشرکین نے توحید، بعث بعد الموت اور قرآن کی صداقت کا جو انکار کیا تو اس کی ایک بڑی وجہ ان کی جہالت اور عدم علم بھی تھا۔ اس سورت میں انہیں کہیں زجر اور تنبیہ کے ساتھ اور کہیں نصیحت اور خیر خواہی کے انداز میں ان تینوں بنیادی عقائد کے بارے میں ہٹ دھرمی چھوڑنے اور ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ قرآن کریم کی اعلیٰ صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت دلوں کی بیماری کی شفاء اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے۔ تو کہہ دیجئے کہ یہ کتاب اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے نازل ہوئی ہے تو چاہیے کہ لوگ اس سے خوش ہوں، یہ اس (مال و دولت) سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں۔'' (۱۰:۸۷)

توحید کے دلائل، بعث بعد الموت کا یقینی ہونا اور قرآن کریم کی صداقت بیان کرنے اور مشرکین کے مزعومات کی تردید کے بعد عبرت اور نصیحت کے لیے تین قصے بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں سے پہلا قصہ شیخ الانبیاء حضرت نوح علیہ السلام کا ہے، جن کی عمر اور زمانہ تبلیغ تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ طویل مگر ان کے متبعین بہت کم تھے۔ پھر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے جنہوں نے فرعون جیسے خدائی کے دعویدار کا مقابلہ کیا، تیسرا قصہ یونس علیہ السلام کا ہے اور انہی کے نام پر اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت یونس علیہ السلام کا صراحۃً نام چار جگہ آیا ہے اور دو مقامات پر انہیں ''مچھلی والے'' کی صفت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، وہ اپنی قوم کے ایمان سے مایوس اور اللہ کا عذاب آنے کو یقینی دیکھ کر ''نینویٰ'' کی سرزمین چھوڑ کر چلے گئے، آگے جانے کے لیے جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی والوں نے سمندر میں طغیانی کی وجہ سے انہیں سمندر میں پھینک دیا۔ ایک بڑی مچھلی نے انہیں نگل لیا، اللہ نے انہیں مچھلی کے پیٹ میں بھی زندہ رکھا، بالآخر چند روز بعد مچھلی نے انہیں ساحل پر اگل دیا۔ ادھر یہ ہوا کہ ان کی قوم کے مرد اور عورتیں، بچے اور بڑے سب صحراء میں نکل گئے اور انہوں نے آہ زاری اور توبہ واستغفار شروع کر دیا اور سچے دل سے ایمان قبول کر لیا جس کی وجہ سے اللہ کا عذاب ان سے ٹل گیا۔ یہ تین قصے ذکر کرنے کے بعد مشرکین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر وہ کفر و شرک سے باز نہ آئے تو قیامت سے پہلے ہی ان پر عذاب آ سکتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو بشارت سنائی گئی ہے کہ اللہ کی مدد قریب ہے، یہ ہماری سنت ہے کہ ہم بالآخر اہل ایمان کو

نجات دیتے ہیں، جیسے سورۂ یونس ابتدا قرآن حکیم کے ذکر سے ہوئی تھی اسی طرح اس کی انتہا بھی اس سچی کتاب کی اتباع اور پیروی کے حکم پر ہورہی ہے، ارشاد ہوتا ہے: ''فرمادیجئے اے انسانو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے حق (قرآن) آچکا ہے تو جوکوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو اس ہدایت کا فائدہ اسی کو ہوگا اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو اس گمراہی کا وبال اسی پر پڑے گا اور میں تم پر وکیل نہیں ہوں اور (اے پیغمبر!) آپ اسی کی اتباع کیجئے جو کلام آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے اور صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کردے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔''

پارہ 12

بارہواں پارہ دوسورتوں پر مشتمل ہے سورۂ ہود اور سورۂ یوسف۔ سورۂ ہود کی صرف پانچ آیات گیارہویں پارہ میں ہیں بقیہ پوری سورت بارہویں پارہ میں ہے، یہ مکی سورت ہے، اس میں ۱۲۳ آیات اور ۱۰ رکوع ہیں، اس سورت کی ابتدا میں قرآن کریم کی عظمت شان کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ اپنی آیات، معانی اور مضامین کے اعتبار سے محکم کتاب ہے، اور اس میں کسی بھی اعتبار سے فساد اور خلل نہیں آسکتا اور نہ اس میں کوئی تعارض یا تناقض پایا جاتا ہے۔ اس کے محکم ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اس کی تفصیل اور تشریح اس ذات نے کی ہے جو حکیم بھی ہے اور خبیر بھی ہے، اس کا ہر حکم کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہے اور اسے انسان کے ماضی، حال، مستقبل، اس کی نفسیات، کمزوریوں اور ضروریات کا بخوبی علم ہے۔

کتاب اللہ کی عظمت بیان کرنے کے بعد توحید کی دعوت ہے جو عقیدہ اور یقین کی بنیاد ہے، دعوت توحید کے بعد دلائل توحید کا بیان ہے جو کہ پوری کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں، بتایا گیا ہے کہ ساری مخلوق کو رزق دینے والا اللہ ہی ہے، خواہ وہ مخلوق انسان ہو یا جنات، چوپائے ہوں یا پرندے، پانی میں رہنے والی مچھلیاں ہوں یا کہ زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑے۔ آسمان اور زمین کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے، لیکن جو لوگ ان دلائل میں غور و فکر نہیں کرتے اور جنہوں نے اپنی آنکھوں پر ضد اور عناد کی پٹی باندھ رکھی ہے وہ توحید کا بھی انکار کرتے ہیں اور قرآن کو اللہ کا کلام تسلیم کرنے سے بھی انکار کرتے ہیں، ان منکرین کو چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر واقعی قرآن انسانی کاوش ہے تو تم بھی اس جیسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ۔ (۱۱:۱۳) منکرین کو تین بار چیلنج دیا گیا تھا، پہلی بار پورے قرآن کی مثال لانے، دوسری بار قرآن جیسی دس سورتیں اور تیسری بار سورۂ بقرہ میں قرآن کریم جیسی صرف ایک سورت بنا کر لانے کا چیلنج دیا گیا تھا، لیکن تینوں بار وہ اس چیلنج کو قبول کرنے سے عاجز رہے۔

اس کے علاوہ جو اہم مضامین سورۂ ہود میں بیان ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

① ...... انسانوں کے دو گروہ ہیں۔ پہلا گروہ وہ ہے جن کی زندگی اور جہد و عمل کا ہدف صرف دنیا ہے، وہ ہر وقت اسی زندگی کو زیادہ سے زیادہ آرام دہ بنانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور کبھی بھولے سے بھی انہیں آخرت یاد نہیں آتی۔ دوسرا توفیق یافتہ گروہ وہ ہے جو دنیا کے لیے بھی تگ و دو کرتا ہے مگر اس کی کوششوں کا محور آخرت ہے، وہ اخروی زندگی ہی کو سامنے رکھ کر دنیا کی زندگی گزارتا ہے۔ (۱۷-۱۵:۱۱) پہلے گروہ کی مثال اندھوں اور بہروں جیسی ہے اور دوسرے گروہ کی مثال بینائی اور شنوائی کی نعمت سے سرفراز لوگوں جیسی ہے۔

② ...... قرآن کریم کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ دلائل کے ذریعہ کفار اور مشرکین کے نظریات کی تردید کے بعد گزشتہ اقوام اور انبیاء کے واقعات اور قصص بیان کرتا ہے، ایسا کرنے سے دلائل کی تاکید بھی ہو جاتی ہے، اور کلام میں تفنن اور تنوع بھی پیدا ہو جاتا ہے، انسان کی طبیعت تنوع پسند ہے، اللہ تعالیٰ نے جیسے تکوینی آیات یعنی اس حسی اور مادی جہان میں تنوع کا لحاظ رکھا ہے۔ یوں ہی تشریعی آیات یعنی قرآن میں بھی اس کا لحاظ رکھا ہے، آپ حسی جہاں میں دیکھیں تو لمحہ بہ لمحہ مناظر، موسم اور اوقات بدلتے جاتے ہیں، کہیں پھول، کہیں کانٹے کہیں بلند و بالا پہاڑ، کہیں ہموار میدان، کہیں دریاؤں کی سرکش موجیں، کہیں اڑتی ہوئی خاک، پھر کبھی سردی کبھی گرمی، کبھی بہار، کبھی خزاں، کبھی صبح کبھی ادو پہر اور کبھی شام، یوں ہی اس تشریعی جہاں میں مضامین بدلتے رہتے ہیں، احکام کے ساتھ اخبار، دلائل کے ساتھ قصص و واقعات، مواعظ کے ساتھ جنت اور جہنم کے مناظر، بشارت کے ساتھ انذار اور وعدوں کے ساتھ وعیدوں کا بیان ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے، اور کلام ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف، ایک منظر سے دوسرے منظر کی طرف، ایک قصہ سے دوسرے قصہ کی طرف اور ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہوتا جاتا ہے اور پڑھنے سننے والا اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔

سورۂ ہود میں بھی قرآن کے اس خاص انداز کی جھلک نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ پہلے قرآن کی صداقت اور توحید و رسالت کی حقانیت کے دلائل ذکر کیے گئے، اس کے بعد حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام کے قصے بیان کیے گئے ہیں۔ یہ تمام قصے وحی کے اثبات، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سچائی اور قرآن کے معجزہ ہونے کو بیان کرنے کے لیے لائے گئے ہیں۔ مشرکین مکہ بخوبی جانتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امی ہیں، آپ نہ قرات جانتے ہیں نہ ہی کتابت سے آشنا ہیں اور نہ ہی آپ نے کسی کی شاگردی اختیار کی۔ لیکن اس کے باوجود اتنی صحت، باریکی اور کامل درجہ

کی درستگی کے ساتھ ان واقعات کو بیان کرنا، وحی کے بغیر کیسے ممکن تھا، خود قرآن نے اس نکتے کی طرف متوجہ کرنے کے لیے انبیاء اور مرسلین کے واقعات بیان کرنے کے بعد عام طور پر وحی اور نبوت کا تذکرہ کیا ہے، زیرِ نظر سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد آخر میں فرمایا: ''یہ (حالات وواقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں، اس سے پہلے نہ تو تم ان کو جانتے تھے اور نہ ہی تمہاری قوم جانتی تھی، پس صبر کرو کہ پرہیزگاروں ہی کا انجام اچھا ہوتا ہے۔'' (۱۱:۴۹)

یوں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا قصہ بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے: ''یہ (پرانی) بستیوں کے تھوڑے سے حالات ہیں جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں، ان میں بعض بستیاں تو باقی ہیں اور بعض تہس نہس ہو گئیں۔'' (۱۱:۱۱۰)

ان واقعات میں ایک طرف تو عقل فہم اور سمع وبصر والوں کے لیے بے پناہ عبرتیں اور نصیحتیں ہیں، اور دوسری طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مخلص اہل ایمان کے لیے تسلی اور ثابت قدمی کا سامان اور سبق ہے۔ اسی لیے یہ واقعات بیان کرتے ہوئے آپ کو استقامت کا حکم دیا گیا ہے جو کہ حقیقت میں پوری امت کو حکم ہے، استقامت ایک ایسا حکم ہے، جس کا تعلق عقائد، اقوال، اعمال اور اخلاق سب ہی کے ساتھ ہے۔ استقامت کوئی آسان چیز نہیں ہے بلکہ انتہائی مشکل صفت ہے جو اللہ کے مخصوص بندوں ہی کو حاصل ہوتی ہے، استقامت کا مطلب یہ ہے کہ پوری زندگی ان تعلیمات کے مطابق گزاری جائے جن کے مطابق گزارنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت سے زیادہ سخت آیت کوئی نازل نہیں ہوئی، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایک موقع پر ریش مبارک میں چند سفید بال دیکھتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بڑھاپا تیزی سے آ رہا ہے تو آپ نے فرمایا: ''مجھے ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے''

علماء کہتے ہیں کہ آپ کا ارشاد سورہ ہود کی اسی آیت کی طرف تھا جس میں آپ کو استقامت کا حکم دیا گیا ہے۔ علماء ربانیین نے استقامت کو عین کرامت قرار دیا ہے اور صحیح بات تو یہ ہے کہ استقامت سے بڑی کوئی کرامت نہیں ہے۔ یہاں استقامت کی اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور اس کی اللہ سے دعا کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی تدبر ضروری ہے جس میں فرعون کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''اور تمہارا پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے، بے شک دکھ دینے والی اور سخت، ان (قصوں) میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جو عذاب آخرت سے ڈرتا ہے۔'' (۱۱:۱۰۲-۱۰۳)

گویا یہ بتایا گیا کہ جس اللہ نے کل کی نافرمان بستیوں پر عذاب نازل کیا تھا وہ آج بھی سرکش قوموں کو اپنی گرفت میں لے سکتا ہے، اسی طرح آیت ۱۱۶ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عام طور پر کسی قوم پر اللہ کا عذاب اس وقت نازل ہوتا ہے جب اس کے اندر دو خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں، ایک تو یہ کہ ایسے دردمند اور ہوشمند لوگ نہیں رہتے جو انہیں فتنہ وفساد سے منع کریں اور دوسری خرابی یہ کہ وہ قوم حد سے زیادہ عیش پرستی اور گناہوں میں مست ہوجاتی ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے لیے تسلی اور صبر واستقامت کے پہلو کو مذکورہ واقعات کے بعد اس سورت کی اختتامی آیات میں بیان کیا گیا ہے، آیت ۱۲۰ میں ہے: ”(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) انبیاء کے وہ سب حالات جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں، ان کے ذریعے ہم تمہارے دل کو مضبوط رکھتے ہیں اور ان قصوں میں تمہارے پاس حق آ گیا ہے اور مومنوں کے لیے نصیحت اور عبرت ہے۔“

سورۃ یوسف...... سورۂ یوسف مکی ہے، اس میں ۱۱۱ آیات اور ۱۲ رکوع ہیں، چونکہ اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے اس لیے اسے سورۂ یوسف کا نام دے دیا گیا، قرآن کریم میں دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات میں تکرار پایا جاتا ہے، لیکن یہ تکرار کھٹکتا نہیں ہے، ہر جگہ نئے الفاظ نئی تعبیر، کوئی نہ کوئی نیا سبق، نئی عبرت اور نئی نصیحت پائی جاتی ہے۔ یہ واقعات چھوٹے چھوٹے خوبصورت ٹکڑوں کی صورت میں پورے قرآن میں بکھرے ہوئے ہیں، ان ٹکڑوں کو جوڑنے سے پورا واقعہ سمجھ میں آتا ہے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے میں تکرار نہیں، یہ واقعہ اول سے آخر تک پورے کا پورا سورۂ یوسف ہی میں مذکور ہے، دوسری سورتوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کا نام تو آیا ہے۔ لیکن ان کے واقعہ کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی کسی دوسری سورت میں مذکور نہیں ہے، اہل علم نے کہا ہے کہ مخالفین نہ تو قرآن کے ”مکرر“ قصوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی ”غیر مکرر“ قصوں کا، حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو خود قرآن نے ”احسن القصص“ قرار دیا ہے کیونکہ اس قصے میں جتنی عبرتیں اور نصیحتیں پائی جاتی ہیں وہ شاید ہی کسی دوسرے قصے میں پائی جاتی ہوں، جامعیت کے اعتبار سے دیکھیں تو اس میں دین بھی ہے دنیا بھی ہے، توحید وفقہ بھی ہے اور سیرت وسوانح بھی، خوابوں کی تعبیر بھی ہے اور سیاست وحکومت کے رموز بھی، انسانی نفسیات بھی ہیں اور معاشی خوشحالی کی تدبیریں بھی، حسن وعشق کی حشر سامانی بھی ہے اور زہد وتقویٰ کی دستگیری بھی، اس میں انبیاء اور صالحین کا تذکرہ بھی ہے اور ملائکہ اور شیاطین کا بھی، جنوں اور انسانوں کا بھی تو چوپاؤں اور

پرندوں کا بھی، بادشاہوں، تاجروں، عالموں اور جاہلوں کے حالات بھی ہیں تو راہ راست سے ہٹ جانے والی عورتوں کی حیلہ سازی، مکاری اور حیا باختگی بھی، پھر اس قصہ میں مد بھی ہے، جزر بھی، گمنامی بھی ہے اور شہرت بھی، غربت بھی ہے اور ثروت بھی، عزت بھی ہے اور ذلت بھی، صبر وثبات بھی ہے اور بندگی شہوت بھی۔

ایک بڑی خوبی جو اس قصہ میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس قصے کے ضمن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مخالفین کے حال اور مستقبل کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے، یوسف علیہ السلام کی طرف ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی قریشی بھائیوں نے حسد کیا، قتل کے مشورے کیے، آپ کو مکہ چھوڑنا پڑا، تین دن تک غار ثور میں روپوش ہونا پڑا، وہاں سے مدینہ ہجرت فرما گئے، وہاں بتدریج آپ کو عروج حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ آپ پہلی اسلامی مملکت کے سربراہ بن گئے، مکہ فتح ہوا تو قریشی بھائی نادم وشرمندہ ہوئے انہیں آپ کے سامنے سرافگندہ ہونا پڑا، اسے حسن اتفاق کہئے یا عمد اور قصد کہ اس موقع پر آپ نے فرمایا: ''میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی، جاؤ تم آزاد ہو تم پر کوئی الزام نہیں۔''

سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ اس قدر مشہور ہے کہ حقیقی مسلمان گھرانوں کے بچوں تک کو ازبر ہے اس لیے اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اجمالی طور پر ہم اسے بیان کر کے ان بصائر وعبر کو بیان کرنے پر خصوصی توجہ دیں گے جو اس قصہ سے ہم کو حاصل ہوتی ہیں، چونکہ سورۂ یوسف بارہویں اور تیرہویں دونوں پاروں میں آئی ہے اور یہ قصہ تسلسل کے ساتھ بیان ہوا ہے، اس لیے ہم اس تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے پہلے پورے قصے کا خلاصہ بیان کرتے ہیں اور پھر عبرتوں اور نصیحتوں کو بیان کریں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام ان میں سے غیر معمولی طور پر حسین تھے، ان کی سیرت اور صورت دونوں کے حسن کی وجہ سے، والد گرامی بے پناہ محبت کرتے تھے، محبت کی ایک وجہ آپ کا اور آپ کے بھائی بنیامین کا سب سے چھوٹا ہونا بھی تھا جبکہ دونوں کی والدہ بھی انتقال کر چکی تھیں، چھوٹے بچے سے محبت انسان کی فطرت ہے، حسن رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے سوال کیا گیا کہ آپ کو اپنے بچوں میں سب سے زیادہ کس سے محبت ہے انہوں نے جواب دیا: ''چھوٹے سے جب تک کہ وہ بڑا نہ ہو جائے، غائب سے جب تک کہ وہ واپس نہ آ جائے اور بیمار سے جب تک کہ وہ تندرست نہ ہو جائے''

اس محبت کی وجہ سے بھائی حسد میں مبتلا ہو گئے، وہ اپنے والد کو تفریح کا کہہ کر حضرت یوسف علیہ السلام کو جنگل میں لے گئے اور آپ کو کنویں میں گرا دیا، وہاں سے ایک قافلہ گزرا،

انہوں نے پانی نکالنے کے لیے کنویں میں ڈول ڈالا تو اندر سے آپ نکل آئے۔ قافلہ والوں نے مصر جا کر بیچ دیا، عزیز مصر نے خرید کر اپنے گھر میں رکھ لیا، جوان ہوئے تو اس کی بیوی آپ پر فریفتہ ہوگئی، اس نے برائی کی دعوت دی، آپ نے اس کی دعوت ٹھکرادی، عزیز مصر نے بدنامی سے بچنے کے لیے آپ کو جیل میں ڈلوادیا، قید خانے میں بھی آپ نے دعوت توحید کا سلسلہ جاری رکھا جس کی وجہ سے قیدی آپ کی عزت کرتے تھے، بادشاہ وقت کے خواب کی صحیح تدبیر بتانے کی وجہ سے آپ اس کی نظروں میں بچ گئے، اس نے آپ کو خزانے، تجارت اور مملکت کا خودمختار وزیر بنادیا۔ مصر اور گردوپیش میں قحط کی وجہ سے آپ کے بھائی غلہ حاصل کرنے کے لیے مصر آئے، ایک دو ملاقاتوں کے بعد آپ نے انہیں بتایا کہ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں، پھر آپ کے والدین بھی مصر آگئے اور سب یہیں آ کر آباد ہو گئے۔

پارہ 13

سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ اجمالی طور پر عرض کیا جاچکا ہے، اب اس قصہ سے جو نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں وہ عرض کی جاتی ہیں لیکن یہ وضاحت ضروری ہے کہ ان عبرتوں اور نصیحتوں کا تعلق اس قصہ کے صرف اس حصہ سے نہیں ہے جو تیرہویں پارہ میں آیا ہے بلکہ مجموعی طور پر پورے واقعے سے جو بصائر وعبر حاصل ہوتے ہیں وہ درج ذیل میں بالترتیب لکھے جارہے ہیں:

① ...... بعض اوقات مصیبت، نعمت اور راحت تک پہنچنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کی ابتدا تو المناک پریشانیوں سے ہوئی، انہیں کنویں میں بے یارومددگار ڈال دیا گیا، مصر میں غلاموں کی منڈی میں ان کی خرید وفروخت ہوئی، عورتوں کے فتنہ کا سامنا کرنا پڑا، کئی سال تک جیل کی کال کوٹھڑی میں بند رہے لیکن انجام یہ ہوا کہ وہ مصر کے حکمراں بنے اور انہیں دینی اور دنیاوی عزت نصیب ہوئی۔

② ...... حسد انتہائی خوفناک بیماری ہے، سگے بھائیوں میں بھی یہ بیماری پیدا ہوجائے تو افسوسناک واقعات جنم لیتے ہیں۔

③ ...... اچھے اخلاق، اعلیٰ اوصاف اور بہتر تربیت بہر حال اپنا رنگ دکھا کر رہتی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کی تربیت ایک عظیم باپ کے ہاتھوں خاندان نبوت میں ہوئی تھی اور آباء واجداد کی اخلاقی میراث میں سے بھی آپ نے وافر حصہ پایا تھا، مثالی تربیت اور اخلاقی کمال ہی کی وجہ سے آپ مصائب وشدائد کے سامنے بڑی پامردی سے کھڑے رہے، جس کی وجہ سے کلفت کے بعد راحت کا اور ظاہری ذلت کے بعد حقیقی عزت کا دور آ کر رہا۔

④ ...... عفت وامانت اور استقامت ساری بھلائیوں کا سرچشمہ ہے، مردوں کے لیے بھی اور عوتوں کے لیے بھی، یونہی دین پر جمے رہنے والوں کو ایک نہ ایک دن عزت اور احترام حاصل ہوکر رہتا ہے اور حقیقت اور حق کو جتنا بھی چھپایا جائے، بالآخر وہ ظاہر ہوکر رہتے ہیں۔

⑤ ...... مرد اور عورت کا اختلاط اور خلوت میں میل جول، فتنہ کا باعث ہوتا ہے، نہ زلیخا کو خلوت

میسر آتی اور نہ ہی وہ برائی کی منصوبہ بندی کرتی، اسی لیے اسلام نے مرد وزن کے خلوت میں ملنے کو حرام قرار دیا ہے، ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے کہ: ''جب مرد اور عورت تنہائی میں ملتے ہیں تو ان کے ساتھ تیسرا فرد شیطان ہوتا ہے۔''

⑥ ...... ذات باری پر ایمان اور عقیدہ کی پختگی سے مصائب کا برداشت کرنا اور اخلاق نجاستوں سے دامن بچانا آسان ہوجاتا ہے۔

⑦ ...... مومن کو چاہیے کہ وہ ہر تنگی اور پریشانی کے وقت صرف اللہ کی طرف رجوع کرے۔ جب عزیز مصر کی بیوی نے برائی کا ارتکاب نہ کرنے کی صورت میں جیل کی دھمکی دی تھی تو آپ نے معصیت پر مصیبت کو ترجیح دیتے ہوئے اپنے رب کو پکارا تھا: ''اے میرے رب جیل مجھے اس برائی سے زیادہ محبوب ہے جس کی دعوت زنان مصر مجھے دیتی ہیں۔''

بعض اللہ والوں کے بارے میں آتا ہے کہ جب کسی مصیبت اور بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان سے تعزیت کی گئی تو انہوں نے جواب دیا: ''الحمد الله! بمصیبتے گرفتارم نہ بمصیبتے'' (اللہ کا شکر ہے مصیبت میں مبتلا ہوں، معصیت میں نہیں)

⑧ ...... سچا داعی، انتہائی مشکل اور پریشان کن حالات میں بھی دعوت کے فریضہ سے غافل نہیں ہوتا، سیدنا یوسف علیہ السلام جیل میں بھی دعوت وتبلیغ اور اصلاح وارشاد کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے، جو لوگ آپ سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے کے لیے آئے، ان کو بھی آپ نے پہلے توحید کی دعوت دی اس کے بعد خواب کی تعبیر بتلائی اور کہا جاتا ہے کہ جیل کے قیدیوں نے آپ کی دعوت سے متاثر ہو کر ایمان قبول کرلیا تھا، خود مصر کا بادشاہ بھی اسلام لے آیا تھا۔

⑨ ...... ہر مسلمان کو عموماً اور داعی اور پیشوا کو خصوصاً اپنے دامن کی صفائی کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیے، حضرت یوسف علیہ السلام کو کئی سال بعد جب رہائی نصیب ہوئی تو آپ نے اس وقت تک جیل سے باہر قدم رکھنے سے انکار کردیا، جب تک کہ آپ کی برات اور طہارت کا اعلان اور اعتراف نہ کرلیا جائے۔ تاکہ کل کو آپ کو یہ طعنہ نہ دیا جائے کہ معاذ اللہ! تھے تو مجرم مگر رحم اور ترس کھاتے ہوئے رہا کردیا گیا۔

⑩ ...... اس واقعہ سے صبر کی فضیلت اور اس کے بہترین نتائج کا بھی یقین آجاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کنویں کی تاریکی سے جیل کی تنہائی تک اور عزیز مصر کے گھر سے بھائیوں کو معاف کرنے تک ہر جگہ مضبوطی کے ساتھ صبر کا دامن تھامے رکھا، اس صبر کے جو نتائج سامنے آئے وہ کسی سے مخفی نہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ صبر، راحتوں اور نعمتوں کے دروازے کی چابی، نصف ایمان اور اللہ کی نصرت اور رحمت کو متوجہ کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔

(۱۱)......اس قصہ کے مطالعہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت اور طہارت کی کئی شہادتیں سامنے آتی ہیں۔

پہلی شہادت رب العالمین کی ہے۔

دوسری شہادت شیطان کی ہے کیونکہ شیطان نے باری تعالیٰ کے سامنے قسم کھا کر کہا تھا: ''تیری عزت کی قسم میں سب (انسانوں) کو گمراہ کردوں گا سوائے تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلص ہیں۔''

اور اس میں شک ہی کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام مخلص اور منتخب تھے۔ لہٰذا انہیں راہ راست سے ہٹانا خود شیطان کے بقول ممکن ہی نہ تھا۔

تیسری شہادت خود حضرت یوسف علیہ السلام کی، ابھی گزرا ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا: ''اے میرے رب! مجھے جیل زیادہ محبوب ہے اس برائی سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں۔''

چوتھی شہادت عزیز مصر کی بیوی کی ہے جب اس نے واضح طور پر کہا تھا: ''اب حق واضح ہوگیا، میں نے اسے پھسلانے کی کوشش کی تھی اور یہ سچوں میں سے ہے۔''

پانچویں شہادت عزیز مصر کے خاندان کے اس فرد کی ہے جس نے کہا تھا: ''اگر قمیص آگے سے پھٹی ہے تو یہ سچی ہے اور یوسف (معاذ اللہ) جھوٹوں میں سے ہے اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو زلیخا جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے:'' جب دیکھا گیا تو آپ کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔

چھٹی شہادت ان زنان مصر کی ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے، انہوں نے آپ کے کردار کی صفائی کی گواہی دیتے ہوئے کہا تھا: ''ہمیں یوسف کے بارے میں کسی برائی کا علم نہیں ہے۔''

ان تمام شہادتوں سے قطعی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی ثابت ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی سیاہ دل آپ کی طرف برائی کی نسبت کرتا ہے تو اس سے بڑا جاہل اور غبی کوئی نہیں۔

(۱۲)......بارہویں نصیحت اس قصہ سے یہ حاصل ہوتی ہے کہ اللہ کسی کو تکلیف میں مبتلا کرنے کا فیصلہ کرلے تو اس کی تقدیر اور فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اگر کسی کے ساتھ خیر اور عزت کا فیصلہ کرلے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

سورۂ یوسف کا اختتام اس آیت پر ہوا ہے: ''ان کے قصے میں عقلمندوں کے لیے عبرت ہے۔ یہ (قرآن) ایسی بات نہیں جسے خود بنالیا جائے بلکہ یہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے (نازل) ہوئی ہیں اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''

گویا اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ جو اللہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکال کر تخت

پر بٹھا سکتا ہے، وہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عزت عطا کرے اور ان کے لائے ہوئے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔

سورۃ الرعد...... سورۂ مکی ہے، اس میں ۴۳ آیات اور ۶ رکوع ہیں، اس سورت میں تینوں بنیادی عقائد یعنی توحید، نبوت اور بعث بعد الموت سے بحث کی گئی ہے، اس سورت کی پہلی آیت میں قرآن کریم کی حقانیت کا ذکر ہے، یہ نکتہ قابل غور ہے کہ جن سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے ان کی ابتدا میں عام طور پر قرآن کریم کا ذکر ہوتا ہے، جس سے اس قول کو تقویت حاصل ہوتی ہے، جس کے مطابق حروف مقطعات ان مخالفین کو چیلنج کرنے کے لیے لائے جاتے ہیں جو قرآن مجید کو معاذ اللہ انسانی کاوش قرار دیتے ہیں۔ اس سورت میں جو اہم مضامین بیان کیے گئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

① ...... سورت کی ابتدا میں اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت کے دلائل بیان کیے گئے ہیں کہ آسمانوں اور زمین، سورج اور چاند، رات اور دن، پہاڑوں اور نہرو، غلہ جات اور مختلف رنگوں، ذائقوں اور خوشبوؤں والے پھلوں کو پیدا کرنے والا وہی ہے اور موت اور زندگی، نفع اور نقصان اس اکیلے کے ہاتھ میں ہے۔

② ...... قیامت کے دن میں بعث وجزاء کو ثابت کیا گیا ہے، یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جو مشرکین کی سمجھ میں نہیں آتا تھا وہ اللہ کے وجود کا اقرار بھی کرتے تھے، اسے ارض وسما کا خالق بھی تسلیم کرتے تھے لیکن مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے تھے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ ہڈیوں کے بوسیدہ اور گوشت پوست کمیٹی میں رل مل جانے کے بعد انسان دوبارہ کیسے زندہ ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مشرکوں کو تو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ مردہ ہڈیوں میں زندگی کی سے ڈالی جائے گی جبکہ درحقیقت باعث تعجب بعث بعد الموت نہیں ہے بلکہ بعث بعد الموت کا انتظار باعث تعجب ہے۔ (۵)

③ ...... اللہ تعالیٰ نے ایسے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو اللہ کے حکم سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔

④ ...... ایک اصولی بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ کسی قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو خصوصی معاملہ ہوتا ہے وہ اپنے معاملے کو اس وقت تک نہیں بدلتا، جب تک کہ اس قوم کے حالات نہیں بدل جاتے، جب وہ قوم خود ہی اپنے آپ کو نعمت کی بجائے مصیبت اور کشائش کی بجائے تنگی کا مستحق بنا لیتی ہے تو اسے ذلت والے اسباب ترک کر کے، عزت والے اسباب ووسائل اختیار کرنے

ہوں گے، عزت کی آرزو سے عزت کا حصول ناممکن ہے۔

⑤ ...... باطل اور اہل باطل کو اس سیلابی جھاگ سے تشبیہ دی گئی ہے جو بظاہر ہر چیز پر چھائی ہوتی ہے لیکن بالآخر سوکھ کر زائل ہوجاتی ہے۔ حق اور اہل حق کو اس سونے اور چاندی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو زمین پر ٹھہرا رہتا ہے، پھر آگ میں تپ کر بالکل خالص ہوجاتا ہے اور میل کچیل اس سے الگ ہوجاتا ہے۔ (۱۷)

دنیا بھر میں باطل کی مادی جھاگ جو اٹھی ہوئی دکھائی دیتی ہے یہ جھاگ خود بخود بیٹھ جائے گی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں حق کے سچے پرستار کھڑے ہوجائیں لیکن جو صورت نظر آرہی ہے وہ تو یہ ہے کہ حق کے نام لیواؤں نے اہل باطل کے اور اہل باطل نے اہل حق کے بعض طور طریقے اپنا رکھے ہیں۔

⑥ ...... اہل تقویٰ اور حقیقی عقل مندوں کی آٹھ صفات بتائی گئی ہیں:

- ...... وہ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور عہد شکنی کے مرتکب نہیں ہوتے۔
- ...... جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں جوڑے رکھتے ہیں۔
- ...... اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔
- ...... برے حساب سے خوف رکھتے ہیں۔
- ...... اللہ کی رضا کے لیے صبر کرتے ہیں۔
- ...... نماز قائم کرتے ہیں۔
- ...... اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں۔
- ...... برائی کا جواب بھلائی اور اچھائی سے دیتے ہیں۔ (۲۰۔۲۴)

ان کے مقابلے میں اشقیاء کی تین نمایاں علامات ہیں پہلی یہ کہ وہ اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں، دوسری یہ کہ اللہ نے جن رشتوں کو باقی رکھنے کا حکم دیا ہے وہ انہیں ختم کرتے ہیں اور تیسری یہ کہ وہ زمین میں فساد کرتے ہیں۔ (۱۳/۲۵)

⑦ ...... انبیاء بھی دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہوتے ہیں، ان کے بیوی بچے بھی ہوتے ہیں، جہاں تک ان کے معجزات کا تعلق ہے تو یہ ان کا ذاتی کمال نہیں ہوتا، بلکہ یہ اللہ کے حکم سے صادر ہوتے ہیں، وہ لوگ مقام نبوت سے ناواقف ہیں جو بشر ہونے کی وجہ سے ان کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔

⑧ ...... سورت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی نبوت ورسالت کی خود شہادت دی ہے، اسی طرح وہ اہل کتاب کی نبوت کے گواہ ہیں جو تعصب سے پاک ہیں۔

سورۃ ابراہیم ...... سورۂ ابراہیم مکی ہے اس میں ۵۲ آیات اور ۷ رکوع ہیں، اس سورت کی ابتدا بھی حروف مقطعات سے ہوئی ہے، حروف مقطعات والی دوسری سورتوں کی طرح اس سورت کے آغاز میں بھی قرآن کریم کا ذکر ہے اور اس کی پہلی آیت میں نزول قرآن کی حکمت اور مقصد بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: ''یہ وہ کتاب ہے جسے ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے، اپنے رب کے حکم سے یعنی غالب اور قابل تعریف ذات کے راستے کی طرف''

سورۂ ابراہیم میں جو اہم مضامین بیان ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

① ...... تینوں بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور بعث وجزاء پر ایمان سے بحث کی گئی ہے۔

② ...... کافروں کی مذمت اور ان کے لیے جہنم کی وعید ہے، جبکہ مومنوں کے لیے جنت کے وعدے ہیں۔ (آیت ۲۔۳۳،۲۸۔۳۱)

③ ...... حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے بتایا گیا ہے کہ سابقہ انبیاء کے ساتھ بھی ان کی قوموں نے اعراض وانکار اور عداوت ومخالفت کا یہی رویہ اختیار کیا تھا جو آپ کی قوم اختیار کیے ہوئے ہے۔ (آیت ۹۔۱۲،۱۳۔۱۸)

اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے وہ گفتگو ذکر کی ہے جو بعض انبیاء اور انہیں جھٹلانے والوں کے درمیان ہوئی، ان مکذبین نے انبیاء کی دعوت کے جواب میں چار شبہات پیش کیے:

- ...... رب العالمین کے وجود کے بارے میں شبہ جو کہ مشرکین کے ان الفاظ سے ظاہر ہے: ''اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم اس سے قوی شک میں ہیں''

اسی شبہ کے جواب میں انبیاء نے فرمایا: ''اے اللہ کے بندو! کیا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک کرتے ہو جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے''

یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید کے دلائل تو اس قدر واضح ہیں کہ ان پر کسی دلیل اور برہان کے قیام کی ضرورت ہی نہیں، کائنات کا ہر ذرہ اور ہر حرکت وسکون اس کی وحدانیت کی گواہ ہے، کیا جب سورج طلوع ہو جائے تو پھر دن کے وجود پر کسی اور دلیل کی بھی ضرورت باقی رہتی ہے۔

- ...... مشرکین کا خیال تھا کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا، انبیاء نے جواب دیا کہ بے شک ہم بشر ہیں لیکن بشر کا رسول ہونا محال نہیں، رسول اسے کہتے ہیں جس پر وحی نازل ہو اور ہم پر وحی نازل ہوتی ہے، حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہ ہے کہ انسانوں کی طرف کسی انسان ہی کو نبی بنا کر بھیجا جائے، اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے تو کسی فرشتے ہی کو نبی بنا کر بھیجا جاتا۔

- ...... مشرکین کو ہدایت سے محروم رکھنے والا ایک بڑا سبب ''تقلید آباء'' تھا وہ اپنے آباء کی راہ

چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے، قرآن نے متعدد مقامات پر اس کی تردید فرمائی ہے۔

④ ...... اللہ تعالیٰ کا دستور اور وعدہ یہ ہے کہ وہ شکر کرنے والوں کو اور زیادہ دیتا ہے اور ناشکری کرنے والوں کے لیے اس کا عذاب بڑا سخت ہے۔ (۷)

شکر کی حقیقت یہ ہے کہ انسان، منعم کے فضل کا اقرار کرے، اس کی تعریف کرے اور نعمت کو اسی مقصد کے لیے استعمال کرے جس مقصد کے لیے وہ نعمت عطا کی گئی ہے، نعمت علم کا تقاضا یہ ہے کہ عمل کیا جائے اور جاہلوں کو تعلیم دی جائے، اسی پر دوسری نعمتوں کو قیاس کرلیا جائے۔

⑤ ...... اس سورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعائیں خاص طور پر ذکر کی گئی ہیں جو انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر کے بعد اہل مکہ، اپنی اولاد اور خود اپنے خاندان کے لیے کی تھیں ان دعاؤں میں انہوں نے امن، رزق، دلوں کے میلان، اقامت صلوۃ اور مغفرت کی درخواست کی تھی۔ (آیت ۳۵۔۴۱)

⑥ ...... حق اور ایمان کے کلمہ کو شجرہ طیبہ (پاکیزہ درخت) کے ساتھ اور باطل اور دل میں اتر جائے تو اس کی جڑ بڑی مضبوطی اور اس کا پھل بڑا شیریں ہوتا ہے، جب کہ کلمہ خبیثہ کے لیے قرار بھی نہیں ہوتا اور وہ ہوتا بھی بے ثمر ہے۔ (۲۴۔۲۷)

⑦ ...... سورۂ ابراہیم کے آخری رکوع میں قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے اور جہنم کے ہولناک عذابوں کا تذکرہ ہے۔

⑧ ...... جیسے اس سورت کا آغاز نزول قرآن کی حکمت کے بیان سے ہوا تھا، اسی طرح اس کی آخری آیت میں اس کا مقصد نزول بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: ''یہ قرآن لوگوں کے لیے اللہ کا پیغام ہے تا کہ اس سے انہیں ڈرایا جائے اور تا کہ وہ جان لیں کہ وہی اکیلا معبود ہے اور تا کہ اہل عقل نصیحت حاصل کریں۔'' (۵۲)

پارہ 14

سورۃ الحجر...... سورۂ حجر مکی ہے اس میں ۹۹ آیات اور ۶ رکوع ہیں، اس میں چونکہ وادی حجر کے رہنے والوں یعنی قوم ثمود کا ذکر ہے اس لیے اس کا نام سورۃ الحجر ہے، وادی حجر، مدینہ اور شام کے درمیان واقع ہے، اس سورت کی صرف پہلی آیت تیرہویں پارہ میں ہے، باقی پوری سورت چودھویں پارہ میں ہے۔ اس سورت کا آغاز بھی حروف مقطعات سے ہوتا ہے اور اس کی پہلی آیت میں قرآن کریم کی تعریف اور توصیف ہے، اس سورت میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات ہے۔ اس سورت کے اہم مضامین درج ذیل ہیں:

① ...... قیامت کے دن کفار جب عذاب کی شدت اور ہولنا کی کا مشاہدہ کریں گے تو وہ آرزو کریں گے کہ اے کاش! ہم مسلمان ہوتے، لیکن ظاہر ہے کہ اس دن کا ایمان اور ایمان کی تمنا کسی کام نہیں آئے گی۔ جبکہ آج ان کا حال یہ ہے کہ جب اللہ کا رسول انہیں ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے تو وہ اسے مجنوں اور دیوانہ کہتے ہیں اور وہ ایمانی دعوت کے مقابلے میں انکار اور استہزاء کا وہی رویہ اختیار رکھے ہوئے ہیں جو گزشتہ نافرمان قوموں نے اختیار کیا تھا۔

② ...... قرآن کریم کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ خود باری تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے۔ جبکہ دوسری آسمانی کتابوں کی حفاظت کی ذمہ داری ان کے حاملین کو سونپی گئی تھی، یہی وجہ ہے کہ دوسری آسمانی کتابیں انسانی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں جب کہ قرآن کئی صدیاں گزرنے کے باوجود ہر طرح کے تغیر وتبدل اور کمی بیشی سے پاک اور محفوظ ہے۔ قرآن کریم کے معجزہ ہونے کے پہلوؤں میں سے ایک اہم پہلو اس کا محفوظ ہونا بھی ہے اور اسے محفوظ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو حفظ کرنا آسان فرما دیا ہے، دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں قرآن کے حافظ نہ پائے جاتے ہوں، چھوٹے چھوٹے معصوم بچے جو اپنی مادری زبان میں چند صحیفے کا رسالہ یاد نہیں کر سکتے وہ اتنی بڑی کتاب اپنے سینے میں محفوظ کر لیتے ہیں۔

③ ...... اس سورت کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کے دلائل ذکر کیے گئے

ہیں جو چیخ چیخ کر اپنے خالق کے وجود اور اس کی عظمت کی گواہی دے رہے ہیں۔ یہ دلائل آسمانوں، زمینوں، چاند ستاروں، پہاڑوں اور میدانوں، سمندروں اور نہروں، درختوں اور پرندوں کی صورت میں ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں، کہیں فرمایا گیا: ''ہم ہی نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے اس کو سجا دیا۔'' (آیت ۱۶)

دو آیتوں کے بعد ارشاد ہوتا ہے: ''اور زمین کو بھی ہم ہی نے پھیلا دیا اور اس پر پہاڑ بنا کر رکھ دیئے اور اس میں ہر مناسب چیز اگائی۔'' (آیت ۱۹)

کہیں فرمایا گیا: ''ہم ہی پانی سے بھری ہوئی ہوائیں چلاتے ہیں اور ہم ہی آسمان سے بارش برساتے ہیں اور ہم ہی تم کو اس کا پانی پلاتے ہیں اور تم اس کا خزانہ نہیں رکھتے۔'' (آیت:۲۲)

یہ ہوائیں ہزاروں ٹن پانی اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتی ہیں، پھر جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے اسے برسا دیتی ہیں، جو زحیوان، مادہ کے لیے سرانجام دیتا ہے ان ہواؤں میں نر اور ماد کے اعضاء اور اثرات ہوتے ہیں جو کہ وہ ایک درخت سے دوسرے درخت کی طرف منتقل کرتی چلی جاتی ہیں۔

④..... توحید اور قدرت کے تکوینی دلائل ذکر کرنے کے بعد انسان کی تخلیق کی ابتدا کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو کہ دنیا کے پہلے انسان ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کی صورت میں سامنے آیا، آپ کی پیدائش یقیناً ربانی قدرت کے مظاہر میں سے ایک مظہر تھی، کیونکہ بے جان مٹی سے ایک ایسی شخصیت پیدا کر دینا جسے حرکت کرنے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، سوچنے سمجھنے، عناصر کو مسخر کرنے اور امکانات کی دنیا میں آگے بڑھنے کی قدرت حاصل ہے۔ یقیناً اللہ کے قادر اور حکیم ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ ایک فرد کا نہیں بلکہ پوری انسانیت کا قصہ ہے، جس وقت اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اس میں اپنی روح پھونکی، فرشتوں کو ان کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا اور اپنی قدرت کے اسرار اور حکمت کے عجائبات ان پر کھولے تو ان تمام امور میں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی تکریم تھی اسی طرح ان کی اولاد کی بھی تکریم تھی۔ فرشتوں کو جب سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کر دیا۔ اہل علم کے نزدیک راجح اور صحیح قول یہ ہے کہ ابلیس فرشتہ نہیں بلکہ جن تھا۔ البتہ فرشتوں کے درمیان رہتا تھا، سجدہ سے انکار کی وجہ سے اسے آسمانوں سے نکال دیا گیا اور وہ ابدی لعنت کا مستحق ٹھہرا۔ اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے انتقام لینے کے لیے قیامت کے دن تک زندگی کی مہلت مانگی اور یہ مہلت اسے دے دی گئی۔ یہ مہلت اس نے اولاد آدم کو گمراہ کرنے کے لیے

مانگی تھی اور اپنے اس مقصد کا اس نے کسی لگی لپٹی کے بغیر اظہار کر دیا تھا، اس نے کہا تھا: ''پروردگار! جیسے تو مجھے گمراہ کیا ہے میں لوگوں کے لیے گمراہی کو آراستہ کردوں گا اور سب کو بہکا دوں گا۔'' (آیت:۳۹)

اسے کہہ دیا گیا تم سے جو کچھ ہوسکتا ہے کرلو، جو میرے بندے ہیں ان پر تو تمہارا کوئی داؤ نہیں چلے گا۔ البتہ جو ابدی شقی اور فطرت کے خبیث ہیں وہ تمہاری اتباع کریں گے اور ان کے لیے میں نے جہنم تیار کر رکھی ہے جس کے سات دروازے ہیں اور ہر ایک دروازے کے لیے ان میں سے جماعتیں تقسیم کر دی گئی ہیں۔'' (آیت ۴۴)

چونکہ قرآن کا انداز یہ ہے کہ وہ ترہیب کے ساتھ ترغیب اور دوزخ کے ساتھ جنت کا بھی تذکرہ کرتا ہے اس لیے شیطان کی اتباع کرنے والوں کے تذکرہ کے بعد ان سعادت مندوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو امن اور سلامتی کی جگہ یعنی جنت میں ہوں گے، وہاں انہیں نہ تھکاوٹ ہوگی نہ کوئی تکلیف اور پریشانی، ان کے سینے ایک دوسرے کے بارے میں صاف ہوں گے۔

⑤...... جنت جیسی امن وسلامتی اور راحت واطمینان کی جگہ کا ذکر کرنے کے بعد سورۂ حجر ، بندوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان اور رحمت کا ذکر کرتی ہے، بندہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہوا سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو معاف کرسکتا ہے اور اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے، ارشاد ہوتا ہے: ''اے (پیغمبر!) میرے بندوں کو بتادیجئے کہ میں بڑا بخشنے والا اور مہربان ہوں اور یہ کہ میرا عذاب دردناک ہے۔'' (۵۰-۴۹)

یہ آیات خوف اور امید دونوں مقامات کی جامع ہیں، مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف بھی ہونا چاہیے اور اس کی رحمت کی امید بھی ہونی چاہیے۔

⑥...... اللہ کی رحمت اور فضل واحسان کے بعد حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے مہمانوں کا تذکرہ ہے جو انسانی شکل میں نورانی فرشتے تھے اور آپ کو بیٹے کی خوشخبری سنانے کے لیے آئے تھے، کہا جاتا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر کم وبیش ۱۲۰ سال تھی، اہلیہ بھی بہت بوڑھی تھیں، بظاہر یہ ولادت کی عمر نہ تھی اس لیے آپ کو بیٹے کی خوشخبری سن کر خوشی بھی بہت ہوئی اور تعجب بھی ہوا۔ آپ نے فرشتوں کے سامنے تعجب کا اظہار کیا تو انہوں نے کہا: ''ہم آپ کو سچی خوشخبری سنا رہے ہیں پس آپ مایوس نہ ہوں۔'' (آیت:۵۵)

آپ نے جواب میں فرمایا (میں اللہ کی رحمت سے کیوں مایوس ہونے لگا) ''اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا تو صرف گمراہوں کا کام ہے۔'' (آیت:۵۶)

میرے سوال کرنے کا مقصد تو یہ معلوم کرنا ہے کہ یونہی بڑھاپے میں ہمیں بیٹا دیا جائے گا یا جوانی لوٹا کر اور کسی دوسری عورت سے شادی کرنے کے بعد

⑦ ...... فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری سنا کر حضرت لوط علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر رات ہی کو اس بستی سے نکل جائیے کیونکہ آپ کی بستی والے گناہوں کی سرکشی میں اتنے آگے نکل گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ناپاک وجود سے زمین کو پاک کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''سوان کو سورج نکلتے نکلتے چنگھاڑ نے آ پکڑا اور ہم نے اس شہر کو الٹ کر نیچے کا اوپر کر دیا اور ان پر کنکر کی پتھریاں برسائیں۔'' (آیت: ۷۴)

⑧ ...... وادی حجر کے رہنے والوں یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم بھی ظلم اور زیادتی کی راہ پر چل نکلی تھی اور بار بار سمجھانے کے باوجود بت پرستی کو چھوڑنے کے لیے آمادہ نہیں ہو رہی تھی، انہیں مختلف معجزات بھی دکھائے گئے بالخصوص پہاڑی چٹان سے اونٹنی کی ولادت کا معجزہ، جو کہ حقیقت میں کئی معجزوں کا مجموعہ: اونٹنی کا چٹان سے برآمد ہونا، نکلتے ہی اس کی ولادت کا قریب ہونا، اس کی جسامت کا غیر معمولی بڑا ہونا، اس سے بہت زیادہ دودھ کا حاصل ہونا۔ لیکن ان بدبختوں نے اس معجزہ کی کوئی قدر نہ کی، بجائے اس کے کہ وہ اسے دیکھ کر ایمان قبول کر لیتے انہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا چنانچہ وادی حجر والے بھی عذاب کی لپیٹ میں آ کر رہے۔ سورۂ حجر کے آخر میں نعمت قرآن کا ذکر ہے جسے یہ نعمت حاصل ہو جائے اسے مال داروں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھنا چاہیے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ کی طرف جو حق نازل کیا گیا ہے اسے کھول کر بیان فرما دیجیے۔ گویا گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کی ابتدا اور اختتام بھی قرآن پر ہوا ہے۔

سورۃ النحل ...... سورۂ نحل مکی ہے، اس میں ۱۲۸ آیات اور ۱۶ رکوع ہیں، نحل شہد کی مکھی کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورت میں شہد کی مکھی کا ذکر آیا ہے اس لیے اس کا نام سورۂ نحل ہے۔ شہد کی مکھی بھی عام مکھیوں جیسی ایک مکھی ہے لیکن وہ حکم الٰہی سے ایسے حیرت انگیز کام کرتی ہے جن کے کرنے سے انسانی عقل عاجز ہے۔ خواہ چھتہ بنانے کا عمل ہو یا آپس میں مختلف ذمہ داریوں کی تقسیم ، یا دور دراز واقع درختوں، باغات اور فصلوں سے قطرہ قطرہ شہد کا حصول ...... ان کا ہر عمل بڑا ہی عجیب ہوتا ہے، ان کے بنائے ہوئے چھتے میں بیس سے تیس ہزار تک خانے ہوتے ہیں، یہ خانے مسدس ہوتے ہیں اور آج کے کسی جدید ترین آلہ سے اگر ان کی پیمائش کی جائے تو ان میں بال برابر بھی فرق نہیں ہوگا، پھر اس چھتے میں شہد جمع کرنے کا گودام، بچے جننے کے لیے ''میٹرنٹی ہوم''

اورفضلہ کے لیے اسٹورسب الگ الگ ہوتے ہیں، ہزاروں مکھیوں پر ایک ملکہ حکمرانی کرتی ہے۔ اس چھوٹی سی مملکت میں اسی کا سکہ چلتا ہے اور اسی کے حکم سے ڈیوٹیوں کی تقسیم ہوتی ہے۔ چھتے پر کام کرنے والی مکھیوں میں سے بعض دربانی کے فرائض انجام دیتی ہیں، بعض انڈوں کی حفاظت کرتی ہیں۔ بعض نابالغ بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں، بعض انجینئرنگ اور چھتے کی تراش خراش اور تعمیر میں لگی رہتی ہیں، جب کسی مکھی کو تلاش وجستجو کے دوران کسی جگہ پر شہد کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے تو وہ واپس آ کر ایک خاص قسم کے رقص کے ذریعے دوسری ساتھیوں کو منزل تک پہنچنے کے لیے راستے کی نشاندہی کرتی ہے، لیکن یہ احتیاط ضرور کرتی ہے کہ جس پھول کو وہ نچوڑ چکی ہوتی ہے اس پر ایک خاص قسم کی نشانی چھوڑ آتی ہے تاکہ بعد میں آنے والی کارکن کا وقت ضائع نہ ہو اور اسے ''نجل خراب'' نہ ہونا پڑے، اگر کوئی مکھی غلطی سے گندگی پر بیٹھ جائے یا کوئی زہریلا مواد لے آئے تو چیکنگ پر مامور عملہ اسے باہر روک لیتا ہے اور اسے جرم کی سزا کے طور پر زہر کھلانے والوں کو عبرت کا نمونہ بنادے) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''مکھی یہ سارے کام ہمارے حکم سے کرتی ہے۔'' اور فرمایا کہ'' بے شک سوچنے والوں کے لیے اس میں نشانی ہے۔'' (آیت: ٦٩) اگر کوئی غیر متعصب انسان مکھی کی زندگی پر ہی غور وفکر کرلے تو وہ اللہ کے وجود اور اس کی قدرت وحکمت کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

سورۂ نحل کو'' سورہ نعم'' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں کثرت کے ساتھ اللہ کی نعمتیں مذکور ہیں۔ سورت کی ابتدا سے مطالعہ کیا جائے تو پہلے قرب قیامت کا ذکر ہے آیت: ٢)

پھر اللہ کی نعمتوں کے بیان کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کہ اس نے زمین کو فرش اور آسمان کی چھت بنایا، انسان کو نطفہ سے پیدا کیا، چوپائے پیدا کیے جن میں مختلف منافع بھی ہیں اور وہ اپنے مالک کے لیے فخر وجمال کا باعث بھی ہوتے ہیں، گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کیے جو باربرداری کے کام آتے ہیں اور ان میں رونق اور زینت بھی ہوتی ہے۔ بارش وہی برساتا ہے، پھر اس بارش سے زیتون، کھجور، انگور اور دوسرے بہت سارے میوہ جات اور غلے وہی پیدا کرتا ہے، رات اور دن، سورج اور چاند کو اسی نے انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے، دریاؤں سے تازہ گوشت (مچھلی کی صورت میں) اور زیور وہی مہیا کرتا ہے، سمندر میں جہاز اور کشتیاں اسی کے حکم سے رواں دواں ہیں، یہ اور ان جیسی دوسری نعمتیں ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ بجا طور پر فرماتے ہیں: ''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے ہو، بے شک اللہ بخشنے والا انتہائی مہربان ہے۔'' (آیت: ١٨)

جب انسان اللہ کی نعمتوں کو شمار نہیں کرسکتا تو ان کا شکر کیسے ادا کرسکتا ہے، انسانی جسم اور اس

کے مختلف اجزاء ہی کو لے لیجئے، اگر اس میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو زندگی کا مزہ ختم ہو کر رہ جاتا ہے، انسان تمنا کرتا ہے کہ اگر دنیا کا سارا مال ومتاع ہی خرچ کر کے یہ خرابی دور ہو جائے تو سودا سستا ہے، اگر معدہ میں زخم ہو جائے یا پیشاب رک جائے یا سوء ہضم کا عارضہ مستقل طور پر لاحق ہو جائے تو نہ کھانے میں مزہ آتا ہے نہ پینے میں، اگر گردہ یا جگر خراب ہو جائے یا شریانیں تنگ ہو جائیں، خون کی پیداوار میں رکاوٹ ہو جائے تو ایسی تکلیف ہوتی ہے کہ انسان موت کی آرزو کرنے لگتا ہے، غافل انسان کو کیا خبر کہ اس کے جسم کا نظام کیسے چلایا جارہا ہے، یہ اگر صرف داخلی او بدنی نعمتوں پر ہی ایک سرسری نظر ڈال لے تو انسان دنگ رہ جاتا ہے اور یہ اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ واقعی اس کی نعمتوں کو شمار نہیں کیا جا سکتا، خارجی نعمتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

جامع ترین آیت...... اس سورت میں وہ جامع ترین آیت ہے جس کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیت خیر وشر کی سب سے زیادہ جامع ہے۔ یہ وہ آیت ہے جسے سن کر ولید بن مغیرہ جیسا دشمن اسلام بھی تعریف کرنے پر مجبور ہو گیا تھا، اس کی جامعیت ہی کی وجہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانے سے اسے ہر خطیب خطبہ جمعہ میں پڑھتا ہے، یہ سورۂ نحل کی آیت نمبر ۹۰ ہے۔ اس آیت میں تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے اور تین باتوں سے منع کیا گیا ہے۔ عدل، احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیا گیا ہے اور فحشاء (یعنی ہر قبیح قول اور عمل) منکر (ہر وہ عمل جس سے شریعت نے منع کیا ہے) اور بغی (حد سے تجاوز کر جانا جیسے تکبر، ظلم اور حسد وغیرہ) سے منع کیا گیا ہے۔

① ...... عدل کا حکم عام ہے، احکام اور معاملات میں بھی عدل ضروری ہے، فرائض اور واجبات میں بھی، اولاد کے ساتھ بھی، دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ بھی، اپنے پرائے کے ساتھ بھی اور بیویوں، خادموں اور ملازموں کے ساتھ بھی۔

② ...... ہر اچھا عمل احسان ہے احسان کا تعلق اللہ کے ساتھ بھی ہے، جماعت اور خاندان کے ساتھ یہاں تک کہ حیوانوں کے ساتھ بھی احسان کا حکم ہے۔

③ ...... یوں تو ہر مستحق کی مدد کرنی چاہیے لیکن قرابت کے ساتھ تعاون کرنے کا دہرا اجر ملتا ہے۔

④ ...... ہر ایسا عمل جس کی قباحت بالکل واضح ہو وہ فحشاء ہے جیسے زنا، لواطت، شراب، جوا وغیرہ۔

⑤ ...... منکر، ایسے اعمال جو شریعت کی نظر میں قبیح ہیں اور جن سے طبع سلیم نفرت کرتی ہے۔

⑥ ...... بغی یہ ہے کہ انسانوں کی عزت وحرمت اور ان کے اموال اور جانوں پر زیادتی کی جائے۔

سورت کے اختتام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ زندگی بھر توحید خالص پر جمے رہے، حضور اکرم صلی الہ علیہ وسلم کو ان کی ملت کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ آپ لوگوں کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ اللہ کی طرف بلائیں اور اس راہ میں پیش آنے والے مصائب پر صبر کریں۔ سورت کی ابتدائی آیت ان لوگوں کے جواب میں نازل ہوئی تھی، جو آپ سے جلد عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ ایسے فضول مطالبوں سے آپ کی طبیعت کا مکدر ہونا یقینی تھا، جبکہ آخری آیت میں آپ کو صبر کرنے اور تنگدل نہ ہونے کی تلقین کی گئی ہے، لہٰذا ابتدا اور انتہا میں مناسبت بالکل واضح ہے۔

پارہ 15

سورۃ الاسراء......سورۂ اسراء مکی ہے، اس میں ۱۱۱ آیات اور ۱۲ رکوع ہیں، اسراء کا معنی ہے رات کو لے جانا، چونکہ اس سورۂ میں واقعہ معراج کا ذکر ہے جس میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور پھر وہاں سے آسمانوں پر لے جایا گیا تھا اس لیے اسے سورۂ اسراء کہا جاتا ہے، یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ اور آپ لیے بہت بڑا اعزاز تھا، یہ اعزاز انسانوں میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوا، یہ واقعہ بیداری کی حالت میں پیش آیا، اگر یہ نیند کی حالت میں پیش آیا ہوتا تو اسے اتنے اہتمام کے ساتھ قرآن کریم میں ذکر نہ کیا جاتا اور نہ ہی مشرکین اسے جھٹلاتے۔ کیونکہ خواب میں تو اس واقعہ سے بھی زیادہ عجیب وغریب واقعات اور مناظر انسان دیکھتا ہے اور کوئی بھی اسے جھوٹا نہیں کہتا، اس سورت کی پہلی آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ واقعہ معراج کے علاوہ جو اہم مضامین اس سورت میں بیان ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

① ...... بنی اسرائیل کو پہلے سے بتادیا گیا تھا کہ تم ملک شام میں دو بار فساد مچاؤ گے اور دونوں بار ہم بطور سزا کے تمہارے اوپر اپنے بندوں کو مسلط کردیں گے۔ چنانچہ پہلی مرتبہ جب انہوں نے تورات کی مخالفت کی اور حضرت شعیب علیہ السلام جیسے نبی کو ناحق قتل کیا تو ان پر بخت نصر اور اس کے لشکر کو مسلط کردیا گیا جو پورے ملک میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیل گئے۔ انہوں نے علماء اور رؤساء کو قتل کردیا، تورات جلا ڈالی، بیت المقدس کو ویران کردیا اور بہت سارے اسرائیلیوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ دوسری بار یہود کا فتنہ وفساد اس وقت عروج کو پہنچ گیا جب انہوں نے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو شہید کیا اور وہ گناہوں میں حد سے بڑھ گئے، اب کی بار بابل کا ایک بادشاہ جسے ہیرودس یا خردوس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ان پر مسلط کردیا گیا۔ یہی فتنہ وفساد یہود کی تاریخ رہی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی انہوں نے اپنے آباء کی روایت کے مطابق جب جرائم اور سازشوں کی راہ اختیار کی تو ان پر مسلمانوں کو غلبہ عطا کردیا گیا

جنھوں نے انہیں جزیرہ عرب سے نکال باہر کیا۔ ماضی قریب میں ہٹلر ان کے لیے خدائی کوڑا ثابت ہوا جس نے بے شمار یہودیوں کو قتل کیا اور بے مار کو زندہ جلا ڈالا، آج پھر ان کا فتنہ وفساد عروج تک پہنچ گیا ہے اب دیکھیے ان پر اللہ کا قہر کب نازل ہوتا ہے۔

② ...... قرآن کریم کی عظمت، انسان کی فطرت وطبیعت میں داخل جلد بازی اور ہر انسان کے ساتھ اس کے عمل اور نتائج عمل کے لازم ہونے کا ذکر کرنے کے بعد اجتماعی زندگی کے تقریباً ۱۳ اسلامی آداب واخلاق بیان کیے گئے ہیں۔ حقیقت میں اخلاق وآداب ہی کی وجہ سے کوئی امت اور فرد عزت اور عظمت کے مستحق بنتے ہیں، بعض حضرات نے ان آداب کو معراج کا پیغام بھی قرار دیا ہے، یہ آداب جو آیت ۲۳ سے آیت ۳۹ تک مذکور ہیں درج ذیل ہیں۔

اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، والدین کے ساتھ بھلائی کرتے رہو، رشتہ داروں مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دو، مال کو فضول خرچی میں نہ اڑاؤ، نہ بخل کرو نہ، ہاتھ اتنا کشادہ رکھو کہ کل کو پچھتانا پڑے، اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، کسی جاندار کو ناحق قتل نہ کرو، یتیم کے مال میں ناجائز تصرف نہ کرو، وعدہ کرو تو اسے پورا کرو، ناپ تول پورا پورا کیا کرو، جس چیز کے بارے میں تحقیق نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو، زمین پر اکڑ کر نہ چلو، آخر میں دوبارہ کہہ دیا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو معبود نہ بناؤ۔

③ ...... مشرکین کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ کی طرف بیٹیوں کی نسبت کرتے ہیں۔ (۴۰)

اخروی زندگی کا انکار کرتے ہیں اور بڑے تعجب سے کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر بوسیدہ ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں گے تو کیا ہمیں نئے سرے سے پیدا کیا جائے گا۔ (۴۹۔۹۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حسی معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں، کبھی کہتے ہیں ہم ایمان تب لائیں گے جب آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دیں، کبھی کہتے ہیں کھجوروں اور انگوروں کا باغ لہلہا دیں، کبھی کہتے ہیں ہمارے اوپر آسمان کا ٹکڑا گرا دیں یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ، کبھی کہتے ہیں تم اپنے لیے سونے کا گھر بنا کر دکھاؤ یا ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہاں سے کوئی تحریر لے آؤ۔ (۹۰۔۹۳)

علاوہ ازیں اس سورت میں قرآن کریم کی عظمت وصداقت، اس کے نزول کے مقاصد اور اس کے معجزہ ہونے (۹۔۸۲۔۸۸)، اللہ کی طرف سے انسان کو تکریم دیئے جانے (۶۱۔۶۵)، اسے روح اور زندگی جیسی نعمت کے عطا ہونے (۸۵)، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز تہجد کا حکم دیئے جانے (۷۸۔۷۹)، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ (۱۰۱۔۱۰۴) اور قرآن کریم کے تھوڑا تھوڑا نازل ہونے کی حکمت (۱۰۵۔۱۰۶) جیسے مضامین بھی مذکور ہیں۔ سورت کے اختتام

پر بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شریک اور اولاد سے پاک ہے اور وہ اسماء حسنیٰ کے ساتھ متصف ہے۔

سورۃ کہف ...... سورۂ کہف مکی ہے، اس میں ۱۱۰ آیات اور ۱۲ رکوع ہیں، کہف غار کو کہتے ہیں، چونکہ اس سورت میں غار والوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے اس لیے اسے سورۂ کہف کہا جاتا ہے۔ اس سورت کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث وارد ہیں۔ امام احمد، مسلم اور نسائی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ''جو شخص سورۂ کہف کی آخری دس آیات پڑھے گا وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا'' اہل علم کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ جمعہ کے دن یا رات میں سورۂ کہف پڑھی جائے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے گا اس کے لیے دو جمعوں کے درمیان کو نور سے منور کر دیا جائے گا''۔

سورۂ کہف ان پانچ سورتوں میں سے ایک ہے جن کی ابتداء الحمد للہ سے ہوتی ہے باقی چار سورتیں یہ ہیں۔ فاتحہ، انعام، سبا اور فاطر۔ حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ نے اس سوت کی تفسیر میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں طویل غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس سورت کا موضوع ''معرکہ ایمان و مادیت ہے'' اور اس سورت کا آخری دور کے فتنوں سے خاص تعلق ہے جس کا سب سے بڑا علمبر دار دجال ہوگا، یہ سورت مسلمانوں کو دجال کے فتنہ سے مقابلہ کے لیے تیار کرتی ہے، اس سورت میں جتنے اشارے واقعات اور مثالیں گزری ہیں وہ سب ایمان اور مادیت کی کشمکش کو بیان کرتی ہیں۔ سورۂ کہف میں تین قصے اور تین تمثیلیں بیان ہوئی ہیں۔

اصحاب کہف ...... پہلا قصہ اصحاب کہف کا ہے یہ وہ چند صاحب ایمان نوجوان تھے جنہیں دقیانوس نامی بادشاہ بت پرستی پر مجبور کرتا تھا، وہ ہر ایسے شخص کو قتل کر دیتا تھا جو اس کی شرکیہ دعوت کو قبول نہیں کرتا تھا، ان نوجوانوں کو ایک طرف مال ودولت کے انبار، اونچے عہدوں پر تقرر اور معیار زندگی کی بلندی جیسی ترغیبات دی گئیں اور دوسری طرف ڈرایا دھمکایا گیا اور جان سے مار دینے کی دھمکیاں دی گئیں ان نوجوانوں نے ایمان کی حفاظت کو ہر چیز مقدم جانا اور اسے بچانے کی خاطر نکل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے شہر سے بہت دور ایک پہاڑ کی غار تک پہنچ گئے، انہوں نے اس غار میں پناہ لینے کا ارادہ کیا، وہ جب غار میں داخل ہو گئے تو اللہ نے انہیں گہری نیند سلا دیا، یہاں وہ تین سو نو سال تک سوتے رہے جب نیند سے بیدار ہوئے تو کھانے کی فکر ہوئی، ان میں سے ایک کھانا خریدنے کے لیے شہر آیا، وہاں اسے پہچان لیا گیا، تین صدیوں میں حالات بدل چکے تھے، اہل شرک کی حکومت کب کی ختم ہو چکی تھی اور اب موحد برسر اقتدار تھے،

ایمان کی خاطر گھر بار چھوڑنے والے یہ نوجوان ان کی نظر میں قومی ہیروز کی حیثیت اختیار کر گئے۔ اس قصہ سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ مومن کو ایمان کے سلسلہ میں بڑا حساس ہونا چاہیے اور اگر خدانخواستہ مادیت اور ایمان دونوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا مرحلہ آئے تو اسے بہر طور ایمان کی حفاظت ہی کو ہر مادی چیز پر ترجیح دینی چاہیے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام...... دوسرا قصہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا ہے، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ کی طرف سے یہ اطلاع ہوئی کہ سمندر کے کنارے ایک ایسے صاحب رہتے ہیں جن کے پاس ایسا علم ہے جو آپ کے پاس نہیں تو آپ ان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، چلتے چلتے آپ سمندر کے کنارے پہنچ گئے، یہاں آپ کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی اور آپ نے ان سے ساتھ رہنے کی اجازت مانگی، انہوں نے اس شرط کے ساتھ اجازت دی کہ آپ کوئی سوال نہیں کریں گے، پھر تین عجیب واقعات پیش آئے، پہلے واقعہ میں حضرت خضر علیہ السلام نے اس کشتی کو پھاڑ ڈالا جس کے مالکان نے انہیں کرایہ لیے بغیر بٹھالیا تھا۔ دوسرے واقعہ میں ایک معصوم بچے کو قتل کر دیا، تیسرے واقعہ میں ایک ایسے گاؤں میں گرتی ہوئی بوسیدہ دیوار کی تعمیر شروع کر دی جس گاؤں والوں نے انہیں کھانا تک کھلانے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تینوں مواقع پر خاموش نہ رہ سکے اور بول پڑے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا تیسرے سوال کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے جدائی کا اعلان کر دیا کہ اب آپ میرے ساتھ نہیں چل سکتے۔ البتہ تینوں واقعات کی اصل حقیقت انہوں نے آپ کے سامنے بیان کر دی، فرمایا کشتی کا تختہ اس لیے توڑا تھا کیونکہ آگے ایک ظالم بادشاہ کے کارندے کھڑے تھے جو ہر سالم اور نئی کشتی زبردستی چھین رہے تھے۔ جب میں نے اسے عیب دار کر دیا تو یہ اس ظالم کے قبضے میں جانے سے بچ گئی یوں ان غریبوں کا ذریعہ معاش محفوظ رہا۔ بچے کو اس لیے قتل کیا کیونکہ یہ بڑا ہو کر والدین کے لیے بہت بڑا فتنہ بن سکتا تھا جس کی وجہ سے ممکن تھا وہ انہیں کفر کی نجاست میں مبتلا کر دیتا، جب کہ اللہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے انتہائی نیک والدین محض اس کی محبت میں ایمان سے محروم ہو جائیں۔ اس لیے اللہ نے اسے مارنے کا اور اس کے بدلے انہیں باکردار اور محبت و اطاعت کرنے والی اولاد دینے کا فیصلہ فرمایا۔ گرتی ہوئی دیوار اس لیے تعمیر کی کیونکہ وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، ان کے والدین اللہ کے نیک بندے تھے، دیوار کے نیچے خزانہ پوشیدہ تھا اگر وہ دیوار گر جاتی تو لوگ خزانہ لوٹ لیتے اور نیک والدین کے یہ دو یتیم بچے اس سے محروم ہو جاتے، ہم نے اس دیوار کو تعمیر کر دیا تاکہ جوان ہونے

کے بعد وہ اس خزانے کو نکال کر اپنے کام میں لا سکیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمارے سامنے شب و روز جو واقعات پیش آتے ہیں، کسی کو جوانی یا بچپن میں موت آ جاتی ہے، کوئی کسی حادثہ کا شکار ہو کر زخمی ہو جاتا ہے، کسی کی عمارت گر جاتی ہے، کسی کا چلتا ہوا کاروبار ٹھپ ہو جاتا ہے تو ان واقعات کے پس پردہ بڑی عجیب و غریب حکمتیں اور حقائق پوشیدہ ہوتے ہیں، اس دنیا کے ظاہر اور باطن میں بڑا اختلاف ہے۔ انسان کی نظر ظاہر میں الجھی رہتی ہے اور باطنی رازوں کے ادراک سے اس کی عقل قاصر رہ جاتی ہے۔ یہ قصہ مادیت کے ان علمبرداروں کی تردید کرتا ہے جو ظاہر ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور اسکے پس پردہ کسی حکیم و خبیر کی حکمت کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ تیسرا قصہ ذوالقرنین کا ہے لیکن اسے ان شاء اللہ ہم سولہویں پارہ کے اہم مضامین میں ذکر کریں گے۔

تین مثالیں...... ان واقعات کے علاوہ تین مثالیں بھی سورۂ کہف میں ذکر کی گئی ہیں۔ پہلی مثال ایک قصہ کی صورت میں پیش کی گئی ہے، یہ قصہ ایک ایسے شخص کا ہے جو انتہائی ثمر بار اور قیمتی باغوں کا مالک تھا، ان کے علاوہ مال و دولت کے حصول کے کئی دوسرے اسباب بھی اس کے لیے مہیا ہو گئے تھے، دولت کی کثرت نے اسے فخر اور غرور میں مبتلا کر دیا، وہ بڑے بڑے دعوے کرنے لگا، اسے یہ غلط فہمی ہو گئی کہ یہ ثروت و غنا اسے ہمیشہ حاصل رہے گی اور اس پر کبھی بھی زوال نہیں آئے گا۔ اس کا خیال تھا کہ اول تو قیامت قائم ہی نہیں ہوگی اور اگر کوئی بھی تو وہاں بھی مجھے خوشحالی حاصل رہیگی، اس کے صاحب ایمان دوست نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ اسباب کو خدا کا درجہ مت دو، انہیں سب کچھ نہ سمجھ اور اللہ کو ہرگز نہ بھولو، اس کائنات میں وہی کچھ ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے لیکن دولت نے اس کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دی کہ سورج سے بھی زیادہ یہ روشن حقیقت اس کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ پھر اللہ کا عذاب آیا اور اسکے باغات جل کر کوئلہ ہو گئے، تباہی اور بربادی کے بعد وہ پچھتانے لگا کہ اے کاش! میں نے شرک نہ کیا ہوتا اور اسباب کو خدا کا درجہ نہ دیا ہوتا، مگر اس کا پچھتاوا اس کے کسی کام نہ آیا۔ یہ بات واضح ہے کہ یہ شخص خدا کو مانتا تھا اور قیامت کا مبہم سا تصور بھی اس کے دل میں تھا اور یہ جو اس نے کہا کہ ''اے کاش! میں نے شرک نہ کیا ہوتا'' تو اس سے مراد ''شرک فی الاسباب'' تھا یعنی اسباب ہی کو سب کچھ سمجھ لینا اور مسبب الاسباب کو بھول جانا، اگر بے لاگ تجزیہ کیا جائے تو ہم یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ غیر مسلم تو اس شرک میں مبتلا تھے ہی، بہت سارے مسلمان بھی اس شرک میں مبتلا ہو چکے ہیں، اس میں شک نہیں کہ اسباب کو اختیار کرنا ایمان اور توکل کے منافی نہیں مگر اسباب کو

موثر بالذات سمجھنا یقیناً ایمان کے منافی ہے۔

دوسری مثال جو بیان کی گئی ہے وہ باری تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے ''اور ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کردو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے (زمین کی روئیدگی کا معاملہ) آسمان سے ہم نے پانی برسایا اور زمین کی روئیدگی اس سے مل جل کرا بھر آئی (اور خوب پھلی پھولی) پھر (ہوا یہ کہ) سب کچھ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا، ہوا کے جھونکے اسے اڑا کر منتشر کر رہے ہیں اور کونسی بات ہے جس کے کرنے پر اللہ قادر نہیں۔'' (آیت ۴۵) یعنی زوال اور فنا میں دنیا کی زندگی اس بارش کی طرح ہے جو آسمان سے برستی ہے اس کی وجہ سے پوری زمین سرسبز ہو جاتی ہے، فصلیں لہلہا اٹھتی ہیں، پھول کھل جاتے ہیں، ہر طرف خوشنما منظر دکھائی دیتے ہیں پھر اس کمال پر زوال آتا ہے، پھول مرجھا جاتے ہیں، پتے جھڑنے لگتے ہیں، فصل کو کاٹ دیا جاتا ہے، اسے پیروں تلے روندا جاتا ہے، وہ چورا جوانی، زندگی، خوشحالی اور عیش وعشرت کی ساری صورتیں عارضی ہیں، ان نعمتوں کی وجہ سے صرف جاہل اور احمق ہی دھوکے کا شکار ہوتے ہیں، اصحاب عقل جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ دنیا کی زندگی کا سامان اور زینت ہے، باقی رہنے والی اور ہمیشہ کی زندگی میں کام آنے والی چیزیں نیک اعمال ہیں، صدقہ خیرات ہے، ذکر و تلاوت ہے، اچھے اخلاق ہیں اور بنی نوع انسان کی سچی ہمدردی ہے۔

تیسری مثال تکبر اور غرور کی ہے اور اسے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ابلیس کے قصہ میں بیان کیا گیا ہے جب اس نے کبر وغرور کی وجہ سے اللہ کے حکم کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں افضل ہوں اور یہ کیسے ممکن ہے کہ افضل، مفضول کے سامنے سجدہ کرے۔ اس قصہ کے ضمن میں انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ کبھی بھی فخر اور گھمنڈ میں مبتلا نہ ہو اور اللہ کے حکموں کے سامنے منطق نہ لڑائے کہ بندگی کا تقاضا تسلیم وانقیاد ہے نہ کہ حجت بازی اور انکار!

پارہ 16

سولھویں پارہ کی ابتدائی آیات میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ کا بقیہ ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد ذوالقرنین کا قصہ مذکور ہے، ذوالقرنین کی شخصیت میں مفسرین کا اختلاف ہے، بہت سے حضرات سکندر مقدونی کو ذوالقرنین قرار دیتے ہیں۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ سکندر کو ذوالقرنین قرار دینا مشکل ہے کیونکہ یہ شخص ایمان اور خوف خدا سے خالی تھا جبکہ قرآن نے جس شخص کا ذکر کیا ہے وہ صرف وسائل واسباب رکھنے والا بادشاہ ہی نہیں تھا بلکہ اس کے اندر ایمانی صفات بھی پائی جاتی تھیں اور اس نے ظالم وجابر بادشاہوں کے برخلاف اللہ کے دیے ہوئے وسائل کو صرف انسانیت کی خدمت اور قیام عدل کے لیے استعمال کیا۔ بعض حضرات نے سکندر کے علاوہ دوسرے کئی بادشاہوں کو قرآن کا ذوالقرنین قرار دینے کی کوشش کی ہے لیکن اگر کسی شخصیت کا تعین نہ بھی ہو سکے تو بھی اس مقام کے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی، کیونکہ قرآن کا مقصود تاریخی تفصیلات، جزئیات اور شخصیات کا ذکر کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصود قصہ سے پیدا ہونے والی عبرت اور نصیحت کو اپنے قارئین کی طرف منتقل کرنا ہے۔ قرآن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ذوالقرنین کو اللہ تعالیٰ نے مادی قوت بھی عطا کی تھی اور روحانی اور ایمانی طاقت بھی اسے حاصل تھی اس کی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع تھا وہ ایک طرف مشرق کے آخری کنارے اور دوسری طرف مغرب کے انتہائی سرے تک پہنچ گیا تھا، اپنی فتوحات کے زمانے میں اس کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو پہاڑوں کے درمیان آباد تھی اور ہمیشہ ایک وحشی قوم کے حملوں کا نشانہ بنتی تھی جسے قرآن نے یاجوج ماجوج کا نام دیا ہے، اس مظلوم قوم کی درخواست پر ذوالقرنین نے ایک ایسی مضبوط دیوار تعمیر کر دی جس کی وجہ سے وہ یاجوج ماجوج کی یورش اور حملوں سے محفوظ ہو گئے۔ یہ دیوار قرب قیامت میں ریزہ ریزہ ہو جائے گی اور یاجوج ماجوج پوری دنیا میں پھیل جائیں گے، ذوالقرنین مادی وسائل کی بہتات کے باوجود اللہ پر ایمان رکھتا تھا جبکہ مادیت پرست افراد اور بادشاہ ظاہری اسباب ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اس وقت مادیت کی

بندگی میں پیش پیش ہونے کا سہرا مغربی تہذیب کے سر بندھتا ہے اور اس تہذیب کا جو سب سے بڑا نمائندہ ظاہر ہوگا اسے زبان نبوت میں دجال کہا گیا ہے اور لگتا یہ ہے کہ اس ظہور میں اب زیادہ دیر نہیں ہوگی۔ کیونکہ ایمان اور مادیت کے درمیان آخری معرکہ برپا ہونے میں اب تھوڑا وقت ہی باقی رہ گیا ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو دجالی تہذیب اور دجال کے ظہور کے وقت اپنے ایمان بچانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ سورۂ کہف کے اختتام پر گویا ان لوگوں کو حکم دیا گیا ہے جو صرف مادیت اور ظاہری وسائل ہی کو سب کچھ نہیں سمجھتے کہ ''پس جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے، چاہیے کہ اچھے کام انجام دے اور اپنے پروردگار کی بندگی میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کرے''۔ (آیت ۱۱۰)

سورۃ مریم...... سورۂ مریم مکی ہے اس میں ۹۸ آیات اور ۶ رکوع ہیں، دوسری مکی سورتوں کی طرح سورۂ مریم میں بھی اللہ کے وجود توحید اور بعث وجزاء سے بحث کی گئی ہے، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کے قصص ذکر فرمائے ہیں، سب سے پہلے حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے جو بوڑھے ہو چکے تھے، ہڈیاں کمزور پڑ گئی تھیں، بال سفید ہو گئے تھے، اہلیہ بوڑھی بھی تھیں اور بانجھ بھی۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر ۱۲۰ سال اور اہلیہ کی عمر ۹۸ سال ہوگئی تھی۔ بظاہر اب اولاد کا ہونا ممکن نظر نہیں آتا تھا لیکن پھر بھی اللہ کے سامنے ہاتھ اٹھا دیئے اور بیٹا مانگنے سے پہلے بارگاہ رب العالمین میں تین امور عرض کیے، پہلا یہ کہ میں بہت کمزور ہوں، دوسرا یہ کہ میں مایوس نہیں ہوں کیونکہ آپ نے کبھی بھی میری دعا رد نہیں فرمائی اور تیسرا یہ کہ اس دعا سے میرا مقصد دین کی منفعت ہے، اس کے بعد صراحۃً اپنی دینی خلافت کے لیے اللہ سے بیٹا مانگا۔ لیکن ساتھ ہی یہ درخواست بھی کہ ایسا بیٹا عطا فرمانا جس سے تو بھی خوش ہو اور تیرے بندے بھی خوش ہوں، اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرمائی اور انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صورت میں انتہائی صالح اور عابد وزاہد بیٹا عطا فرمایا جسے نبوت سے بھی سرفراز فرما دیا۔ (آیت ۱۔۱۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ...... حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ بیان کرنے کے بعد اس سے بھی زیادہ عجیب قصہ بیان کیا گیا ہے اور یہ سیدنا مسیح علیہ السلام کی ولادت کا قصہ ہے، بے شک حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت عجیب طریقے سے ہوئی تھی کیونکہ ان کے والدین توالد وتناسل کی عمر سے گزر چکے تھے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی اور ان کی والدہ باکرہ تھیں۔ یہاں سورۂ مریم میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے بتایا ہے کہ یہ

عجیب وغریب واقعہ کیسے پیش آیا، کیسے حضرت مریم اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر عبادت کے لیے بیت المقدس کے مشرقی گوشے میں چلی گئیں، کیسے جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس آئے انہوں نے گریبان میں پھونکا اور انہیں حمل ٹھہر گیا، کیسے ان پر حزن وملال کی شدید کیفیت طاری ہوئی، ولادت کے بعد بچے کو اٹھائے ہوئے جب قوم کے پاس آئیں تو یہودیوں کی زبانیں کھل گئیں اور وہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگے، حضرت مریم نے اللہ کے حکم سے بیٹے کی طرف اشارہ کیا تو ماں کی گود میں لیٹا ہوا بیٹا بولنے لگا اور اس کی زبان سے سب سے پہلے کلمہ جو نکلا وہ یہ تھا ''انی عبداللہ'' یقیناً میں اللہ کا بندہ ہوں، دنیائے رنگ وبو میں قدم رکھنے کے بعد زندگی کے اس موڑ پر جب کہ ابھی آپ بولنے کی عمر تک نہیں پہنچے تھے، معجزانہ انداز میں اپنی والدہ کی پاکدامنی بتانے کے لیے بولے بھی تو آپ کی زبان سے پہلا کلمہ ہی ایسا نکلا جو آپ کے بارے میں غالی قسم کے عیسائیوں کی کھڑی کی گئی شرکیہ عمارت کو دھڑام سے گرانے کے لیے کافی ہے۔ آپ نے اپنے اسی اعجاز خطاب میں فرمایا کہ مجھے رب تعالیٰ نے چھ اعزازات سے سرفراز فرمایا ہے پہلا یہ کہ بندہ ہوں، نہ رب ہوں نہ رب کا بیٹا ہوں، دوسرا یہ کہ مجھے وحی ونبوت عطا کی گئی ہے۔ تیسرا یہ کہ اللہ نے مجھے مبارک بنایا ہے، میرا وجود لوگوں کے لیے برکت اور رحمت کا باعث ہے، میں خیر کا معلم اور امت کے لیے نافع ہوں، چوتھا یہ کہ مجھے دوسرے انبیاء کی طرح شرعی امور اور عبادات کا مکلّف بنایا گیا ہے، ان میں سے نماز اور زکوٰۃ کا آپ نے خاص طور پر ذکر فرمایا جو کہ ان دونوں عبادات کی اہمیت اور عظمت کی دلیل ہے، پانچویں یہ کہ میں اپنی والدہ کا فرمانبردار اور عزیز واقارب کا خدمت گار ہوں، میری طبیعت میں تواضع ہے، کبروغرور نہیں ہے، چھٹا یہ کہ مجھے دنیا اور آخرت میں امن اور سلامتی کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ (آیت ۱۶۔۳۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اعجازی شان لی ہوئی ولادت یہود ونصاریٰ کے درمیان اختلاف کا باعث بن گئی، عیسائیوں نے انہیں ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) قرار دیا تو یہودیوں نے (معاذ اللہ) ابن زنا کہنے میں کوئی شرم محسوس نہ کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور ان کے بارے میں اہل کتاب کا اختلاف بیان کرنے کے بعد سورۂ مریم منتقل ہو جاتی ہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کی طرف جو کہ مشرک باپ کے ساتھ پیش آیا تا کہ عقیدہ شرک میں جو جھوٹ، کبروغرور، جہل وعناد اور ضلالت وحماقت پائی جاتی ہے اس کی ایک جھلک دکھائی جائے۔ یونہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاق واوصاف خاص طور پر ان کا حلم اور بردباری، حکمت اور

دردمندی بھی نمایاں کرنا مقصود ہے تاکہ داعیان حق کے سامنے ایک حقیقی داعی کا سراپا آجائے جسے وہ اپنے لیے نمونہ بنا سکیں، اسی طرح اس قصہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ حق کی دعوت اور حق پر استقامت کی وجہ سے حضرت خلیل پر کیسے باران رحمت نازل ہوئی، ان کی نسل میں ایک بڑی امت پیدا ہوئی، ان کی اولاد میں انبیاء صلحاء اور بالخصوص حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور یہ بات بڑی عجیب ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر ملت ان کی طرف اپنی نسبت کرنے میں فخر محسوس کرتی ہے، سورۂ مریم بتاتی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شعور کی آنکھیں کھولیں تو اپنے والد کو بت پرستی میں مبتلا پایا جب آپ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا تو آپ نے دعوت توحید واصلاح کا آغاز اپنے گھر ہی سے کیا اور اپنے والد کو نرمی اور محبت سے سمجھانے کی کوشش کی، باوجود باپ کے مشرک ہونے کے آپ نے اپنی گفتگو میں ادب کا پہلو ملحوظ رکھا لیکن آپ کا والد آزر دھمکیوں پر اتر آیا اور کہنے لگا ”اگر تم (بتوں کو برا بھلا کہنے سے باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کروں گا اور تم مجھے ایک طویل زمانے تک چھوڑ دو۔“ (آیت ۴۶) جب مسلسل دعوت کے باوجود نہ آزر راہ راست پر آیا اور نہ ہی قوم کی سمجھ میں آپ کی دعوت آئی تو آپ محض اللہ کی رضا کی خاطر عراق سے شام ہجرت فرما گئے، اللہ کے لیے قوم اور خاندان کو چھوڑنے کا صلہ اللہ نے یہ دیا کہ حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی صورت میں ان سے کہیں بہتر بیٹے اور مونس وغم خوار عطا فرما دیئے۔ (آیت ۴۱۔۵۰)

اس کے بعد سورۂ مریم حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہم السلام کا تذکرہ کرتی ہے (آیت ۵۱۔۵۸) اور بتاتی ہے کہ ان انبیاء کے جانشین ایسے لوگ ہوئے جنہوں نے نمازیں ضائع کیں اور خواہشات اور شہوت کی بندگی کا راستہ اختیار کرلیا، اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ مشرکین بعث وجزا کا انکار کرتے ہیں، انہیں جہنم کے ارد گرد ضرور جمع کیا جائے گا، سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ دلوں میں محبت پیدا کردے گا اور موجودہ مجرموں کو بھی پہلے مجرموں کی طرح ہلاک کردیا جائے گا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے سامنے اپنی خواہشات کو فنا کر دیتے ہیں اور خالص اسی کے ہو کر رہ جاتے ہیں، ان کی محبت انسانوں کے قلوب میں پیدا کردی جاتی ہے جو کہ حقیقت میں نتیجہ خیز ہوتی ہے خود باری تعالیٰ کی محبت کا جیسا کہ صحیحین اور مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر اطلاع دیتا ہے کہ میں اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت رکھو، جبرئیل اس سے محبت کرنے لگتا ہے، پھر آسمانوں میں اعلان کردیتا ہے کہ اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔

چنانچہ آسمانوں والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین والوں کے دلوں میں بھی اس کی قبولیت اور محبت رکھ دی جاتی ہے اس کے برعکس جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے ناراض ہوتے ہیں تو اس کی اطلاع جبرئیل کو دیتے ہیں۔ جبرئیل اس سے نفرت کرنے لگتا ہے پھر سارے آسمان والوں کو اس کی اطلاع دیتا ہے، چنانچہ وہ سب سے نفرت کرنے لگتے ہیں پھر اس نفرت کا اثر زمین پر بھی ظاہر ہوتا ہے اور زمین والے بھی اس سے نفرت شروع کر دیتے ہیں۔"

سورۃ طٰہٰ...... سورۂ مکی ہے، اس میں ۱۳۵ آیات اور ۸ رکوع ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورۂ طٰہٰ سورۂ مریم کے بعد نازل ہوئی، دونوں سورتوں کے درمیان مضمون کے اعتبار سے بھی واضح مناسبت پائی جاتی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ جو کہ سورۂ مریم میں اجمالی طور پر مذکور تھا وہ سورۂ طٰہٰ میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے، اسی طرح سورۂ مریم میں حضرت آدم علیہ السلام کا صرف نام آیا تھا، جب کہ یہاں ان کا واقعہ قدرے وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے، اس سورت میں بھی اصول دین سے بحث کی گئی ہے۔

"طٰہٰ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور یہاں اس کے ذریعے آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ "ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔" (آیت ۲) اصل بات یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت اور دعوت دونوں میں بے پناہ مشقت اٹھاتے تھے، راتوں کو نماز میں اتنی طویل قرات فرماتے کہ پاؤں بارک میں ورم آ جاتا اور پھر انسانوں تک قرآن کے ابلاغ اور دعوت میں بھی اپنی جان جوکھوں میں ڈالتے تھے اور جب کوئی اس دعوت پر کان نہ دھرتا تو آپ کو بے پناہ غم ہوتا، اسی لیے رب کریم نے کئی مقامات پر آپ کو تسلی دی ہے، یہاں بھی یہی سمجھایا گیا کہ آپ اپنے آپ کو زیادہ مشقت میں نہ ڈالیں، اس قرآن سے ہر کسی کا دل متاثر نہیں ہو سکتا یہ تو صرف "اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو (دل میں اللہ کا) خوف رکھتا ہو" یہ سمجھانے کے بعد اللہ نے اپنی بعض صفات ذکر فرمائی ہیں تا کہ آپ کو قلبی اطمینان ہو کہ اللہ میرے ساتھ ہے وہ میری حفاظت کرے گا اور مجھے کسی حال میں بھی تنہا نہیں چھوڑے گا، اس وضاحت کے بعد گویا نمونہ کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر کر کے بتایا گیا ہے کہ اللہ اپنے مخصوص بندوں کی حفاظت کے لیے خصوصی انتظام کرتا ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ قرآن کریم میں دوسرے انبیاء کے مقابلے میں زیادہ تفصیل اور تکرار کے ساتھ آیا ہے، کیونکہ اس میں عجیب و غریب واقعات اور

اشارات ہیں وہ انسان کو اللہ کی نعمتوں اور قدرت کے بارے میں غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں، شاید اس تکرار میں ایک حکمت یہ بھی ہو کہ ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی فرعون ہوتا ہے، جس کے مقابلے کے لیے اہل ایمان کو مستعد رکھنا ضروری ہے، یہاں سورۂ طٰہٰ میں آیت ۹ سے ۹۸ تک تقریباً مسلسل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے اور اس میں آپ کی زندگی کے بیشتر واقعات آ گئے ہیں لیکن ان میں تقدیم وتاخیر ہے، مثال کے طور پر آپ کے تذکرہ کی ابتداء مدین سے واپسی، آگ دیکھنے، باری تعالیٰ سے شرف ہم کلامی اور نبوت ملنے کے واقعہ سے ہو رہی ہے اور ولادت کے بعد صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈالنے کا واقعہ بعد میں ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ زمانی ترتیب کے اعتبار سے پہلا واقعہ بعد میں اور دوسرا پہلے پیش آیا تھا ایسا کرنے کی ایک بڑی وجہ تفنن ہے، یعنی ایک ہی واقعہ کو قرآن انداز بدل بدل کر بار بار بیان کرتا ہے تاکہ پڑھنے والے اکتا بھی نہ جائیں اور ان کی نظریں واقعے کی جزئیات تلاش کرنے کی بجائے عبرت اور نصیحت کے حصول پر مرکوز رہیں۔ سورۂ طٰہٰ میں آپ کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں ان حالات کو ذہن نشین کرنے کے لیے چند عنوانات قائم کیے جا سکتے ہیں یعنی باری تعالیٰ کے ساتھ شرف ہم کلامی، دریا میں ڈالا جانا، اللہ کی طرف سے آپ کو اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم فرعون کے ساتھ موعظہ حسنہ کے اصول کے تحت مباحثہ، اس کا مقابلہ کے لیے جادوگروں کو جمع کرنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح، ساحروں کا قبول ایمان، راتوں رات بنی اسرائیل کا اللہ کے نبی کی قیادت میں مصر سے خروج، فرعون کا بمع لاؤلشکر تعاقب اور ہلاکت، کریم ورحیم مولیٰ کی نعمتوں کے مقابلے میں بنی اسرائیل کا کفران اور ناشکرا پن، سامری کا بچھڑا بنانا اور اسرائیلیوں کی ضلالت، تورات لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طور سے واپسی اور اپنے بھائی پر غصے کا اظہار۔ ان آیات کے مطالعہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رب کریم کے ساتھ خصوصی انعامات سامنے آئے ہیں:

- ...... فرعون کے ظلم اور پکڑ سے حفاظت جبکہ وہ اور اس کے کارندے نومولود اسرائیلی بچوں کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔
- ...... لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت کا ڈالا جانا، یہاں تک کہ جو بھی آپ کو دیکھتا تھا وہ آپ سے محبت کرنے لگتا تھا۔
- ...... آپ کی تربیت اور پرورش کا خصوصی اہتمام اور نگرانی۔
- ...... پوری عزت اور احترام کے ساتھ رضاعت کے لیے حقیقی والدہ کی آپ کو لوٹا دینا۔
- ...... آپ سے ایک قبطی قتل ہو گیا لیکن آپ کو قصاص میں قتل ہونے سے بچا لیا گیا۔

- ......مدین سے واپسی پر آپ کو نبوت عطا کر دی گئی۔
- ......اللہ نے آپ کو شرف ہم کلامی بخشا اور اپنے قرب اور محبت کے لیے آپ کو منتخب فرمالیا۔

اس قصے کے آخر میں قرآنی قصص کے نزول کی حکمت اور قرآن سے اعراض کرنے والوں کو قیامت کے دن جس سزا کا سامنا کرنا پڑے گا اس کا ذکر ہے، پھر اسی کی مناسبت سے آیت ۱۰۶ سے ۱۱۲ تک قیامت کے ہولناک احوال کا بیان ہے۔ یہ بتلانے کے لیے کہ بھول چوک انسان کی فطرت میں داخل ہے، پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے نسیان کا ذکر کیا گیا ہے پھر ابلیس کے ساتھ ان کا معاملہ ہوا تھا اسے بیان کیا گیا ہے۔ (۱۱۵-۱۲۲)

جو لوگ قرآن سے اعراض کرتے ہیں ان کے لیے وعید ہے کہ ان کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور انہیں قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھایا جائے گا، ایسے معاندین کے حال پر اظہار تعجب کیا گیا ہے جو قرآن کریم جیسا عظیم معجزہ دیکھ لینے کے باوجود عصا اور ناقہ جیسے معجزات دیکھنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ (۱۳۲) آخری آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ ان معاندین سے ''کہہ دیجئے کہ سب (اعمال کے نتائج کے) منتظر ہیں پس تم بھی منتظر رہو، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ سیدھی راہ پر چلنے والے کون اور (جنت کی طرف) راہ پانے والے کون ہیں۔ (۱۳۵)

پارہ 17

سورۃ الانبیاء......سترہویں پارہ کا آغاز سورۃ الانبیاء سے ہو رہا ہے، اس سورت میں ۱۱۲ آیات اور ۷ رکوع ہیں، اس سورت کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں تقریباً ۱۷ انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر آیا ہے، صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''سورۃ بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ اور انبیاء نزول کے اعتبار سے پہلی اور میری قدیم دولت اور کمائی ہیں'' سورۃ الانبیاء کے اہم مضامین درج ذیل ہیں۔

① ......سورۃ الانبیاء کی ابتدا میں دنیا کی زندگی کے زوال کی تصویر کشی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ قیامت کا وقوع اور حساب کا وقت بہت قریب آ گیا ہے لیکن اس ہولناک دن سے انسان غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ (آیت ۲) نہ اس کے لیے تیاری کرتے ہیں، نہ ہی ایسے اعمال کرتے ہیں جو وہاں کام آئیں گے، ان کے سامنے جب بھی کوئی نئی آیت آتی ہے اس کا مذاق اڑانے اور اسے جھٹلا دیتے ہیں، وہ جانتے ہی نہیں کہ اس عظمت والے کلام کو کیسی سنجیدگی، وقار اور عاجزی کے ساتھ سننا چاہیے۔

② ......مشرکین آپس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ شخص جو رسالت کا دعوے دار ہے یہ رسول نہیں ہے بلکہ تمہارے جیسا ایک انسان ہے اور یہ دوسرے انبیاء جیسے مادی معجزات کے پیش کرنے سے عاجز ہے، قرآن نے جواب دیا ہے کہ جتنے بھی انبیاء پہلے آئے ہیں وہ سب کے سب انسان تھے، کھاتے پیتے تھے اور دوسرے انسانی تقاضے بھی پورے کرتے تھے، کوئی ایک نبی ایسا نہیں تھا جو بشری تقاضوں سے پاک ہو، جہاں تک معجزات کا تعلق ہے تو قرآن سے بڑا معجزہ کون سا ہو سکتا ہے، اس کے وجوہ اعجاز میں سے ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن کے آئینہ میں مختلف عقائد و خیالات اور اخلاق و اعمال کے لوگ اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہیں، اس میں ہر قوم اور ہر شخص کا تذکرہ موجود ہے، کہیں صراحۃً اور کہیں اشارۃً۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے، جس میں تمہارا تذکرہ ہے کیا تم نہیں

سمجھتے ؟ (آیت : ۱۰)

مشہور تابعی اور عرب سردار حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک دن بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے یہی آیت پڑھ دی، وہ چونک پڑے اور کہا ذرا قرآن مجید تو لانا، میں اس میں اپنا تذکرہ تلاش کروں اور دیکھوں میں کن لوگوں کے ساتھ ہوں اور کن لوگوں سے مجھے مشابہت ہے، وہ قرآن کے اوراق الٹتے رہے اور مختلف لوگوں کے احوال پڑھتے رہے پہلے انہوں نے وہ آیات پڑھیں جن کے اندران سعادت مندوں کا تذکرہ ہے جن میں سے کسی نے جان اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کردی، کسی نے سارا مال خرچ کردیا، کوئی رات بھر بستر سے جدا رہتا ہے اور کوئی برائی کے قریب بھی نہیں پھٹکتا، پھر وہ آیات پڑھیں جن میں مشرکوں، کافروں، منافقوں اور فاسقوں کا ذکر ہے دونوں قسم کی آیات پڑھنے کے بعد وہ کہہ اٹھے کہ اے اللہ! میں ان دونوں گروہوں میں سے نہیں ہوں، پھر انہوں نے سورۂ توبہ کی وہ آیت پڑھی جس میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے جن سے گناہ بھی ہوئے اور انہوں نے نیک اعمال بھی کیے، یہ آیت کریمہ پڑھ کر وہ پکار اٹھے کہ ہاں یہ میرا تذکرہ ہے یوں بالآخر انہوں نے قرآن میں اپنا تذکرہ تلاش کرہی لیا۔ مشرکین کی مضحکہ خیز اور حماقت آمیز حرکتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ قرآن کے بارے میں کسی ایک رائے پر متفق نہ تھے کبھی کہتے کہ یہ سحر ہے، کبھی کہتے یہ شعر ہے، کبھی کہتے یہ خواب پریشاں ہے، کبھی اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا افتراء بتاتے اور کبھی کسی سے سیکھا ہوا کلام قرار دیتے۔ ان کے اضطراب اور اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے" بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن خواب پریشان ہے، بلکہ اس نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے، بلکہ یہ شاعر (اور قرآن شعر) ہے تو جیسے (مادی) معجزات پہلے انبیاء لے آئے تھے اسی طرح یہ بھی لائے"۔ (۵) اس کے بعد قرآن نے مشرکین کو ان ظالم قوموں کے انجام کی طرف متوجہ کیا ہے جنہیں اللہ نے بصارت اور بصیرت رکھنے والوں کے لیے عبرت کا سامان بنادیا، ان تباہ شدہ قوموں نے جب عذاب الٰہی کے آثار دیکھے تو بھاگ نکلنے کی کوشش کی لیکن اللہ نے انہیں مہلت نہ دی اور انہیں راکھ کا ڈھیر بنادیا۔ (۱۱۔۱۵)

ان سے کہا گیا اب بھاگنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ واپس لوٹو اسی عیش وعشرت کی طرف جس نے تمہیں مدہوش کررکھا تھا، انہی بلند و بالا مکانات کی طرف جن پر تمہیں بڑا ناز تھا، انہی قصبوں اور محلوں کی طرف جہاں تم اکڑ اکڑ کر چلا کرتے تھے، وہاں جاؤ تاکہ جب سوال کرنے والے تم سے نزول عذاب کے منظر کے بارے میں سوال کریں تو تم انہیں جواب دے سکو، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بات انہیں استہزا اور تذلیل کے طور پر کہی گئی تھی۔

③......کائنات کی اس کھلی ہوئی کتاب میں رب العلمین کی وحدانیت کے بے شمار دلائل بکھرے ہوئے ہیں، اس کائنات میں ارض وسماء، شمس وقمر اور لیل ونہار وغیرہ کی صورت میں جو کچھ بھی ہے اسے اللہ نے لہوولعب کے لیے پیدا نہیں کیا بلکہ حکمت کے تحت اور اس مقصد کے لیے پیدا کیا ہے کہ انسان اس میں غور وفکر کرے اور عبرت حاصل کرے، اس عالم رنگ وبو کی ہر چیز اللہ کی اطاعت اور تسبیح میں لگی ہوئی ہے، سوائے کافر انسان کے جس نے اپنا وتیرہ غفلت اور سرکشی کو بنالیا ہے۔(۱۶۔۲۰)

④......مشرکین جو کہ اللہ کو چھوڑ کر جمادات کے سامنے جھکتے تھے، انہیں زجر وتوبیخ کی گئی ہے اور ان سے اس پر دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ واقعی یہ بت عبادت کے مستحق ہیں (۲۱۔۲۴) ظاہر ہے ان کے پاس اپنے شرک اور بت پرستی کے جواز پر نہ کوئی عقلی دلیل تھی اور نہ ہی نقلی دلیل تھی۔

چھ دلائل......

● ......مشرکین کے باطل نظریات کی تردید کے بعد ایک خالق اور قادر کے وجود پر چھ دلائل ذکر کیے گئے ہیں، یہ سب کے سب تکوینی دلائل ہیں جن کا نظروں سے مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اور جن کی حقیقت کی بحث اور تحقیق کے بعد اہل علم نے تسلیم کیا ہے۔

پہلی دلیل یہ دی کہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے، ہم نے دونوں کو جدا جدا کر دیا، آسمان کو فرشتوں کا مسکن بنا دیا اور زمین کو انسانوں کا قرآن نے جو آسمان اور زمین کے جڑے ہونے کا نظریہ پیش کیا اسے نہ عرب جانتے تھے اور نہ ہی اس وقت کی دوسری (معاصر) اقوام میں سے کوئی قوم اس نظریہ سے باخبر تھی، ابھی تقریباً دو سو سال ہوئے کہ ارضیات اور فلکیات کے ماہرین طویل تجربات اور مشاہدات کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سارے سیارے خواہ وہ سورج اور ستارے ہوں یا زمین اور چاند، یہ سب آپس میں ملے ہوئے تھے، پھر یہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے جبکہ قرآن نے آج سے چودہ سو سال پہلے یہ حقیقت بلاخوف تردید بیان کر دی تھی، اسے قرآن کے معجزہ کے سوا کیا نام دیا جا سکتا ہے۔

دوسری دلیل یہ دی کہ ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا ہے، یہ ایک عظیم انکشاف تھا جو کہ ایک امی کی زبان سے کروایا گیا اور آج دنیا بھر کے اہل علم تسلیم کرتے ہیں کہ تمام زندہ اشیاء کے وجود میں پانی کو بنیادی عنصر کی حیثیت حاصل ہے، پانی کے بغیر زندگی محال ہے، خواہ حیوان ہوں یا درخت اور پودے سب پانی کے محتاج ہیں آپ چاند کو دیکھ لیجئے وہ اپنی بناوٹ میں زمین کے مشابہ ہے لیکن چونکہ وہاں پانی نہیں ہے اس لیے اس کی سطح پر زندگی ناممکن ہے۔

تیسری دلیل یہ دی کہ ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تا کہ لوگوں (کے بوجھ) سے زمین ہلنے نہ لگے، اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے تو زمین مسلسل زلزلوں اور اضطرابات کی زد میں رہتی اور زمین کی تہہ میں جو آگ بھڑک رہی ہے اس سے حفاظت نہیں ہو سکتی تھی، اب بھی دنیا میں کہیں کہیں ایسے آتش فشاں پہاڑ پائے جاتے ہیں جن کے ذریعے گویا کہ زمین کبھی کبھی سانس لیتی ہے اور اس میں بھڑکنے والی آگ زندگی محال کر دیتی ہے۔

چوتھی دلیل یہ دی کہ ہم نے زمین میں کشادہ راستے بنائے ہیں تا کہ لوگ ان پر چلیں، آپ ہموار میدانوں کو چھوڑیں، پہاڑی سلسلوں ہی کو دیکھ لیجئے جو ملک در ملک چلے جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان کشادہ وادیاں اور راستے رکھے ہیں جن کی وجہ سے انسانوں کو اپنے اسفار میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔

پانچویں دلیل یہ دی ہے کہ ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا ہے، اس چھت میں لاکھوں ستارے، سورج اور چاند ہیں جو اپنے اپنے مدار میں انتہائی تیز رفتاری سے گھوم رہے ہیں، نہ ان میں ٹکراؤ ہوتا ہے اور نہ ہی وہ خلط ملط ہوتے ہیں، اگر ایک ستارہ بھی اپنے مدار سے ہٹ جائے تو نظام عالم میں خلل واقع ہو جائے، تو وہ کون ہے جو اس سارے نظام کو سنبھالے ہوئے ہے اور کسی کو بھی ایک مخصوص رفتار اور راستے سے ادھر ادھر نہیں ہونے دیتا کیا لات وہبل کیا عزیٰ اور منات نہیں، رب العلمین کے سوا کوئی نہیں۔

چھٹی دلیل تکوینی دلائل میں سے یہ دی ہے کہ رات اور دن، سورج اور چاند کو اللہ نے بنایا ہے، یہ سب آسمان میں تیر رہے ہیں جیسے مچھلی پانی میں تیرتی ہے، انہیں یکے بعد دیگرے آنے جانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی، اور یہ کبھی رکتے بھی نہیں، مسلسل چلتے رہتے ہیں، حرکت ہی میں ان کی زندگی ہے۔ (۳۰۔۳۳) رات اور دن، سورج اور چاند، نجوم اور افلاک کی حرکت کا نظریہ قرآن نے اس وقت پیش کیا تھا، جب اس حوالے سے بڑے بڑے باخبر بھی بے خبر تھے، اس قرآنی نظریہ کی علم جدید تائید کر رہا ہے، سائنس دانوں نے تو صدگاہوں اور جدید ترین مشینوں سے لیس لیبارٹریوں میں برسہا برس کی تحقیق کے بعد اس علمی حقیقت کو دریافت کیا تھا مگر سوال یہ ہے کہ وہ نبی امی جسے لکھنا پڑھنا بھی نہیں آتا تھا اس کے پاس وحی کے سوا کون سا راستہ تھا جس کے ذریعے خبریں پا کر وہ پوری دنیا کو باخبر کر رہا تھا، کیا نبی امی کی مبارک زبان سے ان حقائق کا بیان ہونا اس کی صداقت کی دلیل نہیں یقیناً ہے مگر اس دلیل کو تسلیم کرنے کے لیے آنکھوں سے تعصب اور عناد کی پٹی اتارنا ضروری ہے۔

● ...... توحید، نبوت، معاد اور حساب وجزاء پر دلائل دینے کے بعد انبیاء علیہم السلام کے قصے

ذکر کیے گئے ہیں یعنی حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت نوح، حضرت داوٗد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت اسماعیل، حضرت ادریس، حضرت ذوالکفل، حضرت یونس، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام (آیت: ۴۸۔۹۱)

ان تمام انبیاء کی دعوت ایک ہی تھی وہ یہ کہ ''جو نیک کام کرے گا اور مومن بھی ہوگا تو اس کی کوشش رائیگاں نہ جائے گی۔'' (۹۴) ان ۱۷ انبیاء میں چھ کے قصے قدرے تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

① ...... حضرت ابراہیم علیہ السلام جنہیں دعوت توحید اور تردید شرک کی وجہ سے دہکتی ہوئی آگ میں گرادیا گیا مگر اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی۔

② ...... آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام جنہیں ایک بدترین قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔

③ ...... حضرت نوح علیہ السلام جنہیں ان کی طویل عمر اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبر و تحمل کرنے کی وجہ سے شیخ الانبیاء بھی کہا جاتا ہے انہوں نے ۹۵۰ سال تک فریضہ دعوت سرانجام دیا۔

④ ...... حضرت داوٗد اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ جو دونوں نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی، انہیں روحانی اور مادی دونوں طرح کی نعمتوں سے خوب نوازا گیا تھا۔

⑤ ...... حضرت ایوب علیہ السلام جنہیں مصائب و آلام کے ذریعہ آزمایا گیا، انہوں نے ایسے صبر کا مظاہرہ فرمایا کہ ان کا صبر ضرب المثل بن گیا، ان مصائب و آلام میں وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے، ان کی توجہ نے رحمت باری تعالیٰ کو متوجہ کر ہی لیا، ان کی دعائیں قبول ہوئیں اور دور ابتلاء ختم ہوگیا۔

⑥ ...... حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ جنہیں مچھلی نے نگل لیا تھا اس کے پیٹ میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا، ان کی پکار سنی گئی اور انہیں غم سے نجات مل گئی، بے شک اللہ تعالیٰ کو پکارنے والوں کو غم سے نجات مل ہی جاتی ہے۔

⑦ ...... یاجوج ماجوج جن کا ذکر سورۂ کہف میں ہو چکا ہے، یہاں ان کا دوبارہ ذکر آیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ قیامت کے قریب یاجوج ماجوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے اتر رہے ہوں گے۔ (۹۶)

⑧ ...... مشرکین اور ان کے اصنام قیامت کے دن دوزخ کا ایندھن بنیں گے اور کوئی بھی کسی کے کام نہیں آسکے گا۔

⑨ ...... انبیاء متقدمین کے قصص بیان کرنے کے بعد بتایا گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دین اور دنیا میں سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں، آپ نے اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچا دیا مگر جب ہر قسم کے دلائل پیش کرنے کے بعد بھی لوگ نہ سمجھے تو آپ نے اللہ سے دعا کی کہا اے میرے پروردگار! حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور ہمارا پروردگار بڑا مہربان ہے، اسی سے ان باتوں میں جو تم بیان کرتے ہو، مدد مانگی جاتی ہے۔''

اللہ نے اپنے نبی کی دعا قبول فرمائی اور غزوہ بدر کے مواقع پر مشرکین پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو کر رہا۔

اسی دعا پر سورۂ انبیاء اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔

سورۃ الحج...... سورۂ حج مدنی ہے، اس میں ۷۸ آیات اور ۱۰ رکوع ہیں، چونکہ اس سورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے لوگوں پر حج کی فرضیت کا اعلان کروایا گیا ہے اس لیے اسے سورۂ حج کہا جاتا ہے۔ قارئین کرام یہ بات تو بار بار پڑھ چکے ہیں کہ مکی سورتوں میں عام طور پر عقائد سے بحث ہوتی ہے جبکہ مدنی سورتوں میں مسائل واحکام زیر بحث آتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مدنی سورتوں میں عقائد ذکر نہیں کیے جاتے، مذکورہ اصول محض غالب مضمون کے اعتبار سے ہے، عمومی اور کلی قاعدہ ہرگز نہیں ہے، سورۂ حج ہی کو لے لیجیے یہ اگرچہ مدنی ہے اور اس میں ہجرت وجہاد، حج اور قربانی جیسے شرعی احکام بھی ہیں لیکن اس میں مکی سورتوں والے موضوعات زیادہ ہیں یعنی عقیدہ توحید، وعید وانذار بعث وجزاء، جنت اور دوزخ، قیامت کے مناظر اور ہولناکیاں، سورت کی ابتداء اس انداز سے ہوتی ہے کہ دل دہل جائیں اور جسم پر کپکپی طاری ہو جائے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو! بے شک قیامت کا زلزلہ بڑا حادثہ ہے، تم اس دن دیکھو گے کہ دودھ پلانے والی ہر عورت اپنے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حمل گر جائے گا اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے (اسے دیکھ کر لوگوں کے ہوش وحواس اڑ جائیں گے)۔''

● ...... قیامت کا ذکر کرنے کے بعد بعث ونشور یعنی دوبارہ زندہ ہونے پر دو وجہ سے استدلال کیا گیا ہے۔

پہلا استدلال انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل سے ہے، انسان اپنی پیدائش اور تکوین میں سات مراحل سے گزرتا ہے۔

① ...... انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو بلاواسطہ مٹی سے پیدا کیا گیا، بالواسطہ ہر

انسان کا مٹی سے تعلق ہے۔

(۲)...... ہر انسان منی اور نطفہ سے پیدا ہوتا ہے منی خون سے، خون غذا سے اور غذا مٹی سے پیدا ہوتی ہے، مٹی اور نطفہ کے درمیان زندگی کا راز پوشیدہ ہے۔

(۳)...... تیسرے مرحلے میں خون لوتھڑا بنتا ہے۔

(۴)...... چوتھے مرحلے میں بوٹی بنتی ہے، جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی ہوتی ہے۔

(۵)...... پانچویں مرحلے میں بچہ پیدا ہوتا ہے جو کہ حواس کے اعتبار سے کمزور ہوتا ہے۔

(۶)...... چھٹے مرحلے میں وہ جوان ہو جاتا ہے اور قوت وعقل کے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

(۷)...... ساتویں مرحلے میں یا تو وہ جوانی ہی میں انتقال کر جاتا ہے یا اتنا بوڑھا ہو جاتا ہے کہ اس پر بچپنے کا گمان ہوتا ہے۔

وہ انسان جو خود ان مراحل سے گزرتا ہے وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ اللہ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں، بالخصوص آج کا انسان جو کہ جانتا ہے کہ ایک نطفہ اور جرثومہ میں باری تعالیٰ نے تمام انسانی خواص چھپا رکھے ہیں۔ یہ معلومات رکھنے والا انسان کیسے فناء کے بعد دوسری زندگی کا انکار کر سکتا ہے۔

- ...... کچھ لوگ تو واضح طور پر گمراہ ہیں۔ (۸۔۱۰) اور کچھ ایسے ہیں جو مذبذب ہیں، اگر انہیں کچھ دنیوی فائدہ حاصل ہو تو عبادت میں لگے رہتے ہیں اور دین پر جمے رہتے ہیں اور اگر فائدہ کی بجائے کسی آزمائش کا سامنا کرنا پڑ جائے پیٹھ پھیر جاتے ہیں۔ (۱۱)

ان احمقوں نے گویا ایمان اور دین کو کرنسی سمجھ رکھا ہے جس کے کھرا یا کھوٹا ہونے کا فیصلہ وہ دنیوی نفع اور نقصان کے اعتبار سے کرتے ہیں۔

- ...... ملل اور مذاہب کا جائزہ لیا جائے تو انہیں چھ گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:
- ...... مسلمان، جو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں اور قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔
- ...... یہودی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے امتی، اصحاب تورات۔
- ...... عیسائی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امتی، اصحاب انجیل۔
- ...... صابی، کہا جاتا ہے کہ یہ فرقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھا، ستاروں کی عبادت کرتے تھے۔
- ...... مجوس، یہ کسی آسمانی مذہب کے پیروکار نہیں تھے، سورج، چاند اور آگ کی پرستش کرتے تھے۔
- ...... مشرک، بتوں کی پوجا پاٹ کرنے والے۔ ان میں سے پانچ فرقے شیطان کے ہیں اور صرف پہلا فرقہ رحمٰن کا ہے، ان فرقوں کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کیا جائے گا۔ (۱۷)
- ...... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے بیت اللہ کی تعمیر کی، اس کے بعد جبل ابی قیس

پر کھڑے ہو کر حج کا اعلان کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ اعلان ارض وسما میں رہنے والوں تک پہنچا دیا اور ہر کسی نے اسے سن لیا۔ حج اور شعائر حج کی مناسبت سے یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اللہ کے محارم کی تعظیم، ایمان کی علامات میں سے ہے، جیسے نیکیوں کے کرنے میں اجر عظیم ہے اسی طرح اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں اور اعمال سے بچنے میں بڑا ثواب ہے۔ (۳۰)

● ...... حقیقی مومنوں کی چار علامات ہیں: اللہ کا خوف اور مصائب پر صبر۔ نماز کی پابندی، نیک مصارف میں خرچ کرنا۔ (۳۵)

● ...... جانوروں کی قربانی کا حکم دینے کے بعد بتایا گیا ہے کہ ان کا خون اور گوشت اللہ تک نہیں پہنچتا بلکہ اللہ تک تو بندوں کا تقویٰ پہنچتا ہے (۳۷) جس کے دل میں تقویٰ ہوگا وہ گناہوں سے بچے گا اور نیک اعمال صرف اللہ کی رضا کے لیے کرے گا۔

● ...... مناسک حج کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کو جہاد وقتال کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ کفار مسلمانوں کو اللہ کے دین سے اور مکہ میں داخل ہونے سے روکتے تھے، ابتدا میں اگرچہ صبر اور عفو ودرگزر کی تلقین کی جاتی رہی۔ لیکن جب مدینہ میں مسلمانوں کے قدم جم گئے اور ان کی طرف سے تحمل وبرداشت کے رویہ کے باوجود مشرکین کی شرارتوں اور زیادتیوں کا سلسلہ جاری رہا تو اب انہیں سورۂ حج کی اس آیت (۳۹) کے ذریعے قتال کی اجازت دے دی گئی، متعدد صحابہ اور تابعین کی رائے یہ ہے کہ تقریباً ستر آیات میں ہاتھ روک کر رکھنے کی تلقین کے بعد یہ پہلی آیت تھی جس میں قتال کی اجازت دی گئی، ساتھ ہی جہاد کی حکمت بھی بیان کردی گئی وہ یہ کہ اگر اللہ جہاد کی اجازت نہ دیتا تو پھر دشمن خودسر ہوجاتے اور اہل کفر، مومنوں پر چھا جاتے، جس کی وجہ سے عبادت خانے ویران ہوجاتے لیکن جب انہیں اینٹ کا جواب پتھر سے ملنے کا ڈر ہوگا تو وہ اس اقدام سے پہلے سو بار سوچیں گے (افسوس کہ آج کفار کو مسلمانوں کی طرف سے نہ اقدام کا ڈر ہے نہ دفاع کا یقین ہے اس لیے وہ جنگلی درندوں کی طرح اسلامی ممالک میں دندناتے پھر رہے ہیں)۔

● ...... دوسرے انبیاء کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد بھی دعوت کا پہنچا دینا تھا، (۴۹) آپ اپنے مقصد بعثت کی تکمیل میں لگے رہے اور مشرکین تمسخر، انکار اور آپ کی دعوت میں شبہات پیدا کرنے کا کام کرتے رہے، ہر نبی کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا آیا ہے، دوسری طرف اللہ کا بھی دستور رہا ہے کہ وہ شیاطین کے پیدا کردہ وساوس اور شبہات کا ازالہ کرتا رہا ہے۔ (۵۲-۵۳)

(آج بھی اہل مغرب، زمانہ قدیم کے شیاطین کے طریقے کو زندہ رکھے ہوئے ہیں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے اسلامی عقائد اور تعلیمات میں وسوسہ انگیزی کرتے رہتے ہیں)

- ......قدرت الٰہیہ کے دلائل بیان کرنے اور کفار کے معبودان باطلہ کی تردید کے بعد دوبارہ تشریعی احکام کی طرف کلام کا رخ مڑ جاتا ہے اور اہل ایمان کو جہاد فی سبیل اللہ، اقامت صلوۃ اور ادائیگی زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے، انہی احکام پر سورۂ حج کا اختتام ہو جاتا ہے۔

پارہ 18

سورۃ المومنون...... پارہ ۱۸ کی ابتدا سورۃ المومنون سے ہو رہی ہے، یہ مکی سورت ہے، اس میں ۱۱۸ آیات اور ۶ رکوع ہے، اس سورت میں اصول دین سے بحث کی گئی ہے، سورت کی ابتدائی نو آیات میں مومنین کی سات ایسی صفات ذکر کی گئی ہیں جن کی وجہ سے وہ جنت الفردوس کے مستحق ہوں گے، وہ سات صفات درج ذیل ہیں:

- ......سچا ایمان جو کہ ریا اور نفاق سے پاک ہو۔
- ......نماز میں خشوع یعنی اللہ کے سامنے عاجزی اور خوف کے ساتھ کھڑے ہوں۔
- ......لغو سے اعراض، لغو ہر ایسے قول وفعل کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔
- ......کامل طریقے سے زکوۃ کی ادائیگی، گویا وہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھتے ہیں۔
- ......وہ زنا اور فحش کاموں سے اپنے آپ کو بچا کر رکھتے ہیں۔
- ......وہ امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں اور وعدے پورے کرتے ہیں۔
- ......نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، وقت کا بھی لحاظ رکھتے ہیں اور ارکان وآداب کی بھی رعایت کرتے ہیں۔

مومنین کی صفات بیان کرنے کے بعد خود انسان کی زندگی اور اس کی تخلیق کے مختلف مراحل میں ایمان کے جو دلائل پائے جاتے ہیں وہ ذکر کیے گئے ہیں، قرآن نے شکم مادر میں انسانی وجود کے مراحل آج سے کئی سو سال پہلے اس وقت بیان کیے تھے، جب کہ عرب وعجم کے حکماء میں سے کوئی بھی ان مراحل کے بارے میں لب کشائی کی جرأت نہیں پاتا تھا۔ آج کی جدید سائنس اور میڈیکل تحقیقات بھی ان مراحل کی تصدیق کرتی ہیں۔ انسان کے وجود میں دلائل ایمان بیان کرنے کے بعد تین قسم کے تکوینی دلائل بیان کیے گئے ہیں:

① ......ساتوں آسمانوں اور ان کے اندر جو عجیب مخلوقات ہیں ان کی تخلیق۔

② ......بارش کا برسانا اور اس کے ذریعے مختلف غلہ جات اور پھلوں کا اگانا۔

(۳)..... چوپایوں اوران کے اندر دودھ، گوشت، اون، سواری اور بار برداری جیسے منافع کا پیدا کرنا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کے دلائل ذکر کرنے کے بعد اب سورت منتقل ہوجاتی ہے بعض انبیاء علیہم السلام کے قصص کی طرف، اس سلسلہ میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کے قصے بیان کیے گئے ہیں۔ (۳۳۔۵۰) ان تمام انبیاء کی ایک ہی دعوت، ایک ہی پروگرام اور ایک ہی مقصد تھا، یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ سب کے سب ایک ہی زمانے اور ایک ہی ملک میں مبعوث ہوئے تھے۔ لیکن ان انبیاء کے جانے کے بعد ان کے امتی مختلف فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہوگئے، ہر گروہ اپنی کھال میں مست اور خیالات پر خوش تھا۔ کیسے کہا جائے کہ آج مسلمان بھی اسی صورتحال سے دوچار ہیں، قرآن بھی ایک، نبی بھی ایک، قبلہ بھی ایک لیکن مسلمان ایک نہیں، بھانت بھانت کی بولیاں، تکفیر و تفسیق کے فتوے، باہم جدل و نزاع۔

ان اختلافات کے حل کی ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ ہر فرقہ کتاب و سنت کے سامنے گردن تسلیم خم کردے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو باہم جدل و نزاع میں مصروف ہیں اور ان کے دل غفلت اور جہالت میں پڑے ہوئے ہیں تو دوسری طرف اللہ کے وہ نیک بندے ہیں جو آپس میں محبت کرتے ہیں، ان کے دل بیدار اور ہدایت کے نور سے منور ہیں، ان لوگوں کے اندر چار نمایاں صفات پائی جاتی ہیں:

پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

دوسری صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کی تکوینی اور تشریعی آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔

تیسری یہ کہ وہ ریا سے بچتے ہیں اور ہر عمل خالص اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔

چوتھی یہ کہ انہیں احسان کی صفت حاصل ہوتی ہے یعنی نیک اعمال کرنے کے باوجود ڈرتے رہتے ہیں کہ پتہ نہیں ہمارے اللہ کے ہاں یہ قبول بھی ہو رہے ہیں یا نہیں (۵۷۔۶۱)

ان مخلص مومنوں کے مقابلے میں وہ حرمان نصیب بھی ہیں جو قرآن اور صاحب قرآن کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کے استہزاء اور سرکشی کے تین بڑے اسباب قرآن نے بیان کیے ہیں:

پہلا یہ کہ وہ عقلوں کو استعمال نہیں کرتے بلکہ قرآن میں غور و تدبر کیے بغیر استہزاء اور انکار کرنے لگتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ وہ محض ضد اور عناد کی بنا پر اللہ کے رسول کو جھٹلاتے ہیں ورنہ ایسا نہیں کہ وہ آپ کو پہچانتے نہ ہوں۔ وہ آپ کی صداقت و امانت، حسب نسب اور شخصیت کو خوب اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتے۔

تیسرا سبب سوالیہ انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ کیا انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں (معاذ اللہ) کوئی جنون کے آثار دکھائی دیتے ہیں؟ یقیناً ان میں سے بعض آپ کی طرف جنون کی نسبت کرتے تھے لیکن ان کی تکذیب کا اصلی سبب یہ نہیں ہے کہ وہ آپ کو معاذ اللہ مجنون سمجھتے ہیں بلکہ حقیقی سبب یہ ہے کہ وہ حق کو ناپسند کرتے ہیں، اور حق کو اپنی خواہشات کو تابع دیکھنا چاہتے ہیں حالانکہ اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہوتا تو نظام کائنات میں خلل واقع ہو جاتا۔ (۶۸-۷۱)

توحید کے اثبار اور شرک کی تردید کے بعد سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن انسان دو فریقوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ سعداء (نیک بخت) اور اشقیاء (بد بخت) سعداء کا اعمال نامہ بھاری ہوگا اور اشقیاء کا اعمال نامہ ہلکا ہوگا۔ وہاں تعلقات کام نہیں آئیں گے، کفار دنیا میں لوٹنے کی تمنا کریں گے، ظاہر ہے کہ ان کی تمنا پوری نہیں ہوگی، انہیں یاد کرایا جائے گا کہ وہ اہل ایمان کا دنیا میں مذاق اڑایا کرتے تھے آج ان کے لیے خسارہ کے سوا کچھ نہیں، پھر ان سے ''پوچھے گا کہ تم زمین میں کتنے برس رہے وہ کہیں گے کہ ہم ایک روز یا ایک روز سے بھی کم رہے تھے شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے۔ اللہ فرمائے گا کہ وہاں تم بہت ہی کم رہے کاش! تم جانتے ہوتے'' یعنی اگر تمہارے پاس کچھ عقل وفہم ہوتا تو تم جان لیتے کہ دنیا حقیر اور قلیل ہے، ان سے اس سوال کا مقصد انہیں حسرت میں مبتلا کرنا اور آخرت کی لامحدود زندگی کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کی حقارت کو بیان کرنا ہے، اس دن انہیں خود بھی دنیاوی زندگی کی خست اور محدودیت کا احساس ہوگا، ابن کثیر میں ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سامنے خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جب اہل جنت کو جنت میں اور اہل جہنم کو جہنم میں داخل کر دے گا تو سوال کرے گا کہ اے اہل جنت! تم زمین پر کتنے سال رہے ہو، وہ عرض کریں گے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تمہیں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ جو ملا تو تم نے اس میں بہت اچھی تجارت کی کہ میری رحمت، میری رضا اور میری جنت کو خرید لیا اب تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں رہو، پھر اہل دوزخ سے سوال کیا جائے گا کہ تم دنیا میں کتنے سال رہے وہ بھی وہی جواب دیں گے جو اہل جنت نے دیا تھا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تمہیں دنیا میں جو رہنے کا موقع ملا تو تم نے اس میں بہت بری تجارت کی کہ میری آگ اور ناراضگی کو خرید لیا اب تم دائمی طور پر اسی میں پڑے رہو۔''

آخری آیت میں اللہ نے اپنے نبی کے واسطہ سے گویا تمام انسانوں کو سکھایا ہے کہ مجھ سے یہ دعا مانگا کرو: ''اے میرے رب! مجھے معاف فرما دے اور مجھ پر رحم فرما اور تو سب رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

سورۃ النور..... سورۂ نور مدنی ہے اس میں ۶۴ آیات اور ۹ رکوع ہیں، اسے سورہ نور ایک تو اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں ''نور'' کا لفظ آیا ہے ''اللہ نور السموت والارض'' دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں ایسے آداب وفضائل اور احکام وقواعد بیان کیے گئے ہیں جو اجتماعی زندگی کی راہ کو منور اور روشن کر دیتے ہیں، اس سورت میں زیادہ تر ایسے احکام مذکور ہیں، جو عفت وعصمت سے تعلق رکھتے ہیں، اسی لیے یہ سورت عورتوں کو سکھانے کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے، حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اپنے مردوں کو سورۂ مائدہ اور اپنی عورتوں کو سورۃ النساء سکھاؤ۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہ سورت خواتین کو سکھانے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے عفت وعصمت، گھریلو اور معاشرتی زندگی کی اصلاح کے لیے جو احکام بیان کیے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

احکام وآداب..... پہلا اور دوسرا حکم زنا کی سزا اور زانیوں کا حکم بیان کرنے کے بارے میں ہے، زانی مرد اور عورت اگر غیر شادی شدہ ہوں تو ان کی سزا سو کوڑے ہیں جو کہ قرآن میں مذکور ہے اور اگر شادی شدہ ہوں تو ان کی سزا رجم ہے جو کہ متواتر احادیث میں بیان ہوئی ہے، زانیوں کے بارے میں ایک عمومی رویہ بتایا گیا ہے کہ انہیں شریک زندگی بنانے کے لے وہی لوگ آمادہ ہوتے ہیں جو خود بھی زانی اور بدکار ہوتے ہیں۔

تیسرا حکم حد قذف کا ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی عاقل بالغ پاکدامن مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو اسے اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔ (۴۔۵)

چوتھا حکم لعان کا ہے جو کہ میاں بیوی کے ساتھ خاص ہے، اگر شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگائے مگر اس کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو وہ دونوں ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور پھر ان کے درمیان جدائی کر دی جائے گی۔

پانچویں حکم کے طور پر قصہ افک بیان کیا گیا ہے، افک کا معنی ہے جھوٹ اور بہتان، یہ حکم اس وقت نازل ہوا جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر بعض منافقین نے بہتان لگایا، یہ بہت بڑا بہتان تھا جو بہت بڑی ہستی یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اور مسلمانوں کی روحانی ماں پر لگایا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے دس آیات میں اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے، ان آیات میں منافقوں کی مذمت ہے، مسلمانوں کی تنبیہ ہے کہ آئندہ کبھی اس قسم کی بہتان تراشی میں حصہ دار نہ بنیں اور حرم نبوت کی عفت وعصمت کا اعلان فرمایا گیا، تاریخ انسانی میں ایسا پہلی بار ہوا کہ کسی شخصیت کی

پاکدامنی کا اعلان بذریعہ وحی کیا گیا، اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ (۱۱۔۱۲)

چھٹا حکم گھر میں داخل ہونے کی اجازت اور آداب کے بارے میں ہے، فرمایا گیا کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہوا کرو، مستحب یہ ہے کہ اجازت سے قبل سلام کرلیا جائے۔ (۲۷۔۲۹)

ساتواں حکم ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو یہ دیا گیا ہے کہ وہ اپنی نظریں جھکا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، عورتوں کو اپنے شوہروں، اپنے والد، سسر، حقیقی بیٹوں، شوہر کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، عورتوں، لونڈیوں، ان طفیلی مردوں جو عورتوں کی طرف توجہ نہ رکھتے ہوں، اسی طرح ان بچوں کے سامنے جو خواتین کی پردے کی باتوں سے واقف نہ ہوں، اپنی زینت ظاہر کرنے کی اجازت دی گئی ہے، ان کے علاوہ کسی کے سامنے اپنی زینت ظاہر کرنے کی اجازت نہیں۔ (۳۱)

آٹھواں حکم یہ دیا گیا ہے کہ ایسے آزاد مرد اور عورتیں یا غلام جو حقوق زوجیت ادا کر سکتے ہوں ان کا نکاح کروادو، یونہی لونڈیوں کے نکاح کی بھی ترغیب دی گئی ہے، اصل میں اسلام، زنا کو کسی طور بھی برداشت نہیں کرتا اور زنا کا اس وقت تک سد باب نہیں ہوسکتا جب تک کہ نکاح کو آسان نہ کیا جائے، اسلام نے نکاح کو آسان بھی کیا ہے اور اس کی ترغیب بھی دی ہے۔ (۳۲)

نواں حکم لونڈیوں اور غلاموں کے بارے میں ہے، اسلام کی روشنی دنیا میں پھیلنے سے پہلے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا رواج تھا، اور اس لاوارث اور بے سہارا طبقے پر بے پناہ ظلم کیا جاتا تھا، اسلام نے اس رواج میں انقلابی اصلاحات کیں، ان پر ظلم کا دروازہ قطعی طور پر بند کردیا، دوسرے انسانوں کی طرح ان کے لیے بھی حقوق مقرر کے انہیں آزاد کرنا اللہ کی رضا کا سبب بتایا، مختلف گناہوں کے کفارہ کے طور پر بھی انہیں آزاد کرنے کا حکم دیا، ایک اہم ہدایت یہ کی کہ جو غلام یا لونڈی کچھ روپیہ پیسہ ادا کرکے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہوں اس کے ساتھ یہ معاہدہ کرلیا کرو، اس معاہدے کو اصطلاح میں ''مکاتبت'' کہا جاتا ہے۔

دسواں حکم اصل میں زمانہ جاہلیت کے ایک قطعی حرام ذریعہ معاش کی تردید کے لیے ہے، نزول قرآن سے قبل بعض ظلم پیشہ اور حریص لوگوں نے لونڈیاں رکھی ہوئی تھیں جنہیں اجرت کے بدلے زنا پر مجبور کرتے تھے، عبداللہ ابن ابی جیسا ''چوہدری'' جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت مدینہ سے پہلے مدینہ کا ''بے تاج بادشاہ'' بنانے کی تیاریاں مکمل ہوچکی تھیں اس نے بھی ایسی لونڈیاں پال رکھی تھیں، یہاں ایسا کرنے سے منع کیا گیا، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر وہ بخوشی زنا پر آمادہ ہوں تو پھر جائز ہے، ناجائز اور حرام تو دونوں صورتوں میں ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے

کہ جب وہ لونڈی ہونے کے باوجود اس فعل سے نفرت کرتی ہیں تو تم جو کہ آزاد ہو تمہیں تو بطریق اولیٰ اس سے نفرت کرنی چاہیے۔ (۳۳)

یہ دس احکام وآداب بیان کرنے کے بعد عقیدہ وایمان اور نور حق کا بیان ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مخلوق کو ہدایت دیتا ہے، بات کو واضح کرنے کے لیے یہاں تین مثالیں ذکر کی گئی ہیں اور یہ قرآن کا ایک خاص انداز ہے کہ معانی کی وضاحت کے لیے حسی مثالیں پیش کرتا ہے، ان میں سے پہلی مثال اہل یقین وایمان کے لیے ہے دوسری اور تیسری مثال اہل باطل کے لیے ہے، پہلی مثال میں مومن کے دل میں جو نور ہوتا ہے اسے اس چراغ کے نور کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو صاف شفاف شیشے سے بنی ہوئی کسی قندیل میں ہو اور اس قندیل کو کسی طاقچے میں رکھ دیا جائے تاکہ اس کا نور معین جہت ہی میں رہے جہاں اس کی ضرورت ہے، اس چراغ میں جو تیل استعمال ہوا ہے وہ تیل زیتون کے مخصوص درخت سے حاصل شدہ ہے اس تیل میں ایسی چمک ہے کہ بغیر آگ دکھائے ہی چمکتا دکھائی دیتا ہے۔ (۳۵)

یہی حال مومن کے دل کا ہے کہ وہ حصول علم سے قبل ہی ہدایت پر عمل پیرا ہوتا ہے پھر جب علم آجائے تو نور علی نور کی صورت ہو جاتی ہے، یحییٰ بن سلام رحمہ اللہ کا قول ہے کہ: ”مومن کا دل حق کو بیان کیے جانے سے پہلے ہی حق کو پہچان رہا ہوتا ہے کیونکہ اس کا دل پہلے ہی سے حق کے موافق ہوتا ہے۔“

اہل باطل کے لیے جو دو مثالیں بیان فرمائی ہیں، ان میں سے پہلی مثال ان کے اعمال کی ہے جنہیں وہ اچھا سمجھتے تھے، ارشاد ہوتا ہے کہ ان کے اعما کے مثال سراب جیسی ہے، جیسے پیاسا شخص دور سے سراب کو پانی سمجھ بیٹھتا ہے لیکن جب قریب آتا ہے تو وہاں پانی کا نام ونشان بھی نہیں ہوتا، یہی حال کافر کا ہے کہ وہ اپنے اعمال کو نافع سمجھتا ہے لیکن جب موت کے بعد اللہ کے سامنے پیش ہوگا تو وہاں کچھ بھی نہیں ہوگا، اس کے اعمال غبار بن کر اڑ چکے ہوں گے۔ (۳۹)

دوسری مثال میں ان کے عقائد کو سمندر کی تہ بہ تہ تاریکیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جہاں انسان کو اور تو اور اپنا ہاتھ تک دکھائی نہیں دیتا، یہی حال کافر کا ہے جو کفر اور ضلالت کی تاریکیوں میں سرگرداں رہتا ہے۔ (۴۰)

اہل حق اور اہل باطل کی مثالیں بیان کرنے کے بعد عالم بالا اور عالم اسفل میں رات اور دن کے ہیر پھیر، بارش برسانے، ارض وسما کی تخلیق، پرندوں کی اڑان، اور مختلف قسم کے چوپایوں کو پیدا کرنے کی صورت میں اللہ کے وجود اور توحید کے جو دلائل ہیں ان کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ (۴۱-۴۵)

دلائل توحید کے بعد منافقین اور مومنین دو گروہوں کا تقابلی تذکرہ ہے، منافق ایمان اور

اطاعت کے جھوٹے دعوے کرتے ہیں لیکن جب عملی زندگی میں کوئی ایسا مرحلہ پیش آتا ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول کی بات ماننے میں ان کا ذاتی نقصان ہوتا ہے تو وہ اعراض کرتے ہیں جب کہ مومن ہر حال میں اطاعت پر آمادہ رہتے ہیں، سچے مومنوں کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا کہ انہیں زمین پر خلافت عطا کرے گا، اللہ نے اپنا یہ وعدہ پورا کر دکھایا، مسلمانوں کو جزیرۃ العرب پر غلبہ حاصل ہوا، مشرق و مغرب کے ممالک ان کے زیرنگیں آ گئے اور انہوں نے فارس اور روم جیسی مضبوط سلطنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ (۴۷۔۵۵)

توحید کے دلائل، منافقوں اور مومنوں کے تقابل اور وعدہ خلافت کے بعد اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے تین مزید احکام بیان کیے گئے ہیں:

پہلا حکم چھوٹے بچوں اور گھر میں رہنے والے غلاموں اور لونڈیوں کے بارے میں ہے کہ وہ نماز فجر سے پہلے دوپہر کے قیلولہ کے وقت اور نماز عشاء کے بعد اگر تمہارے خلوت والے کمرے میں داخل ہوں تو اجازت لے کر داخل ہوں؟ کیونکہ ان تین اوقات میں عام طور پر عمومی استعمال کا لباس اتار کر نیند کا لباس پہن لیا جاتا ہے۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ بچے جب بالغ ہو جائیں تو دوسرے بالغ افراد کی طرح ان پر بھی لازم ہے کہ وہ جب بھی گھر میں آئیں تو اجازت لے کر یا کسی بھی طریقے سے اپنی آمد کی اطلاع دے کر آئیں، مثال کے طور پر کھانس کر یا پاؤں کی آہٹ پیدا کر کے۔

تیسرا حکم ان عورتوں کے بارے میں ہے جو بہت بوڑھی ہو جائیں اور نکاح کی عمر سے گزر جائیں کہ وہ اگر پردہ کے ظاہری کپڑے اتار دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ گزشتہ دس احکام کے ساتھ ملا کر کل تیرہ احکام و آداب مذکور ہو چکے ہیں۔

چودہواں ادب یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کیا کرو۔

پندرہواں ادب یہ ہے کہ جب تم کسی اجتماعی مشورہ وغیرہ کے سلسلہ میں مجلس میں بیٹھے ہو تو اجازت کے بغیر مجلس سے نہ اٹھا کرو۔

سولہواں ادب یہ ہے کہ اللہ کے رسول کو ایسے نہ پکارا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ کہ سورت کا اختتام اس بات پر ہوا ہے کہ یہ ساری کائنات اللہ کی قدرت اور علم کے ماتحت ہے اللہ سب کے حالات اور اعمال جانتا ہے، قیامت کے دن ہر کسی کو اس کے اعمال کے بارے میں بتا دیا جائے گا۔

پارہ 19

سورۃ الفرقان......سورۂ فرقان مکی ہے اس میں ۷۷ آیات اور ٦ رکوع ہیں، اس سورت کے پہلے دو رکوع اٹھارہویں پارہ کے آخر میں گزر چکے ہیں، اس سورت کی ابتدا قرآن عظیم کے ذکر سے ہوئی ہے جس کے بارے میں مشرکین مختلف قسم کے اعتراضات اٹھاتے اور اس کی آیات کو جھٹلاتے تھے، ایک گروہ اسے گزشتہ قوموں کے قصے اور کہانیاں قرار دیتا تھا، دوسرا گروہ اسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا افتراء اور ایسی تخلیق کہتا تھا جس میں اہل کتاب نے آپ کے ساتھ تعاون کیا تھا، تیسرے گروہ کے خیال میں یہ واضح جادو تھا۔ (١-٦)

قرآن کے بعد صاحب قرآن یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے، ضدی اور معاند لوگ آپ کی تکذیب کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ رسول، بشر نہیں بلکہ فرشتہ ہوتا ہے اور اگر بالفرض انسانوں میں سے کسی کو نبوت ورسالت ملے بھی تو وہ دنیاوی اعتبار سے خوشحال اور سربرآوردہ لوگوں کو ملتی ہے، کسی غریب اور یتیم کو ہرگز نہیں مل سکتی۔ (۷-۹)

اللہ تعالیٰ نے ان کی خام خیالیوں اور باطل دعووں کی تردید واضح دلائل سے کی ہے۔

انیسویں پارہ کا آغاز بھی مشرکین کے دعووں، اعتراضات اور لایعنی قسم کے مطالبات سے ہوتا ہے، مثال کے طور پر وہ بعض اوقات کہتے تھے کہ ''ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے جاتے یا (ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ) ہم اپنے پروردگار کو دیکھ لیں۔'' (٢١)

اس کے جواب میں فرمایا گیا فرشتوں کو یہ اس وقت دیکھ پائیں گے جب وہ ان کی روحیں قبض کرنے کے لیے آئیں گے اور جب یہ فرشتوں کو دیکھ لیں گے تو ان کے لیے کوئی خوشخبری نہیں ہوگی۔ چونکہ قبولیت اعمال کی بنیادی شرط یعنی ایمان سے یہ خالی ہیں اس لیے قیامت کے دن ان کے اعمال بھی کسی کام نہیں آئیں گے اور وہ خاک بن کر اڑ جائیں گے، وہ دن ان کے لیے بڑا سخت ثابت ہوگا، یہ ندامت کی وجہ سے اپنے ہاتھوں کو کاٹیں گے اور کہیں گے کہ اے کاش! ہم نے پیغمبر کا راستہ اختیار کیا ہوتا، اس دن اللہ کا رسول، اللہ کے حضور شکایت کرے گا کہ اے

میرے رب! میری قوم نے قرآن چھوڑ دیا تھا، امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کو چھوڑنے کی کئی صورتیں ہیں:

پہلی یہ کہ قرآن کو سنے، نہ اس پر ایمان لائے۔

دوسری صورت یہ کہ پڑھتا بھی ہو اور ایمان بھی رکھتا ہو لیکن اس پر عمل نہ کرتا ہو۔

تیسری یہ کہ زندگی کے معاملات اور تنازعات میں اسے حکم نہ بنائے۔

چوتھی یہ کہ اس کے معانی میں غور و تدبر نہ کرے۔

پانچویں یہ کہ قلبی امراض میں اس سے شفا حاصل نہ کرے۔

میرے محترم قارئین! اگلی سطریں پڑھنے سے پہلے کچھ دیر کے لیے رک جائیے اور چند لمحوں کے لیے اپنے بارے میں اور پھر پوری امت کے بارے میں بے لاگ فیصلہ کیجئے کہ آج ہم کس کس انداز میں قرآن کو چھوڑ چکے ہیں اور یہ بھی سوچیے کہ جب ہم مہلک روحانی اور اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہونے کے باوجود نہ پرہیز کرتے ہیں اور نہ وہ آسمانی دوا استعمال کرتے ہیں جس میں یقینی شفا ہے تو اس کا نتیجہ مزید بیماریوں میں مبتلا ہونے اور ہلاکت کے سوا کوئی نکل سکتا ہے۔ یقیناً نہیں اور ہرگز نہیں۔

مشرکین یہ اعتراض بھی اٹھاتے تھے کہ جیسے تورات اور انجیل یکبارگی نازل ہوگئیں یونہی قرآن بھی یکبار کیوں نہیں نازل ہوا۔ ظاہر ہے کہ تدریجاً قرآن نازل ہونے میں کئی حکمتیں پوشیدہ تھیں مثلاً اس کا حفظ کرنا، اس کے معانی کا سمجھنا، احکام کا ضبط کرنا اور عمل کرنا آسان تھا لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک حکمت بیان کی ہے وہ یہ کہ تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ کا قلب مبارک نور قرآن سے منور ہوتا رہے، اس کے حقائق اور علوم سے آپ کی روح کو غذا اور دل کو تقویت حاصل ہو، جاننے والے جانتے ہیں کہ یکا یک برسنے والی تیز بارش کھیتی کو تباہ کر دیتی ہے۔ لیکن مناسب وقت تک بتدریج برس کر زمین کے سوتوں میں جذب ہونے والی بارش سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ ان اعتراضات کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کی قوموں کا ذکر کیا گیا ہے علاوہ ازیں اللہ کی قدرت و وحدانیت کے دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ (۴۵۔۴۹)

اس سورت کے آخر میں ''عباد الرحمٰن'' (رحمٰن کے مخصوص بندوں) کی تیرہ صفات ذکر کی گئی ہیں یعنی

● ......تواضع،

- ......جاہلوں سے اعراض،
- ......راتوں کو نماز و عبادت،
- ......جہنم کے عذاب سے خوف،
- ......خرچ کرنے میں اعتدال، نہ فضول خرچی اور نہ ہی بخل،
- ......شرک سے مکمل اجتناب،
- ......قتل ناحق سے بچ کر رہنا،
- ......زنا اور بدکاری سے اپنے آپ کو بچا کر رکھنا،
- ......جھوٹی گواہی سے احتراز،
- ......گانے بجانے اور برائی کی مجالس سے پہلوتہی،
- ......اللہ کی کتاب سن کر متاثر ہونا اور اس سے فائدہ اٹھانا،
- ...... اللہ تعالیٰ سے نیک بیوی بچوں کی دعا اور یہ دعا کہ ہمیں ہادی اور مہتدی بنادیا جائے۔(۶۳۔۷۴)

آیئے قارئین! اگلی سورت کے مطالعہ سے قبل ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرلیں کہ اے رحیم وکریم تو محض اپنے فضل وکرم سے یہ تیرہ صفات ہمارے اندر پیدا فرما کر ہمیں بھی ''عباد الرحمٰن'' میں شامل فرمالے۔

سورۃ الشعراء......سورۂ شعراء مکی ہے، اس میں ۲۲۷ آیات اور ۱۱ رکوع ہیں، اس سورت کی ابتدا حروف مقطعات میں سے ''طسم'' کے ساتھ ہوئی ہے اور عمومی اسلوب کے مطابق اس کے فوراً بعد بندوں پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان جو کہ قرآن کی صورت میں ہے اس کا ذکر ہے۔ قرآن کے بارے میں ایک احساس ذمہ داری تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا جو کہ اس کے علوم و معارف اور احکام بدوں تک پہنچانے میں اپنی جان کو ہلکان کیے ہوئے تھے اور آپ کے دل میں انسانیت کی ہدایت کا ایسا درد تھا جو لگتا تھا کہ آپ کی جان ہی لے لے گا (۲۔۳)
دوسرا رویہ مخالفین کا تھا جن کے سامنے نصیحت اور ہدایت کی جو بھی بات آتی تھی اس سے اعراض کرنا ضروری سمجھتے تھے۔(۵۔۶)

اس کے بعد اس سورت میں متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے بیان کیے گئے ہیں، ان قصوں کی ابتدا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے ہوتی ہے، انہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرما کر فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا، آپ حکم باری کی تعمیل میں خدائی کے اس جھوٹے دعوے

دار کے دربار میں پہنچے، اس موقع پر فرعون اور آپ کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کی چند جھلکیاں اللہ نے سورۂ شعراء میں ذکر فرمائی ہیں، فرعون نے سب سے پہلے اپنے احسانات ذکر کیے کہ:

فرعون: میں نے تمہاری تربیت کی تھی۔

موسیٰ: تمہیں احسان جتلانے کا کیسے حق پہنچتا ہے جبکہ تم نے میری قوم کو غلام بنا رکھا ہے،

فرعون: نے قتل کا واقعہ یاد دلایا جو اتفاقاً آپ کے ہاتھوں ہو گیا تھا،

موسیٰ: میں نے عمداً قتل نہیں کیا تھا بلکہ غلطی اور خطا سے مجھ سے یہ فعل سرزد ہو گیا تھا،

فرعون: ''رب العالمین'' کیا چیز ہے

موسیٰ: ''رب العالمین'' وہ ہے جس نے ارض وسما کو پیدا کیا ہے، ان دونوں میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ تمہیں بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور تمہارے آباء کو بھی اسی نے پیدا کیا تھا، وہی مشرق سے سورج کو طلوع کرتا اور مغرب میں غروب کرتا ہے۔

فرعون اول فول بکتا رہا لیکن آپ نے ''رب العالمین'' کی تعریف اور تعارف تفصیل کے ساتھ ذکر کیا، پھر وہ دھمکیوں پر اتر آیا، آپ نے اسے معجزہ دکھانے کی پیشکش کی، اس کے کہنے پر آپ نے لاٹھی زمین پر ڈال دی جو کہ اژدہا بن گئی، ہاتھ کو کپڑے سے باہر نکالا تو وہ سورج کی طرح چمکنے لگا، اس کی چمک سے فرعون اور درباریوں کی آنکھیں چندھیا گئیں، اس معجزہ کو اس نے سحر پر محمول کیا اور آپ کو نیچا دکھانے کے لیے پورے مصر سے نامی گرامی ساحروں کو جمع کرلیا، مصریوں کے سالانہ جشن اور عید کے دن ایک بڑے میدان میں لاکھوں کے مجمع کے سامنے مقابلے کا آغاز ہوا۔ ساحروں کی ڈالی ہوئی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑتے ہوئے سانپ محسوس ہونے لگیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ سارے سانپوں کو ہڑپ کرگئی، میدان صاف ہو گیا، ساحر حقیقت سمجھ گئے فوراً ''رب العالمین'' کے سامنے سجدے میں گر کر انہوں نے ایمان قبول کرلیا۔ فرعون کی مار دھاڑ کی دھمکیوں کے باوجود وہ ایمان پر جمے رہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے بنی اسرائیل کو رات کی تاریکی میں مصر سے لے کر نکل گئے، صبح ہوئی تو فرعون نے لاکھوں کا لشکر لے کر تعاقب کیا، بالآخر دریا کے کنارے بنی اسرائیل کو جالیا، دریا میں راستے بن گئے جن سے گزر کر بنی اسرائیل نجات پا گئے اور فرعون لاؤلشکر سمیت غرق ہو گیا، اس قصہ سے سبق ملا کہ بالآخر اہل حق کامیاب ہوتے ہیں اور ظالموں کا مقدر ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔ (۱۰۔۲۸)

دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیان ہوا ہے جن کے والد آزر اور قوم بتوں کی عبادت کرتی تھی، آپ نے ان کو بڑی حکمت کے ساتھ ایمان وتوحید کی دعوت دی، اس پر پانچ

دلائل اور اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات بیان کیں۔

① ...... وہ میرا خالق و ہادی ہے۔ ② ...... وہ رازق ہے۔

③ ...... وہ بیماریوں سے شفا دیتا ہے۔ ④ ...... وہی موت دے گا، وہی زندہ کرے گا۔

⑤ ...... وہ دنیا و آخرت میں گناہ معاف کرنے والا ہے۔

ان پانچ صفات کے مقابلے میں پانچ دعائیں بھی کیں جو کمال ایمان اور صدق یقین کی نشاندہی کرتی ہیں:

- ...... اے اللہ مجھے فہم و علم عطا فرما۔
- ...... لوگوں میں میرا اچھا ذکر جاری فرما۔
- ...... مجھے جنت میں جگہ عنایت فرما۔
- ...... میرے والد کو معاف کر دے (یہ دعا اس وقت کی تھی جبکہ والد کا کفر پر اصرار آپ کے سامنے واضح نہیں ہوا تھا)
- ...... مجھے آخرت میں رسوا نہ فرمانا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے ہمیں یہ سبق ملا کہ انسان کو ہر حال میں اللہ ہی کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ (۶۹۔۱۰۴)

تیسرا قصہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہے جنہوں نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال ایمان کی دعوت دی، لیکن وہ مان کر نہ دیئے۔ چنانچہ ان سب کو غرق کر دیا گیا، اس قصے سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہدایت اسی کو ملتی ہے جسے اللہ چاہے۔ (۱۰۵۔۱۲۲)

چوتھا قصہ حضرت ہود علیہ السلام کا ہے جو قوم عاد کے نبی تھے، یہ لوگ جسمانی قوت، عمر کی طوالت اور خوش حالی کے اعتبار سے دنیا کی ایک نمایاں قوم تھی، انہوں نے بغیر ضرورت کے بڑے بڑے محلات تعمیر کر رکھے تھے، انہوں نے بھی ایمان کی دعوت کو ٹھکرا دیا، چنانچہ ان پر اللہ کا عذاب آ کر رہا، ان کے قصے سے یہ نصیحت ملی کہ فضول خرچی، نمود و نمائش، بلا ضرورت تعمیرات اور تکبر کا انجام کبھی بھی اچھا نہیں ہوتا۔ (۱۲۳۔۱۴۰)

پانچواں قصہ حضرت صالح علیہ السلام کا ہے، انکی قوم کو مادی وسائل، رزق کی فراوانی اور امن و تحفظ حاصل تھا، سرسبز باغات اور بارونق زمینوں میں آباد تھے لیکن انہوں نے اللہ کی نعمتوں کا شکر نہ کیا۔ چنانچہ ان کو زلزلے کے ذریعے ہلاک کر دیا گیا۔ ہر ناشکری قوم کا انجام یہی ہوتا ہے۔ (۱۴۱۔۱۵۹)

چھٹا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جن کی قوم فسق و فجور، شہوت پرستی اور بدکاری میں حد سے بڑھ گئی تھی، وہ ایسا عمل کرتے تھے جو ان سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا جس سے حیوان بھی نفرت کرتے ہیں، ان پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسی اور ان کا نام و نشان مٹ گیا۔ اللہ تعالی

دوسرے قصوں کی طرح اس قصے کے آخر میں بھی فرماتے ہیں: ”بے شک اس میں نشانی ہے، ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔“

نشانی اور عبرت یہی ہے کہ نفسانی خواہشات کی تکمیل میں حد سے تجاوز کرنے والی قوم اور فرد کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ (۱۶۰۔۱۷۵)

ساتواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے، ان کی قوم کو اللہ نے مختلف نعمتیں عطا فرمائی تھیں، گھنے جنگلات تھے، ثمر بار باغات تھے، میٹھے پانی کے چشمے تھے لیکن یہ اللہ کی نافرمانی میں مبتلا ہو گئے، ان کے مختلف معاصی میں سے ایک بڑی معصیت یہ تھی کہ وہ حقوق العباد کی ادائیگی میں ڈنڈی مارتے تھے، جب سمجھانے کے باوجود باز نہ آئے تو اللہ نے ان کو عذاب دینے کا فیصلہ کیا۔ کئی دن تک سخت گرمی رہی پھر بادل چھا گئے، یہ لوگ ٹھنڈک کے حصول کے لیے بادل کے نیچے جمع ہو گئے، بادلوں سے آگ برسنے لگی، زمین پر زلزلہ طاری ہو گیا اور یہ دیکھتے ہی دیکھتے کوئلہ بن کر رہ گئے۔ (۱۷۶۔۱۹۱)

قوم شعیب کا واقعہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ حقوق العباد غصب کرنا اللہ کے عذاب اور غضب کو دعوت دینے والا عمل ہے۔ جیسے اس سورت کی ابتدا قرآن عظیم کے ذکر سے ہوئی تھی اسی طرح اس کا اختتام بھی قرآن کریم کے حوالے سے مشرکین کے باطل اعتراضات کی تردید سے ہو رہا ہے۔ (۲۲۷۔۲۲۱)

سورۃ النمل...... سورۂ نمل مکی ہے، اس میں ۹۳ آیات اور ۷ رکوع ہیں، اس کا آغاز حروف مقطعات میں سے (طس) سے ہو رہا ہے۔ نمل چیونٹی کو کہتے ہیں، چونکہ اس سورت میں چیونٹی کا قصہ بیان ہوا ہے اس لیے اس کا نام نمل ہے۔ سورۂ نمل کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ ان تین سورتوں میں سے ایک ہے جو جس ترتیب سے نازل ہوئیں اسی ترتیب سے قرآن کریم میں موجود ہیں۔ یعنی شعراء نمل اور قصص۔ حروف مقطعات والی دوسری سورتوں کی طرح اس کی ابتداء بھی قرآن کریم کی عظمت اور تعارف سے ہو رہی ہے، بتایا گیا کہ یہ ان لوگوں کے لیے کتاب ہدایت ہے جو اہل ایمان ہیں (۱۔۳)

اس کے بعد حضرت موسیٰ، حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم السلام کے قصہ اجمالی طور پر اور حضرت داؤد اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ قدرے تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ نے انسانوں، جنوں اور پرندوں کو مسخر کیا تھا اور وہ پرندوں کی زبان بھی جانتے تھے، ان کے جو حالات اللہ نے ذکر فرمائے ہیں ان کی چند جھلکیاں

درج ذیل ہیں:

• ......ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر اپنے لشکر کے ساتھ چیونٹیوں کی وادی کے پاس سے ہوا تو انہوں نے سنا کہ ایک چیونٹی دوسری چیونٹیوں سے کہہ رہی تھی کہ جلدی سے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ! کہیں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالے۔''

آپ نے اس کا کلام سن لیا، آپ مسکرائے اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ تو نے مجھے بہت سی نعمتیں عطا کی ہیں جن میں سے ایک نعمت پرندوں اور حیوانوں کی بولی سمجھنا بھی ہے۔ (۱۸۔۱۹)

• ......حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں مستقل حاضر باش پرندوں میں سے ایک پرندہ ہد ہد بھی تھا، اس نے ایک دن آپ کو ملکہ سبا اور اس کی قوم کے بارے میں اطلاع دی کہ وہ سورج کی عبادت کرتے ہیں، آپ نے خط بھیج کر ملکہ سبا کو اپنے دربار میں حاضر ہونے کے لیے کہا، ملکہ سبا کو اپنے مادی اسباب پر بڑا ناز تھا۔ لیکن جب اسنے حضرت سلیمان علیہ السلام کے محلات اور ان کا جدید ترین ساز و سامان دیکھا تو اسے اپنی قوت و طاقت ہیچ محسوس ہوئی۔ چنانچہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ (۲۰۔۴۴)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد اختصار کے ساتھ حضرت صالح اور حضرت لوط علیہما السلام کا قصہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو ایمان کی دعوت دی تو وہ دو حصوں میں تقسیم ہوگئی یعنی مومن اور کافر، کافروں میں نو لیڈر قسم کے سردار تھے جنہوں نے آپس میں قسمیں کھا کر یہ طے کیا تھا کہ ہم رات کو اچانک حملہ کر کے اللہ کے نبی کو قتل کر دیں گے۔ لیکن اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے ہی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی لپیٹ میں آ گئے اور ان کا نام لینے والا بھی کوئی باقی نہ رہا۔ (۴۵۔۵۳)

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی آنکھوں کے سامنے ایسا اندھیرا چھایا اور ان کے دل ایسے تاریک ہو گئے کہ وہ دنیا کی بدترین بدکاری کو اچھا سمجھنے لگے اور ان کی نظر میں وہ شخص مجرم ٹھہرتا جو اس برائی سے انہیں منع کرتا اور جو سر سے پاؤں تک اس گناہ کی نجاست میں غرق ہوتا، اسے وہ سمجھدار خیال کرتے۔ بالکل وہی صورت تھی جو آج کل ہمیں درپیش ہے، نیکی کی راہ پر چلنے والوں کو دقیانوسی اور نامعلوم کیا کچھ کہا جاتا ہے جبکہ برائی کا ساتھ دینے والوں کو ترقی پسند اور روشن خیال سمجھا جاتا ہے، جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تو ان کی بستیوں کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش بھی شروع ہوگئی، یوں وہ دنیا بھر کے لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بن گئے۔ (۵۴۔۵۹)

پارہ 20

بیسیوں پارہ کی ابتدا میں قدرت اور وحدانیت کے پانچ دلائل اور براہین ذکر کیے گئے ہیں اور پانچوں استفہامیہ انداز میں مذکور ہیں۔

برھان اول ...... کیا وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمان سے بارش برسا کر خوبصورت اور تر و تازہ باغات لہلہائے ہیں وہ بہتر ہے یا جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں وہ بہتر ہیں (٦٠)

برھان ثانی ...... وہ محسن حقیقی جس نے انسان کے لیے زمین کو باعث قرار بنایا ہے، اس کے سینے میں نہریں جاری کی ہیں، اس کی پشت پر بھاری پہاڑ رکھ دیئے ہیں اور میٹھے اور کھارے پانی کو خلط ملط ہونے سے بچانے کے لیے ان کے درمیان رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں۔ کیا اس محسن اور قادر ذات کو بتوں کی مثل ٹھہرانا کسی صورت بھی قرین انصاف ہے۔ (٦١)

برھان ثالث ...... مجبوری، مظلومیت، بیماری اور تکلیف کے وقت کسے پکارا جاتا ہے؟ رب العلمین کو یا بے جان اصنام کو؟ (٦٢)

برھان رابع ...... بر و بحر کی تاریکیوں میں راستہ کون دکھاتا ہے؟ بارش برسنے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں کون چلاتا ہے؟ رب کریم یا ہاتھوں سے گڑھی ہوئی مورتیاں؟ (٦٣)

برھان خامس ...... انسان کو ابتدا میں کس نے پیدا کیا تھا اور دوبارہ کون پیدا کرے گا؟ رب العلمین کے سوا کون ہے جس کا نام تم پیش کر سکو؟ (٦٤)

قرآن کا عمومی اسلوب یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت پر کائناتی مناظر اور نفس انسانی کے حقائق سے استدلال کرتا ہے، یوں وہ پوری کائنات کو بحث و مناظرہ کا میدان بنا دیتا ہے، یہاں تک کہ مخالف بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جو یہ سارے کام کر سکے۔ (٦٠۔٦٤)

عقیدۂ توحید کے بعد دوسری بنیادی مسئلہ جو مشرکین کی سمجھ میں نہیں آتا تھا وہ دوسری زندگی کا مسئلہ تھا، وہ کہتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ہم اور ہمارے آباء مٹی ہو جائیں تو ہمیں دوبارہ پیدا کر دیا جائے (۶۷)

ان کے لچر اور کھوکھلے اعتراض کے جواب میں اللہ نے اپنے نبی کو تسلی بھی دی اور مشرکین کو وعید بھی سنائی کہ جو کچھ پہلے مجرموں کے ساتھ ہوا وہ تمہارے ساتھ بھی ہوسکتا ہے، زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ ان کے ساتھ کیا ہوا، اس کے بعد قیامت کے بعض مناظر بیان کیے گئے ہیں (۸۳)

اور بتایا گیا ہے کہ یہ جہاں بس اس وقت تک باقی ہے جب تک صور نہیں پھونک دیا جاتا۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام پہلی بار صور پھونکیں گے تو ارض وسما کی ساری مخلوق پر خوف اور ہیبت طاری ہو جائے گی، دوسری بار صور پھونکیں گے تو کائنات کی ہر چیز کو موت آ جائے گی، جب تیسری بار صور پھونکیں گے تو سب قبروں سے زندہ اٹھ کھڑے ہوں گے، جیسے اس سورت کی ابتدا عظمت قرآن کے بیان سے ہوئی تھی یونہی اس کے اختتام پر بتایا جا رہا ہے کہ انسان کی سعادت یہ ہے کہ وہ اس کتاب مقدس کی تعلیمات کو مضبوطی سے تھام لے۔

سورۃ القصص......سورۂ قصص مکی ہے، اس میں ۸۸ آیات اور ۹ رکوع ہیں، اس سورت کا زیادہ تر حصہ فرعون کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو معاملہ پیش آیا اس کے بیان پر مشتمل ہے اس سورت کی ابتدا حروف مقطعات میں سے ''طسم'' کے ساتھ ہوئی ہے اور ان حروف کے متصل بعد قرآن کریم کی حقانیت کا بیان ہے، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کا آغاز ہو جاتا ہے، سورۂ قصص بتاتی ہے کہ فرعون مصر میں بڑا بن بیٹھا تھا، تکبر اور جور و جفا میں حد سے آگے بڑھ گیا تھا، اس نے آج کے سامراج اور استعمار کی طرح مصر والوں کو مختلف گروہوں اور طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا تا کہ اس کے اقتدار کو عوام کی منظم اجتماعی طاقت سے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو، بنی اسرائیل جو مصر کی بہت بڑی اقلیت بن چکے تھے، اس کے ظلم و ستم کا خصوصی ہدف تھے، پھر اللہ نے کمزوروں کو اٹھانے اور زیر دستوں کو بالا دست کرنے کا ارادہ کر لیا، انہی حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

آپ کی والدہ پریشان ہوگئیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ فرعون کے کارندوں کو اگر خبر ہوگئی تو وہ نومولود کو زندہ نہیں چھوڑیں گے، حکیم وخبیر رب نے ان کی رہنمائی کی، انہوں نے صندوق بنایا اس میں اپنے لخت جگر کو لٹا کر نیل کی لہروں کے حوالے کر دیا، پانی کے دوش پر تیرتے ہوئے صندوق کو فرعون کی خادماؤں میں سے ایک نے اٹھا کر اس کی اہلیہ حضرت آسیہ کی گود میں ڈالا، فرعون اس

معصوم بچے کو بھی ذبح کرنا چاہتا تھا لیکن رب العلمین کا فیصلہ کچھ اور تھا اور یقیناً ہوتا وہی ہے جو رب کا فیصلہ ہوتا ہے، انسان کی تدبیریں، سازشیں، منصوبے اور پروگرام دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، آسیہ نے کچھ اس انداز سے بات کی کہ اس شخص کا دل بھی پسیج گیا جس کے سینے میں لگتا تھا کہ دل نہیں پتھر کا ٹکڑا ہے۔

ادھر فرطِ غم کی وجہ سے بچے کی والدہ کا یہ حال ہوگیا کہ کسی پل سکون وقرار نہیں، تصور ہی تصور میں صندوق کو فرعونیوں کے ہاتھ لگتے اور بچے کے گلے سے خون کا فوارہ پھوٹتے دیکھتی ہیں لیکن رحیم وکریم اللہ نے اس کے اڑتے ہوئے دل کو قرار عطا فرمایا اور وعدہ کیا کہ بچے کو تمہاری ہی گود میں واپس لوٹا دیا جائے گا، یہ معجزہ کیسے ظاہر ہوگا؟ یہ ناممکن کیسے ممکن بنے گا؟ یہ سوچنا تمہارا نہیں ہمارا کام ہے، بھوکے بچے کو کئی دایوں نے دودھ پلانے کی کوشش کی لیکن وہ کسی کا بھی دودھ پینے پر راضی نہ ہوا، آپ کی بہن اجنبی بن کر یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اسی کے مشورہ پر بے قرار ماں کو بلایا گیا اور بطور دایہ کے بچے کو اسی گود میں ڈال دیا گیا جو گود اس کے لیے تڑپ رہی تھی فرعون نے اپنے خیال میں ایسا انتظام کیا تھا کہ کوئی اسرائیلی بچہ اپنی ماں کا دودھ بھی نہ پی سکے، اس سے پہلے ہی اسے تہ تیغ کر دیا جائے اور اللہ کا فیصلہ یہ تھا کہ وہ بچہ جسے اپنے وقت کے سب سے بڑے ظالم اقتدار کے لیے خطرہ بننا تھا اس کی پرورش، اسی اقتدار کے زیر سایہ اور صاحب اقتدار کے نان نفقہ سے ہو، پھر وہی ہو کر رہا جو سچے رب کا فیصلہ تھا، خدائی کے جھوٹے دعوے دار کی تدبیر ناکام ہو کر رہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جوانی کی حدود میں قدم رکھا تو آپ کے ہاتھوں قبطی کا خون ہوگیا، ایک مردِ وفا کے مشورہ پر آپ مصر سے نکل گئے اور مدین کی راہ لی، یہاں نہ جان نہ پہچان، نہ ٹھکانہ نہ ذریعہ معاش، دعا کے لیے اسی کے سامنے ہاتھ اٹھا دیے، جس نے زہریلے سانپ اور آدم خور بھیڑیے کے ہاتھوں پرورش کروائی تھی، کہا تو بس یہ کہ یارب! میں تیری عطا کا فقیر اور محتاج ہوں، آپ کی یہ دعا دریا بہ کوزہ کی مثال تھی۔

اس میں وہ سب کچھ آ گیا جس کا انسان محتاج ہوسکتا ہے سائے کا محتاج ہے تو دھوپ کا بھی محتاج ہے، بیداری کا محتاج ہے تو نیند کا بھی محتاج ہے۔ ایک درخت کے سائے تلے بیٹھے تھے کہ دو باحیا اور پردہ دار بچیاں بکریوں کو ہنکاتے ہوئے آ گئیں، ان کی بکریوں کو از راہِ احسان کنویں سے پانچ کھینچ کر پلا دیا، بچیاں سمجھ دار تھیں، اپنے والد حضرت شعیب علیہ السلام کے سامنے جا کر اس اجنبی مسافر کی قوت وطاقت اور امانت ودیانت کی تعریف کی۔ انہی میں سے ایک بچی کے ذریعے بلائے گئے، نہ صرف باعزت وراحت ٹھکانہ میسر آ گیا بلکہ چند شرائط کے تحت رشتے کی

بھی پیشکش ہوگئی، شادی کے بعد اہلیہ کو ساتھ لیے مصر واپس جا رہے تھے کہ ٹھٹھرتے ہوئے جنگل میں آگ بھڑکتے ہوئے دیکھی، آگ لینے کے لیے آگے بڑھے تو نبوت سے نواز دیے گئے، نبوت عطا کرنے والے نے عصا اور ید بیضا کا معجزہ دے کر اسی کے سامنے کلمہ حق کہنے کا حکم دیا جس نے اللہ کی زمین اللہ کے بندوں پر تنگ کر رکھی تھی اور جو اپنے سوا کسی کو بڑا ماننے کے لیے تیار نہ تھا، کلمہ حق کہہ دیا گیا۔ فرعون نے نہ ماننا تھا نہ مانا، اللہ نے اسے اٹھایا اور فوج کے پروں سمیت مادی ترقی کے اس سلوگن کو دریا کی طوفانی موجوں کے حوالے کر دیا۔ رہے نام اللہ کا!

یہ قصہ جس کے نمایاں کردار تین ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل اور فرعون! اور جس کا کچھ حصہ یہاں اور بقیہ جزئیات پورے قرآن میں مذکور ہیں اس قصے سے مجموعی طور پر بصیرتیں اور عبرتیں حاصل ہوتی ہیں وہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''قصص القرآن'' میں ذکر فرمائی ہیں ہم ان کا خلاصہ اپنے الفاظ میں افادۂ عام کے لیے تحریر کیے دیتے ہیں۔

① ...... اگر انسان مصائب و آلام پر صبر کرے تو دنیا اور آخرت میں اس کے اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

② ...... جو شخص اپنے معاملات میں اللہ پر بھروسہ رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ اس کو مشکلات ضرور آسان کر دیتا ہے۔

③ ...... جس کا معاملہ حق کے ساتھ عشق تک پہنچ جاتا ہے اس کے لیے باطل کی بڑی سے بڑی طاقت بھی ہیچ ہو کر رہ جاتی ہے۔

④ ...... اگر کوئی بندہ حق کا پرچم لے کر پوری استقامت کے ساتھ کھڑا ہو جائے تو دشمنوں ہی کے گروہ سے اس کی حمایتی پیدا کر دیے جاتے ہیں۔

⑤ ...... جس کے دل میں ایمان پیوست ہو جائے وہ ایمان کی خاطر سب کچھ یہاں تک کہ نقد جاں بھی لٹانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

⑥ ...... غلامی کا سب سے بڑا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہمت اور عزم کی روح سے انسان محروم ہو جاتا ہے (اسی لیے بنی اسرائیل نے ارض مقدس میں داخل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔

⑦ ...... وراثت زمین سی قوم کا حق ہے جو میدان جدوجہد میں ثابت قدم رہتی ہے۔

⑧ ...... باطل کی طاقت کتنی ہی زبردست کیوں نہ ہو، بالآخر اس کو نامرادی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

⑨ ...... اللہ کی عادت یہ ہے کہ جن قوموں کو ذلیل اور حقیر سمجھا جاتا ہے ایک دن آتا ہے کہ اللہ انہی کو زمین کا وارث بنا دیتا ہے۔

⑩ ...... جو شخص یا جماعت جان بوجھ کر قبول حق سے سرکشی کرے، اللہ اس سے قبول حق کی

استعداد چھین لیتا ہے۔ فرعون اور اس کے حواریوں کے ساتھ یہی ہوا۔

⑪ ...... یہ بہت بڑی گمراہی ہے کہ انسان کو حق کی اتباع کی بدولت کامیابی حاصل ہو جائے تو وہ خود ہی حق سے روگردانی شروع کر دے۔ بنی اسرائیل نے یہی کچھ کیا۔

⑫ ...... ایک بہت بڑی ضلالت یہ ہے کہ انسان حق کی اتباع کی بجائے حق کو اپنی خواہشات کے تابع کرنا شروع کر دے۔ یوم السبت میں شکار کی ممانعت کے باوجود اسرائیلی حیلہ بازی کرتے رہے۔

⑬ ...... کوئی حق کو قبول کرے یا نہ کرے، داعی کا فرض ہے کہ وہ فریضۂ دعوت ادا کرتا رہے۔ بعض اہل حق، سبت کی بے حرمتی سے آخر وقت تک منع کرتے رہے۔

⑭ ...... ظالم حکمران، قوم کی بدعملیوں کے نتیجے میں اس پر مسلط کیے جاتے ہیں۔

⑮ ...... اپنی قوم کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلانا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور فرعون کا انجام بیان کرنے کے بعد مختلف آیات میں اہل مکہ کو تنبیہ کی گئی ہے (۴۷)

اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کی تعریف کی گئی ہے (۵۲۔۵۵)

مشرکین کی جہالتوں اور حماقتوں کا ذکر ہے (۵۷)

دنیائے فانی کے مال و متاع سے دھوکہ کھانے سے بچنے کی تلقین ہے (۶۰،۶۱)

قیامت کے مناظر میں سے بعض مناظر کی منظر کشی ہے (۶۲۔۶۶)

اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اختیار کا بیان ہے۔ (۶۸)

ان مضامین کے بعد فرعون جیسے ایک دوسرے متکبر اور سرکش انسان کا تذکرہ ہے، اس کا نام قارون تھا، خاندانی اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قرابت دار تھا، اکثر علماء نے اسے آپ کا چچا زاد قرار دیا ہے۔ اپنے وقت کا ہی نہیں شاید آج کے بین الاقوامی سرمایہ داروں میں سے بھی سب سے بڑا سرمایہ دار! اس کے خزانے نہیں، خزانوں کی چابیاں اٹھانے کے لیے طاقتور مردوں کی ایک بڑی جماعت کی ضرورت پیش آئی تھی، دولت کی بہتات نے اسے خودسر اور مغرور بنا دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے سمجھایا کہ مال و دولت پر مت اتراؤ، اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا، اللہ نے جو کچھ دیا ہے اسے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے خرچ کرو، جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح تم بھی اللہ کے بندوں کے ساتھ احسان کرو، نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ ہی روپیہ پیسہ ناجائز مصارف میں خرچ کرو لیکن یہ ساری فہمائش اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی اور اس نے وہی جواب دیا جو ہر احمق، مغرور سرمایہ دار دیا کرتا ہے اس نے کہا: ”مجھے یہ مال میری دانش کے زور پر ملا ہے۔“ (۷۸)

حب دنیا میں ڈوبے ہوئے لوگ جب قارون کی شان وشوکت دیکھتے تھے تو ان کے منہ میں پانی آجاتا تھا اور وہ اسی جیسا بننے کی تمنا کرتے تھے، لیکن پھر یوں ہوا کہ اللہ نے اسے اس کے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا، عذاب الٰہی کی اس زندہ گرفت نے دنیا پرستوں کی آنکھیں کھول دیں اور انہوں نے اعتراف کیا کہ: ''اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا''

قارون کے واقعہ کے اختتام پر قرآن ایک ایسی نصیحت کرتا ہے جو ہر مسلمان کو اپنے پلے باندھ لینی چاہیے، ارشاد ہوتا ہے: ''آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں بڑا بننے اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور انجام تو پرہیز گاروں ہی کا ہے'' (۸۳)

(آج بڑا بننے کی بیماری عوام میں نہیں بلکہ خواص میں بھی عام ہو چکی ہے، جو لوگ اس بیماری میں مبتلا ہیں انہیں یہ آیت ہر وقت سامنے رکھنی چاہیے)۔

اس سورت کی آخری آیت میں ہے کہ: ''اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے، اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے''

فرعون جیسے بادشاہ اور قارون جیسے سرمایہ دار کا عبرتناک انجام اس دعویٰ کی دلیل ہے کہ: ''اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔''

سورۃ العنکبوت..... سورۂ عنکبوت مکی ہے اس میں ۶۹ آیات اور ۷ رکوع ہیں، اس سورت کے مضامین بھی دوسری مکی سورتوں جیسے ہیں اِس سورت کا موضوع ''سنت ابتلاء'' ہے یعنی اس زندگی میں ابتلائیں اور آزمائشیں ضرور آتی ہیں۔ مکی زندگی میں مسلمانوں کو طرح طرح کے مظالم اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا، جب جور و جفا کے بادل پیہم برس کر بھی نہ تھمتے تو بتقاضائے بشریت بعض لوگ گھبرا اٹھتے تھے، انہیں سمجھانے کے لیے فرمایا گیا کہ ایمان والوں کو آزمانا اللہ تعالیٰ کی پرانی سنت اور دستور ہے تاکہ سچے اور جھوٹے، مومن اور منافق میں امتیاز ہو جائے، صاحب ایمان بڑے بڑے حوادث کے سامنے استقامت دکھاتا ہے جبکہ زبانی کلامی ایمان کے دعوے کرنے والوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور ان میں سے بعض دنیوی تکلیفوں سے بچنے کے لیے معاذ اللہ مرتد ہو جاتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے: ''او بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، جب انہیں اللہ کی راہ میں کوئی ایذاء پہنچتی ہے تو لوگوں کی ایذاء کو یوں سمجھتے ہیں جیسے اللہ کا عذاب! اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے مدد پہنچے تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے، کیا اللہ نہیں جانتا جو کچھ اہل عالم کے سینوں میں ہے'' (۱۰)

ایمان والوں میں سے سب سے زیادہ اور سخت آزمائشیں اللہ کے نبیوں پر آئیں اس لیے اس سورت میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام کے قصے اجمالی طور پر ذکر کیے گئے ہیں تاکہ ایمان والے جان لیں کہ اہل حق پر ابتلائیں تو آتی ہیں لیکن یہ ابتلائیں دائمی نہیں ہوتیں، انجام کار اہل حق کو غلبہ نصیب ہوتا ہے اور ان کے مخالفین کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

سورت کے اختتام پر مشرکین کے بتوں کو ''عنکبوت'' (مکڑی) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ اس کا جالا از حد کمزور ہوتا ہے نہ سردی سے بچا سکتا ہے نہ گرمی سے اور نہ ہی تیز ہواؤں کا مقابلہ کر سکتا ہے، یونہی مشرکوں کے بت کمزور ہیں، نہ انہیں نقصان سے بچا سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

پارہ 21

سورۂ عنکبوت کا جو حصہ اکیسویں پارہ میں ہے، اس کے اہم مضامین درج ذیل ہیں:

①...... اکیسویں پارہ کی پہلی آیت جو کہ حقیقت میں عنکبوت کی آیت ۴۵ ہے اس میں کتاب اللہ کی تلاوت اور نماز کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے، نماز کا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ یہ بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔ (۴۵)

حقیقت وہی ہے جو حکیم وخبیر ذات نے بیان فرمائی ہے، جب شرائط وآداب کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز ادا کی جاتی ہے تو اس کے ثمرات ونتائج ضرور حاصل ہوتے ہیں، پھر وہ نمازی اور معاصی کے درمیان رکاوٹ بن جاتی ہے۔ امام ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز میں تین صفات پائی جاتی ہیں:

اخلاص، خشیت اور ذکر اللہ جو کہ قرآن ہے وہ اسے نیکی کا حکم بھی دیتا ہے اور منکرات سے روکتا بھی ہے، جس نماز کے اندر ان تینوں میں سے کوئی صفت بھی نہ پائی جائے وہ حقیقت میں نماز ہی نہیں۔ کوئی حرج نہیں اگر ہم کچھ دیر کے لیے رک کر اپنی نمازوں کا جائزہ لے لیں۔ اس جائزہ سے ہمارے لیے یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ ہماری نمازیں بے جان کیوں ہیں اور مسجدیں نمازیوں سے بھری ہونے کے باوجود گھروں اور بازاروں میں گناہوں کا سیلاب کیوں ٹھاٹھیں مار رہا ہے؟

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو نماز بھی پڑھتے ہیں، جھوٹ بھی بولتے ہیں، وعدہ خلافی بھی کرتے ہیں، ظلم اور لوٹ کھسوٹ کا بازار بھی گرم رکھتے ہیں، بے پردگی، بدنظری اور فحاشی میں بھی ملوث ہیں، ان کی گھر، بازار اور دکان کی زندگی دیکھ کر پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ نمازی ہیں۔ اصل میں وہ نماز اور اس کیا ثرات کو مسجد تک محدود رکھتے ہیں اور اپنی انفرادی، معاشرتی، اجتماعی، تجارتی، سیاسی اور اخلاقی زندگی کو نماز سے بالکل الگ تھلگ رکھتے ہیں۔

②...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی علامات میں سے ایک واضح علامت یہ ذکر کی

گئی ہے کہ آپ امی ہیں نہ پڑھنا جانتے ہیں اور نہ لکھنا جانتے ہیں، اگر لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے تو باطل پرست شک کرتے کہ شاید آپ نے پہلی کتابوں سے یہ علوم حاصل کر لیے ہیں۔ صداقت کی اس واضح اور زندہ دلیل کے باوجود منکرین اعتراض کرتے تھے کہ ہم جن معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں وہ آپ کے ہاتھوں کیوں نہیں ظاہر ہوتے، اللہ فرماتے ہیں کہ کیا قرآن کا معجزہ ان کے لیے کافی نہیں؟ (۵۱)

جس کی نظیر پیش کرنے سے ان کے فصحاء اور بلغاء عاجز آ گئے ہیں، قرآن تو معجزوں کا معجزہ ہے اس کی موجودگی میں کسی دوسرے معجزہ کا مطالبہ عناد اور جہالت کے سوا کچھ نہیں، ان کی جہالت کا تو یہ حال ہے کہ بسا اوقات وہ خود عذاب کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔ (۵۳۔۵۴)

قرآن کل بھی معجزہ تھا، آج بھی معجزہ ہے لیکن قرآن نے جو علمی اور سائنسی انکشافات کیے تھے، عرب کے بدو اور عجم کے دانشوران کے سمجھنے سے قاصر تھے مگر آج کا انسان انہیں آسانی سے سمجھ سکتا ہے اس لیے ناچیز کی رائے یہ ہے کہ انسانی معلومات اور تحقیقات میں جوں جوں اضافہ ہوتا جائے گا، قرآن کریم کی اعجازی شان اتنی ہی نمایاں ہوتی جائے گی۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کا معجزہ ہونا کل کے مقابلے میں آج زیادہ واضح ہے اور آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے ہوسکتا ہے کل کے عربوں کو تو قرآن کا معجزہ ہونا آسانی سے سمجھ میں آ جاتا ہو مگر عجمیوں کو کچھ مشکل پیش آتی ہو مگر اشاعت علم کے اس دور میں کیا عرب اور کیا عجم، کیا ہندی اور کیا یورپی، ہر شخص اس کے اعجاز کا اعتراف کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے، شرط صرف یہ ہے کہ وہ اسے پڑھے اور اس میں غور و تدبر کرے۔

③...... معاندین کا حال بیان کرنے کے بعد متقین کا تذکرہ کیا گیا ہے اور انہیں رب العزت نے ہجرت اور دین کی راہ میں آنے والے مصائب پر صبر کی تلقین کی ہے۔ (۵۶۔۵۹)

جو لوگ ترک وطن کرتے ہیں انہیں معاشی ضروریات کی فکر یقیناً لاحق ہوتی ہے کہ پردیس میں گھر کا چولہا کیسے جلے گا، اس لیے تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ جو اللہ کمزور جانوروں کو رزق دیتا ہے وہی تمہیں بھی دے گا اس لیے ہجرت کی صورت میں تمہیں فقر سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

④...... کہا جا سکتا ہے کہ اس سورت کی آخری آیت میں پوری سورت کا خلاصہ اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے: ''جو لوگ ہمارے لیے مجاہدہ کرتے ہیں ہم انہیں ضرور اپنے راستے دکھا دیتے ہیں اور بے شک اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔''

جو لوگ اللہ کو راضی کرنے کے لیے اپنے نفس و شیطان اور دشمنان دین کے ساتھ جہاد

کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں سعادت کی راہ تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمادیتا ہے۔

سورۃ الروم...... سورۂ روم مکی ہے اس میں ٦٠ آیات اور ٦ رکوع ہیں، قرآن کریم کے وجوہ اعجاز میں سے ایک اہم وجہ اس کی پیشین گوئیاں بھی ہیں اور اس سورت کے شروع میں ایک پیشین گوئی بھی مذکور ہے جو بعد میں حروف بحرف سچی ثابت ہوئی، یہ پیشین گوئی رومیوں کے غالب آنے کے بارے میں تھی، اس پیشین گوئی کا پورا ہوجانا انتہائی غیر معمولی اور غیر عادی واقعہ تھا، کیونکہ جس وقت قرآن نے یہ خبر دی تھی اس وقت ایرانی، رومیوں پر پوری طرح چھائے ہوئے تھے اور اس وقت رومی سلطنت زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی، سرحدی حالات کے علاوہ اندرونی حالات بھی انتہائی ابتر تھے، پورے یورپ میں غدر مچا ہوا تھا، رومیوں کا بادشاہ ہرقل زوال کی تیز آندھیوں کے سامنے بے بس ہوکر ہر ذلت اور پسپائی سے سمجھوتہ کرچکا تھا۔ چونکہ ایرانی مشرک اور آتش پرست جبکہ رومی خدا پرست تھے، اس لیے مشرکین مکہ اپنے ہم مذہبوں کے غلبہ کی خبریں سن کر خوشی سے بغلیں بجاتے تھے، ان مخدوش حالات میں قرآن نے پیشین گوئی کی کہ نو سال کے اندر رومی ایرانیوں پر غالب آجائیں گے، یقیناً مشرکین نے قرآن کے اس اعلان اور اطلاع کا خوب مذاق اڑایا ہوگا لیکن ٹھیک نو سال کے اندر قرآن مجید کی یہ عظیم الشان پیشین گوئی پوری ہوکر رہی، رومیوں نے ایرانیوں کے جاہ وجلال کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا اور سلطنت ایران کے قلب میں رومی جھنڈا نصب کردیا، مذکور پیشین گوئی کے علاوہ جو اہم مضامین سورۂ روم میں بیان ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

① ...... سورۂ روم اس معرکہ کی حقیقت بتاتی ہے جو حزب الرحمٰن (رحمٰن کی جماعت) اور حزب الشیطان (شیطان کی جماعت) کے درمیان قدیم زمانہ سے جاری ہے، کفر وایمان اور حق وباطل کے درمیان یہ معرکہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ فیصلہ کا دن نہیں آجاتا، اس دن نہ صرف یہ کہ یہ معرکہ ختم ہوجائے گا بلکہ دونوں جماعتوں کو بھی الگ الگ ٹھکانوں پر پہنچادیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”جس دن قیامت برپا ہوگی وہ الگ الگ فرقے ہوجائیں گے۔“ اہل ایمان کو جنت میں جگہ دی جائے گی اور کافروں کو عذاب میں ڈال دیا جائے گا۔

② ...... اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ میں اپنے وجود اور عظمت وجلال کے ساتھ دلائل ذکر فرمائے ہیں:

● ...... اللہ تعالیٰ ایک چیز کو اس کی ضد سے پیدا کرتا ہے، زندہ اور مردہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن وہ اپنی قدرت کاملہ سے نطفہ سے زندہ انسان، انڈے سے بچہ، بیج سے درخت اور اس کے

برعکس بھی پیدا کرتا ہے۔(۱۹)

• ......اس نے انسان کو بے جان مٹی سے پیدا کیا، انسان سے مراد یا تو حضرت آدم علیہ السلام ہیں جو مٹی ہی سے پیدا کیے گئے تھے یا ہر انسان کیونکہ اس کی غذائی اور جسمانی ضروریات مٹی ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔(۲۰)

• ......میاں بیوی کے درمیان ایسی محبت پیدا کر دیتا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے جسم کا حصہ ہیں حالانکہ بعض اوقات، شادی سے پہلے انکا آپس میں کوئی تعارف ہی نہیں ہوتا۔

• ......اس نے ارض وسما کو اور جو کچھ ان کے اندر ہے پیدا کیا اور انسانوں کی زبانیں اور رنگ مختلف بنائے کسی کی زبان عربی ہے کس کی فارسی اور انگریزی، کوئی فرنسیسی بولتا ہے اور کوئی اردو اور جاپانی، کسی کا رنگ کالا ہے اور کسی کا سرخ ہے۔(۲۲۰)

• ......وہ رات اور دن میں نیند کے ذریعے انسان کو سکون عطا کرتا ہے، انسان کا جسم ایک ایسی مشین ہے جسے اگر مشاغل کے ہجوم میں وقفۂ سکون نہ ملے تو یہ مشین خراب ہو جاتی ہے۔(۲۳)

• ......آسمان پر بجلی چمکتی ہے جس سے دل میں خوف بھی پیدا ہوتا ہے اور امید بھی، پھر بارش برستی ہے تو مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے۔(۲۴)

• ......ارض وسما کا مستحکم نظام وجود باری تعالیٰ کی زندہ دلیل ہے آسمان کی چھت کسی ستون کے بغیر کھڑی ہے اور اس کے مدار میں ستارے دوڑ رہے ہیں مگر نہ اضطراب ہے نہ شور، یوں ہی زمین مسلسل حرکت کر رہی ہے مگر اس کے سینے پر بسنے والوں کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔

• ......یہ سورت بتاتی ہے کہ ہر زمانے میں اللہ کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ حق کو باطل پر غلبہ عطا کرتا ہے(۴۷) اگر کہیں اہل حق مغلوب ہوں تو انہیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ انہوں نے باطل کے طور طریقے اپنا لیے ہوں اور باطل پرستوں نے حق کے بعض اصول اختیار کر لیے ہوں۔

• ......اس سورت میں متعدد ایسے تکوینی دلائل او مشاہد مذکور ہیں جو اللہ کی عظمت وقدرت کی گواہی دیتے ہیں(۱۹۔۲۷اور۴۶۔۵۰) سورت کے اختتام پر ان کفار مکہ کا ذکر ہے جو مردوں کی طرح تھے نہ تو آیات الٰہیہ کو سنتے تھے، نہ دیکھتے تھے، نہ ہی ان میں غور وفکر کرتے اور نہ ہی قبول کرتے تھے، ارشاد ہوتا ہے: ”اور ہم نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کر دی ہے اور اگر تم ان کے سامنے کوئی نشانی پیش کرو تو وہ کافر کہہ دیں گے کہ تم تو جھوٹے ہو۔“(۵۸)

سورۃ لقمان...... سورۂ لقمان مکی ہے، اس میں ۳۴ آیات اور ۴ رکوع ہیں، اس سورت کی ابتدا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی معجزہ یعنی قرآن کی عظمت کے بیان سے ہوئی ہے جو کہ ہدایت کا ربانی دستور ہے، اس کے بارے میں انسان دو فریقوں میں تقسیم ہو گئے ایک فریق مومنین کا ہے جو اس صحیفہ ہدایت کی ہر بات کی تصدیق کرتے ہیں، دوسرا فریق کافروں کا ہے جو اس کی آیت سن کر بر بنا تکبر منہ موڑ لیتے ہیں گویا کہ انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں (۲۔۷)

اس کے بعد باری تعالیٰ نے اپنی قدرت اور وحدانیت کے چار دلائل ذکر فرمائے ہیں۔

پہلی دلیل یہ کہ اس نے آسمانوں کو بغیر کسی ستون کے پیدا کیا ہے حالانکہ ان میں روشن ستارے بھی ہیں، شمس و قمر بھی ہیں، سیارے اور کہکشائیں بھی ہیں۔ فلکیات کی دنیا اتنی وسیع ہے کہ یہ زمین جس پر ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اس کی حیثیت اس کے مقابلے میں وہی ہے جو ایک ذرے کی پوری کائنات کے مقابلے میں حیثیت ہے۔

دوسری دلیل وہ پہاڑ ہیں جنہیں زمین کا توازن برقرار رکھنے کے لیے اللہ نے گاڑ رکھا ہے۔ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو یہ زمین، ہوا اور پانی کی وجہ سے ادھر ادھر حرکت کرتی رہتی۔

تیسری دلیل بے شمار قسم کے حیوانات، مویشی، چوپائے اور حشرات ہیں، ان کے علاوہ فضاؤں اور سمندر میں رہنے والے ہزاروں قسم کے جاندار ہیں جن کی شکلیں، رنگتیں اور خصوصیات تک اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، انسان کے عجز کا تو یہ حال ہے کہ وہ مکھی اور چیونٹی تک کی مثال نہیں بنا سکتا چہ جائیکہ صاحب فہم و ذکا، بولتا چلتا انسان بنا سکے۔

چوتھی دلیل یہ کہ وہ آسمان سے بارش برساتا ہے جس کے ذریعے ہر قسم کی نفیس چیزیں اگاتا ہے۔ (۱۰)

آسمان سے بارش کا برسنا تکوینی عجائب میں سے ایک بڑا عجوبہ اور دلائل قدرت میں سے ایک بڑی دلیل ہے مگر انسان اس پر غور ہی نہیں کرتا وہ پانی جس سے سمندر، دریا اور نہریں بھری ہوئی ہیں یہ سب آسمان ہی سے برستا ہے، پھر اس پانی سے جو پھل، پھول، غلہ جات، جڑی بوٹیاں اور درخت اگتے ہیں ان کی تفصیل بیان کرنے کے لیے ہزاروں صفحات یقیناً کم ہوں گے۔

اس کے علاوہ سورۂ لقمان میں جو اہم مضامین مذکور ہیں وہ درج ذیل ہیں:

① ...... حضرت لقمان جو کہ نبی تو نہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت و دانائی سے نوازا تھا، ان کے اقوال، عبرت و نصیحت کا خزانہ ہوتے تھے، ان کا کلام درفشانی، ان کی خاموشی تفکر اور ان کے ارشادات موعظت ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی وہ پانچ وصیتیں ذکر فرمائی ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں، یہ بڑی قیمتی اور جامع نصیحتیں ہیں جو کہ عقیدہ، عبادت، سلوک اور اخلاق سے

تعلق رکھتی ہیں:

● ...... پہلی وصیت یہ کی کہ اے بیٹا! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے اور اس کا انجام تباہ کن ہے۔ اس کے بعد خود اللہ تبارک وتعالیٰ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے ہیں۔

● ...... دوسری وصیت آخرت کے بارے میں ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں، گناہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اور کیسی پوشیدہ جگہ پر کیوں نہ کیا گیا ہو اللہ اسے قیامت کے دن لے آئے گا۔

● ...... تیسری وصیت اللہ کی طرف توجہ کے بارے میں ہے، اللہ کی طرف توجہ کی کئی صورتیں بیان فرمائیں یعنی نماز کو کامل طریقے سے ادا کرو، لوگوں کو ہر خیر کی دعوت دو اور ہر شر سے منع کرو اور مصائب وابتلا پر صبر کرو۔

● ...... چوتھی وصیت میں اپنے بیٹے کو تکبر اور فخر سے منع فرمایا۔

● ...... پانچویں وصیت میں بیٹے کو اخلاق کریمہ کی طرف متوجہ کیا یعنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور بولتے وقت اپنی آواز نیچی رکھو۔ (۱۹-۱۲)

(۴) ...... مشرکین کی تردید ہے کہ وہ توحید کے دلائل کا مشاہدہ کرنے کے باوجود شرک پر اصرار کرتے ہیں حالانکہ اگر خود ان سے سوال کیا جائے کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ بھی اللہ کے خالق ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔

سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ پانچ چیزوں کا علم صرف اللہ کے پاس ہے قیامت کب آئے گی؟ بارش کہاں اور کتنی برسے گی؟ شکم مادر میں بچہ کن اوصاف کا حامل ہے؟ انسان کل کیا کرے گا؟ اور موت کب اور کس جگہ آئے گی؟ ان پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ ان پانچ مغیبات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی چابیاں قرار دیا ہے۔

سورۃ السجدۃ ...... سورۂ سجدہ مکی ہے، اس میں ۳۰ آیات اور ۳ رکوع ہیں۔ اس سورت میں جو اہم مضامین بیان ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) ...... سورت کی ابتدا میں قرآن کی حقانیت کا بیان ہے جس کا اعجاز واضح ہے، اس کی صداقت کے دلائل روشن ہیں، اس کا انداز بیان انسانی کلام سے بالکل الگ ہے لیکن اس کے باوجود کفار مکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگاتے تھے کہ آپ نے یہ کلام خود گھڑ لیا ہے۔ (۱-۳)

(۲) ...... یہ سورت اللہ کی وحدانیت اور اس کی قدرت کے دلائل بیان کرتی ہے یعنی آسمان اور زمین کو اسی نے پیدا کیا، ہر کام کی تدبیر وہی کرتا ہے، پانی کے ایک حقیر قطرے میں غور وفکر نہیں کرتا

اس نے کیسے مٹی سے پانی، نطفہ سے لوتھڑا، لوتھڑے سے بوٹی اور بوٹی سے ہڈی تک کے مراحل طے کیے پھر کیسے انتہائی پرکشش صورت اور متناسب قد وقامت والا انسان بن گیا۔

③ ...... یہ سورت مجرموں اور مومنوں دونوں کا حال بتلاتی ہے کہ مجرم قیامت کے دن سر جھائے کھڑے ہوں گے ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، وہ آرزو کریں گے کہ کاش! ہمیں دنیا میں لوٹا دیا جائے تو ہم نیک اعمال کریں۔ دوسری طرف مومنین کے بارے میں بتلایا گیا کہ وہ دنیا میں اللہ کے سامنے جھکے رہتے ہیں، راتوں کو ان کے پہلو بستر سے جدا رہتے ہیں، وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے بھی ہیں اور اس کی رحمت کی امید بھی رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ کے دیے ہوئے اموال کو اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں فرمایا گیا: ''کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان کے لیے (آخرت میں) آنکھوں کی کیسی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے، یہ ان اعمال کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔'' (۱۶۔۱۷)

انہوں نے ریا اور دکھاوے کے بغیر چھپ چھپ کر اعمال کیے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسی نعمتیں چھپا رکھی ہیں جو کسی کے حاشیہ خیال میں بھی کبھی نہیں آئیں، ویسے بھی جنت کی نعمتوں کی صحیح حقیقت کسی کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی۔ دنیا کی نعمتیں آخرت کی نعمتوں کے ساتھ صرف لفظوں میں مشترک ہیں۔ حقیقت کے اعتبار سے ان کے درمیان زمین آسمان سے بھی کہیں زیادہ فرق ہے۔

سورت کے اختتام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دیئے جانے کا ذکر ہے جو کہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت میں مشابہت پائی جاتی ہے۔

سورۃ الاحزاب ......سورۂ احزاب مدنی ہے، اس میں ۷۳ آیات اور ۹ رکوع ہیں۔ اس سورت میں تین موضوعات سے بحث کی گئی ہے یعنی اجتماعی آداب، تشریعی احکام اور بعض غزوات کا بیان مثلاً غزوہ احزاب، غزوہ بنی قریظہ اور ان دونوں غزوات میں منافقین کی حالت اور کردار۔

اس سورت کے اہم مضامین درج ذیل ہیں:

① ...... پہلی دو آیتوں میں اپنے نبی کے واسطہ سے نبی کی امت کو ایسے چار امور کا حکم دیا گیا ہے جو کہ حقیقت میں فلاح اور سعادت کے عناصر ہیں۔ پہلا یہ کہ اللہ سے ڈرتے رہیں۔ دوسرا یہ کہ کافروں اور منافقوں کی آراء کی اتباع نہ کریں۔ تیسرا یہ کہ وحی الٰہی کی اتباع کرتے رہیں۔ چوتھا

یہ کہ اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کریں۔ یہاں یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن میں کہیں بھی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو ''یا محمد'' کہہ کر نہیں پکارا، یہاں بھی ''یا ایھا النبی'' کہہ کر خطاب کیا گیا ہے جب کہ دوسرے انبیاء کو یا آدم، یا نوح، یا موسیٰ، یا عیسیٰ اور یا زکریا کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔

(۲)...... زمانہ جاہلیت کے بعض معتقدات اور عادات کی تردید کی گئی ہے جن میں سے بعض عقلی اعتبار سے باطل تھیں اور بعض شرعی اعتبار سے قبیح تھیں۔ یہاں آیت ۴ میں تین جاہلانہ خیالات اور تصورات کی تردید کی گئی ہے:

- ...... ان کا یہ خیال تھا کہ بعض لوگوں کے سینے میں دو دل ہوتے ہیں، اس خیال کے رد میں فرمایا گیا کہ ''اللہ نے کسی آدمی کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے'' دل تو بس ایک ہی ہوتا ہے یا اس میں ایمان ہوگا یا کفر ہوگا، ایک ہی دل میں کفر اور ایمان دونوں جمع نہیں ہو سکتے، اس سے ان منافقین کی بھی تردید ہوگئی جنھوں نے کفر اور ایمان کے درمیان ایک تیسرا درجہ نفاق کا بھی تجویز کر رکھا تھا۔
- ...... جاہلی اظہار یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ''انت علی کظھر امی'' (تم میرے اوپر ایسے ہو جیسے میری ماں کی پشت) کہہ دیتا تو ان الفاظ کے کہنے سے اس کی بیوی ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جاتی تھی۔ لیکن قرآن نے بتایا کہ کفارہ دینے سے بیوی حلال ہو جائے گی۔
- ...... اسلام سے قبل منہ بولے بیٹے کا حکم حقیقی بیٹے جیسا ہوتا تھا، قرآن نے اس غلط تصور کی تردید کی۔ (۴)
- ...... جب متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) کے تصور کی تردید ہوگئی اور بتا دیا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حقیقی والد کا حکم نہیں رکھتے تو پھر یہ اعلان کیا گیا کہ آپ کی ابوت (باپ ہونا) ساری امت کے لیے عام ہے اور آپ کی ازواج مطہرات ساری امت کی روحانی مائیں ہیں، ان کا ادب واحترام واجب ہے اور اس کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔
- ...... اس کے بعد انیس آیات میں غزوۂ احزاب اور غزوۂ بنی قریظہ کی تفصیل ہے۔ غزوہ احزاب شوال ۵ ھ میں ہوا جب مشرکین کے دس یا پندرہ ہزار جنگجوؤں نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا، یہ جنگجو مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے، یہود بنی نضیر اور یہود بنی قریظہ جن کے ساتھ مسلمانوں کا صلح کا اور ایک دوسرے کے دشمن کے ساتھ تعاون نہ کرنے کا معاہدہ تھا۔ انہوں نے اس معاہدہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی اور ابوسفیان کے ساتھ تعاون کیا، مسلمان صرف تین ہزار تھے، حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے مدینہ کے شمال مغرب میں جہاں سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ تھا، خندق کھودی گئی، اسی لیے اسے غزوہ خندق بھی کہا جاتا ہے اور

احزاب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ جس لشکر نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی اس میں مختلف جماعتیں اور قبائل شریک تھے، ان جنگجوؤں نے تقریباً ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ کیے رکھا پھر نعیم بن مسعود غطفانی کی کوششوں سے یہود اور قریشی اور غطفانی لشکر کے درمیان پھوٹ پڑ گئی۔ اللہ کی طرف سے انہی دنوں طوفانی آندھی آ گئی، جس کی زد میں ان کے خیمے اکھڑ گئے جانور بدک گئے اور ان کے عزائم پست ہو گئے، پھر قریش اور غطفان اور دوسرے قبائل اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے بغیر راہ فرار اختیار کر گئے۔ ابوسفیان اور اس کے حمایتیوں کے چلے جانے کے بعد مسلمانوں نے بنی قریظہ کا محاصرہ کر لیا اور انہیں ان کی عہد شکنی کی عبرتناک سزا دی۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات میں ان دونوں غزوات کا حال اور منظر بیان کیا ہے اور مسلمانوں کو بشارت سنائی ہے کہ عنقریب انہیں مزید فتوحات حاصل ہوں گی۔ چنانچہ مسلمانوں نے نہ صرف فارس اور روم بلکہ بیسیوں ملک اور سینکڑوں شہر فتح کیے (اور ان شاء اللہ قرآن کے ساتھ تعلق مضبوط اور دل میں ایمان راسخ ہو جانے کے بعد پورے عالم کو فتح کریں گے)۔

یوں رب تعالیٰ کی یہ پیشین گوئی پوری ہو کر رہے گی کہ میں نے اپنے آخری رسول کو اس لیے بھیجا ہے کہ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دوں۔ یہ غلبہ یقینی ہے اور کسی صاحب ایمان کو اس میں شک نہیں ہونا چاہیے، بظاہر حالات مخالف ہیں لیکن جب اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا وقت آئے گا، حالات بھی موافق ہو جائیں گے اور وہ افراد بھی مہیا ہو جائیں گے جو اپنے اخلاق و عمال کے اعتبار سے پہلی صدی کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ موجودہ دور کے مسلمان، ایمان، اعمال، اخلاق، معاملات اور کردار کے اعتبار سے "فاتح عالم" بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ لیکن کیا اسلام اور قرآن بھی یہ صلاحیت نہیں رکھتے، رب کعبہ کی قسم! ان کے اندر عالم کو اور فاتحین عالم کو فتح کرنے کی پوری پوری صلاحیت ہے اور کون و مکان کے مالک کی قسم! دنیا یہ نظارہ بہت جلد دیکھے گی۔

پارہ 22

اکیسویں پارہ کی آخری چند آیات میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم سے خطاب تھا، چونکہ اس خطاب کا کچھ حصہ بائیسویں پارہ کے شروع میں بھی آیا ہے ان آیات کا پس منظر احادیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ جب فتوحات کا دور شروع ہوا تو ازواج مطہرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے وظیفہ اور نفقہ میں کچھ اضافہ کر دیا جائے، اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں انہیں دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا یا وہ خوشحالی کی زندگی گزارنے کے لیے جدائی اختیار کرلیں اور یا پھر تنگی ترشی کے ساتھ گزر بسر کریں اور اپنی نظر آخرت کی خوش عیشی پر رکھیں، جب آپ نے انہیں اختیار دیا تو ان سب نے آخرت ہی کو ترجیح دی۔ اس موقع پر ازواج مطہرات کی فضیلت بیان کرتے ہوئے انہیں سات احکام دیئے گئے:

پہلا یہ کہ مردوں کے ساتھ بات کرتے ہوئے لوچ دار لہجہ اختیار نہ کریں۔

دوسرا یہ کہ بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلو کیونکہ مسلمان عورت کا اصل اور محفوظ ٹھکانہ گھر ہے۔

تیسرا یہ کہ زمانہ جاہلیت کی خواتین کی طرح اپنی زینت اور ستر کا اظہار کرتے ہوئے باہر نہ نکلیں۔

چوتھا یہ کہ نماز کی پابندی کریں۔

پانچواں یہ کہ زکوۃ دیا کریں۔

چھٹا یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں۔

ساتواں یہ کہ قرآنی آیات کی تلاوت اور احادیث کا مذاکرہ کیا کریں۔

اس کے علاوہ جو اہم مضامین سورۂ احزاب کے اس حصہ میں بیان ہوئے ہیں جو بائیسویں پارہ میں آئے ہے، درج ذیل ہیں:

① ...... مسلمان کی شخصیت کو معاشرہ میں نمایاں اور امتیازی حیثیت دینے اور اس کا تشخص اور پہچان پیدا کرنے والی دس صفات ہیں، یہ صفات مرد میں ہوں یا عورت میں، اسے مغفرت اور اجر عظیم کا مستحق بنادیتی ہیں یعنی

- ......اسلام
- ......ایمان
- ......قنوت (دائمی طاعت)
- ......صدق، صبر، خشوع
- ......صدقہ
- ......روزے
- ......شرمگاہ کی حفاظت اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا۔ (۳۵)

④ ......سورۂ احزاب اس مشہور واقعہ کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے جس کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین نے سخت تنقید اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا تھا۔ ہوا یوں کہ جب آپ کے متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) حضرت زید بن حارثہ اور آپ کی پھوپھی زاد بہن حضرت زینت رضی اللہ عنہا کے درمیان نباہ نہ ہوسکا اور ان کے درمیان جدائی واقع ہوگئی تو اللہ کے حکم سے خود آپ نے حضرت زینب سے نکاح کرلیا۔ اس پر بڑا شور تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی کرلی۔ جبکہ جاہلی تصور میں یہ نکاح حرام تھا، اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نکاح خود ہم نے کروایا تا کہ آیندہ متبنیٰ کی مطلقہ بیوی کے ساتھ نکاح کرنے میں مسلمانوں کے لیے کوئی حرج نہ رہے۔ (۳۷)

یہاں ضمنی طور پر یہ بات بھی جان لی جائے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے مخالفین نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت ازدواج میں معاذ اللہ شہوت پرستی کے عنصر کو بنیادی وجہ قرار دینے کی ناکام اور ناپاک کوشش کی ہے۔ یہاں اگر دو بنیادی نکتوں کو ملحوظ رکھا جائے تو اعتراضات کو لغویت ظاہر ہوجاتی ہے۔ پہلا نکتہ یہ کہ آپ نے اپنی بھرپور جوانی ایک ایسی خاتون کے ساتھ گزار دی جو عمر میں آپ سے تقریباً دوگنی تھی، جب تک وہ زندہ رہیں آپ نے کسی دوسری خاتون کو اپنے عقد میں قبول نہیں کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ جتنی خواتین سے بھی آپ نے شادیاں کی ہیں وہ بڑھاپے کی حدود میں قدم رکھنے یعنی پچاس سال کی عمر کے بعد کی ہیں۔

دوسرا نکتہ یہ کہ سوائے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے آپ کی کوئی بیوی بھی کنواری نہیں تھی۔ اگر معاذ اللہ کثرت ازدواج سے آپ کا مقصد شہوت پرستی ہوتا تو آپ یہ شادیاں جوانی میں اور باکرہ لڑکیوں سے کرتے، حقیقت یہ ہے کہ تعداد ازواج میں تعلیمی، تشریعی، اجتماعی اور سیاسی حکمتیں پوشیدہ تھیں مگر یہ ''خلاصہ'' ہمیں ان کی تفصیل میں جانے کی اجازت نہیں دیتا۔

③ ......نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمت عظمیٰ عطا فرمائی ہے اللہ نے اس کی یاددہانی بھی کرائی ہے اور آپ کے پانچ امتیازی اوصاف ذکر داخل ہیں:

- ......آپ اپنی امت پر اور دوسری امتوں پر بھی قیامت کے دن گواہی دیں گے۔ کیونکہ پوری دنیا کے انسان آپ کی امت میں شامل ہیں، جنہوں نے ایمان قبول کرلیا وہ ''امت اجابت'' میں شامل ہیں اور جنہوں نے ایمان قبول نہ کیا وہ ''امت دعوت'' میں داخل ہیں۔

• ...... اہل ایمان کو آپ سعادت اور جنت کی بشارت دینے والے ہیں۔

• ...... کفار اور فجار کو اللہ کے عذاب اور ہلاکت سے ڈرانا آپ کی ذمہ داری ہے۔

• ...... آپ نیکی، اصلاح، اخلاق حسنہ اور استقامت کی دعوت دینے والے ہیں۔ آپ کی دعوت نہ دنیا کی دعوت تھی نہ اقتدار کی، نہ مال غنیمت جمع کرنے کی، نہ ہی قومیت اور عصبیت کی بلکہ آپ کی دعوت خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھی جس کا مقصد صلاح اور اصلاح کے سوا کچھ نہ تھا اور اس میں کیا شک ہے کہ انبیاء کے اعمال میں سب سے افضل عمل دعوت ہی ہے، خود رب تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔'' (فصلت)

• ...... آپ سراج منیر ہیں، آپ کے پرنور وجود سے ظلمتیں دور ہوئیں اور شبہات کا ازالہ ہوا۔ (۴۵۔۴۷) اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو چمکتے ہوئے سورج کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ شرک وضلال کی گمراہیوں کو دور کیا اور گمراہوں کو ہدایت دی، بالکل ایسے ہی جیسے جب سورج روشن ہو جاتا ہے تو رات کی تاریکی کافور ہو جاتی ہے اور منزل تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔

سورۂ احزاب وہ آداب بھی بیان کرتی ہے جن آداب سے زمانۂ جاہلیت میں لوگ نا آشنا تھے، یہاں ان میں سے تین آداب مذکور ہیں۔

پہلا یہ کہ کسی کے گھر میں اجازت کے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔

دوسرا یہ کہ اگر کھانے کی دعوت میں تمہیں بلایا گیا ہو تو کھانے سے فارغ ہو کر اٹھ جایا کرو، باتوں میں مشغول ہو کر صاحب خانہ کا وقت مت ضائع کیا کرو۔

تیسرا یہ کہ غیر محرم خواتین سے کوئی چیز مانگنے کی ضرورت پیش آئے تو پس پردہ مانگا کرو، بلا حجاب ان کے سامنے نہ آیا کرو، البتہ اپنے محارم کے سامنے عورت کو بے پردہ آنے کی اجازت ہے۔ (۵۳۔۵۵)

⑤ ...... ازواج مطہرات کی حرمت بیان کرنے کے بعد اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وتکریم بیان فرمائی ہے اور اہل ایمان کو آپ پر درود وسلام بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ آپ پر درود وسلام حقیقت میں خود ہمارے لیے عزت وتکریم، ذریعہ رفع درجات اور کفارۂ سئیات ہے۔ (۵۶)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کے چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار تھے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ

وسلم آج ہم چہرہ انور پر خوشی کے (غیر معمولی) آثار دیکھ رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج میرے پاس فرشتہ آیا تھا اس نے کہا اے محمد! کیا آپ اس بات سے خوش نہیں ہیں کہ اللہ عزوجل کہتا ہے، آپ کی امت میں سے جو کوئی آپ پر ایک بار درود بھیجے گا میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا اور جو کوئی ایک بار سلام بھیجے گا میں اس پر دس بار سلامتی نازل کروں گا، میں نے فرشتے کو جواب دیا کہ ہاں میں خوش ہوں'' (مسند احمد، نسائی)

⑥...... پہلے امہات المومنین پر حجاب کی فرضیت کا حکم نازل ہوا، پھر عمومی طور پر ہر مسلمان خاتون کو پردہ کا حکم دیا گیا خواہ وہ بیوی ہو یا بیٹی ہو یا ماں، حجاب عورت کی عزت وعصمت کا محافظ اور باعث تکریم وتعریف ہے، حجاب شرعی میں چند شرائط کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

- ...... حجاب ایسا ہو کہ پورے بدن کو چھپا لے۔
- ...... وہ حجاب فی نفسہ پرکشش اور نگاہوں کو متوجہ کرنے والا نہ ہو۔
- ...... حجاب ایسا باریک نہ ہو جس سے جسم کی رنگت جھلکے اور نظر آئے۔
- ...... کشادہ ہو، ایسا تنگ نہ ہو جو فتنہ کا باعث بننے والے اعضاء کو ظاہر کرے۔
- ...... ایسا معطر نہ ہو جس کی خوشبو دوسروں تک پہنچے۔
- ...... بناوٹ میں مردوں کے لباس سے مشابہت نہ رکھتا ہو۔
- ...... ایسا لباس نہ ہو جو کافر اور مشرک عورتوں کی پہچان بن چکا ہے۔
- ...... شہرت کا لباس نہ ہو کہ جسے محض شہرت کے لیے پہنا جائے، حدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔

⑦...... سورت کے اختتام پر فرائض وواجبات اور شرعی احکام کی اہمیت بیان کی گئی ہے کہ یہ احکام اس امانت کا حصہ ہیں جو اللہ نے بندوں کو سونپی ہے۔ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے اس امانت کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔ کیونکہ ان کے اندر یہ بوجھ اٹھانے کی صلاحیت ہی نہ تھی لیکن چونکہ انسان کو اللہ نے عقل وفکر اور خیر وشر کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے تو اس نے اس بوجھ کو اٹھا تو لیا مگر اس کا حق ادا نہ کر سکا۔

سورۃ سبا...... سورۂ سبا مکی ہے، اس میں ۵۴ آیات اور ۶ رکوع ہیں، اس سورت کی ابتدا اللہ عزوجل کی حمد وثناء سے ہوتی ہے جس نے ساری مخلوق کو پیدا کیا، کائنات کے لیے مستحکم نظام قائم کیا، نظام عالم کی تدبیر کی اسے ہر چیز کی خبر ہے اور اس کا کوئی عمل بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اس کے بعد مشرکین کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ حساب وجزاء اور مرنے کے بعد کی زندگی کا انکار

کرتے ہیں، اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ آپ اپنے رب کی قسم کھا کر کہیں کہ قیامت آ کر رہے گی، نیکوکاروں کو جزا اور بدکاروں کو سزا ضرور ملے گی، (۲) اس کے علاوہ جو اہم مضامین سورۂ سبا میں مذکور ہیں وہ درج ذیل ہیں:

① ..... حضرت داوٗد، حضرت سلیمان علیہم السلام اور اہل سبا پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا تذکرہ فرما کر گویا شاکر اور کافر کا تقابل اور موازنہ کیا ہے۔ اول الذکر دونوں اللہ کے نبی اور ذاکر و شاکر بندے تھے، حضرت داوٗد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حد اعجاز تک پہنچا ہوا صوتی جمال عطا فرمایا تھا وہ جب اللہ کی تسبیح کرتے تھے تو پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ہم نوا بن جاتے تھے۔ وہ جب زبور پڑھتے تو جو جانور ان کی قرأت سنتا تھا اس پر گریہ طاری ہو جاتا تھا، اللہ نے ان کے لیے لوہا نرم کر دیا تھا، وہ اسے جس طرف چاہتے موڑ لیتے اور جو کچھ چاہتے اس سے بنا لیتے۔ انہوں نے ''کارخانہ'' بنا رکھا تھا، جس میں لوہے کی مضبوط زرہیں بنتی تھیں۔ اسے دنیا کی پہلی ''اسٹیل مل'' بھی قرار دیا جا سکتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام پر خصوصی انعامات کیے تھے یونہی حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی خوب نوازا تھا، انہیں اللہ نے پرندوں کی بولی سکھائی تھی۔ ان کے لیے تانبا بہتے ہوئے چشمے کی شکل اختیار کر جاتا، اس سے جو چاہتے، بسہولت، بنا لیتے جنات ان کے تابع تھے، ان سے آپ تعمیرات اور حمل ونقل کے مشکل ترین کام لیتے تھے۔ ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا گیا تھا، آج کل جیسے ہوائی جہاز ہوتے ہیں یونہی آپ کا ہوائی تخت تھا جو دو ماہ کی مسافت دن کے تھوڑے سے حصے میں طے کر لیتا تھا...... اللہ تعالیٰ کی ان محیر العقول نعمتوں کے باوجود دونوں باپ بیٹا فخر وغرور کا شکار نہ ہوئے اور ذکر وشکر سے ایک لحظہ کے لیے بھی غافل نہ ہوئے۔ جب کہ عمومی صورت انسان کی یہ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے شکر کرنے والے بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔

دوسرا قصہ جو یہاں بیان ہوا ہے وہ اہل سبا کا ہے، پہلا قصہ اگر اہل شکر وایمان کے لیے روشن مینار تھا تو دوسرا قصہ اہل کفر وعصیان کی تاریک جھلک ہے، اہل سبا کو رزق کی فراوانی، صحت افزا آب وہوا، زرخیز زمین اور پھلدار باغات جیسی نعمتیں عطا کی گئی تھیں۔ طویل مسافت تک دورویہ باغات چلے جاتے تھے، نہ گرمی اور دھوپ ستاتی اور نہ ہی بھوک پریشان کرتی، پانی ذخیرہ کرنے کے لیے ایک ڈیم بھی تھا جسے ''سد مآرب'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن انہوں نے ان نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا بلکہ ناشکری پر اتر آئے، پھر وہی ہوا جو ہر ناشکری قوم کے ساتھ ہوتا ہے، بند ٹوٹ کر عذاب کی صورت اختیار کر گیا اور اس کے پانی نے تباہی مچا دی، باغات اور بستیاں خس وخاشاک بن کر بہہ گئیں جہاں پھل اور پھول تھے وہاں جھاڑ جھنکاڑ کے سوا کچھ بھی نہ بچا اور اہل

سبا کا ذکر صرف داستانوں میں رہ گیا۔ (۱۵۔۲۱)

②......اس سورت میں مسلسل مشرکین کے عقائد ونظریات کی عقلی اور نقلی دلائل سے تردید اور توہین ہے، کبھی ان سے کہا گیا کہ بلاؤ ان کو جنہیں تم اللہ کے سوا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہو، دیکھتے ہیں کہ وہ تمہیں کیا فائدہ پہنچاتے ہیں، کبھی تلقین کے اسلوب میں ان سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا کہ بتاؤ تمہیں آسمانوں اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ کبھی یہ سوال کیا گیا کہ جنہیں تم اللہ کے ساتھ عبادت میں شریک سمجھتے ہو ذرا انہیں سامنے تو لاؤ تا کہ میں دیکھوں کہ ان کے اندر کون سی ایسی صفت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ عبادت کے مستحق بن گئے ہیں (۲۲۔۲۷)

آگے چل کر سورۂ سبا میں کفار اور مشرکین کی سرکشی اور کفر کی بنیادی وجہ، ثروت وغنا کو بتایا ہے۔ انہیں اس پر اتنا ناز تھا کہ ان کا خیال تھا ہمارے جیسے اصحاب مال واولاد کو نہ دنیا میں عذاب ہوسکتا ہے نہ آخرت میں عذاب ہوگا۔ قرآن کے الفاظ میں ''وہ کہتے تھے ہم اموال اور اولاد کے اعتبار سے تم سے زیادہ ہیں اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا'' وہ آخرت کے معاملے کو بھی دنیا پر قیاس کرتے تھے ان کا خیال تھا کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے انہی دنیا کی وسعت اور خوشحالی عطا فرمائی ہے یہی معاملہ ان کے ساتھ آخرت میں بھی کیا جائے گا، انہیں جواب دیا گیا کہ: ''فرما دیجئے! کہ میرا رب جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا اور تنگ بھی کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے'' (سبا ۳۶)

ثروت وغنا پر فخر وغرور ہی انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استہزاء اور تحقیر پر آمادہ کرتا تھا اور وہ آپ کو مجنون اور دیوانہ کہنے سے باز نہیں آتے تھے اس لیے اللہ نے فرمایا: ''آپ ان سے فرما دیجئے! میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں تم اللہ کے لیے دو دو اور اکیلے اکیلے مستعد ہو جاؤ پھر غور وفکر کرو (تم یقیناً اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ تمہارے ساتھی یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کو کوئی جنون نہیں، وہ تم کو سخت عذاب کے آنے سے پہلے صرف ڈرانے والے ہیں۔'' (۴۷)

آخری آیت میں بتایا گیا کہ وہ آخرت میں ایمان قبول کرنا چاہیں گے لیکن ان کی چاہت اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ ایمان سے محروم ہی رہیں گے۔ (۵۴)

سورۂ فاطر......سورۂ فاطر مکی ہے، اس میں ۴۵ آیات اور ۵ رکوع ہیں، اس سورۂ میں توحید باری کی دعوت، اس کے وجود پر دلائل، شرک کی بنیادوں کا انہدام اور دین حق پر قائم رہنے کی تاکید ہے۔ سورت کی ابتدا میں اس خالق اور مبدع ہستی کا ذکر خیر ہے جس نے عالم کون ومکان کو

انسانوں،فرشتوں اور جنات کو پیدا کیا،انسانی نظروں کو ان تکوینی آیات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے جو اس کتاب جہان کے ہر ورق پر پھیلی ہوئی ہیں،مرنے کے بعد کی زندگی پر ایسے حسی اور بدیہی دلائل ذکر کیے ہیں جو ہر شہری اور دیہاتی کی سمجھ میں آ سکتے ہیں،بتایا گیا کہ وہ اللہ بارش سے مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے،شب و روز کو یکے بعد دیگرے لاتا ہے اور جو انسان کو تخلیق کے مختلف مراحل سے گزارتا ہے وہ مردہ انسانوں کو بھی دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔(۹)

یونہی یہ سورت ایمان اور ہدایت،کفر اور ضلالت کے درمیان بھی حسی مثالوں کے ذریعے فرق کرتی ہے،یہ سورت بتاتی ہے کہ جیسے بینا اور نابینا،زندہ اور مردہ،ظلمت اور نور،دھوپ اور چھاؤں مساوی نہیں ہو سکتے یونہی مومن اور کافر بھی برابر نہیں ہو سکتے۔(۱۹۔۲۲)

اس کے بعد دوبارہ وحدانیت اور قدرت کے دلائل سے یہ سورت بحث کرتی ہے،رنگا رنگ اور متنوع پھولوں،سفید،سرخ اور سیاہ پہاڑوں،مختلف رنگتوں،زبانوں اور مزاجوں والے انسانوں اور ہزاروں قسم کے پرندوں،مچھلیوں،حشرات اور چوپاؤں میں اس کی قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں لیکن ان نشانیوں کو دیکھ کر صرف انہی کے دل میں خشیت پیدا ہوتی ہے جو علم رکھتے ہیں وجو گہرائی میں جا کر سوچ سکتے ہیں اور جو حقائق پر پڑے ہوئے پردے اٹھا سکتے ہیں۔کیونکہ جس کے دل میں جتنی معرفت ہوگی،اتنی ہی خشیت اور عظمت ہوگی،اسی لیے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں سارے انسانوں سے زیادہ خشیت تھی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا:''اللہ کی قسم!میں تم سب سے زیادہ دل میں اللہ کی خشیت اور خوف رکھنے والا ہوں۔''

اہل علم کہتے ہیں کہ اس آیت میں''علماء''سے مراد صرف دین اور شریعت کے علماء نہیں ہیں بلکہ کائناتی علم رکھنے والے علماء بھی شامل ہیں یعنی طب،فلکیات،نباتات،فضا اور ارضیات کا علم رکھنے والے بھی اس میں آ جاتے ہیں۔کیونکہ وہ بھی جب صحیح نہج پر کائنات کے اسرار پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ نظر انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کے اعتراف پر مجبور کر دیتی ہے اور یہی اعتراف آخر میں اللہ تعالیٰ کی خشیت اور عظمت پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔

پھر سورت کا رخ کتاب منظور(دکھائی دینے والی کتاب کائنات)سے کتاب مسطور(لکھی ہوئی کتاب یعنی قرآن)کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں۔(۲۹۔۳۰)

ان کی تعریف کے بعد عمومی طور پر امت محمدیہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے جس پر اللہ نے یہ کتاب مجید نازل فرمائی لیکن نزول قرآن کے بعد یہ امت تین گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔

① ظالم......یہ وہ گناہگار مسلمان ہیں جن کے گناہ ان کی نیکیوں سے زیادہ ہیں۔

④ ...... مقتصد ......یعنی میانہ رو جن کی حسنات اور سیأت مساوی ہیں۔

③ ...... سابق ......یعنی وہ سچے مومن جو طاعت وعبادت میں دوسروں سے سبقت لے گئے۔

لیکن ان تینوں کا آخری اور دائمی ٹھکانہ بہر حال جنت ہی ہے۔ کوئی براہ راست جنت میں جائے گا اور کوئی اپنے گناہوں کا خمیازہ بھگتنے کے بعد جائے گا۔ سورت کے اختتام پر اللہ کے حلم اور بردباری کا ذکر ہے کہ وہ گناہوں پر نقد اور فوری سزا نہیں دیتا۔ اگر ایسا ہوتو زمین پر انسان تو انسان کوئی حیوان اور چرند پرند بھی زندہ نہ رہ سکتا، اس نے جزا سزا کے لیے ایک وقت معین کر رکھا ہے وہ وقت جب آ جائے گا تو پھر کامل عدل کا نظام حرکت میں آ جائے گا۔

سورۃ یٰسین ...... سورۂ یٰسین مکی ہے، اس میں ۸۳ آیات اور پانچ رکوع ہیں، ہمارے مسلمان بھائی اس سورت کو جان کنی کی آسانی کے لیے تو پڑھتے ہیں لیکن اس پر عمل کرنے والے کم ہیں جبکہ اصل ثواب اور اللہ کا قرب اس کے مشمولات پر عمل کرنے ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اس سورت کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی سچائی پر قرآن کی قسم کھائی ہے۔ (۲۔۴)

پھر ان کفار قریش کا تذکرہ ہے جو کفر وضلال میں بہت آگے نکل گئے تھے جس کی وجہ سے وہ اللہ کے عذاب کے مستحق ہو گئے، اس کے بعد اس بستی والوں کا ذکر ہے جنہوں نے یکے بعد دیگرے اللہ کے تین انبیاء کو جھٹلایا، اور جب انہی میں سے ایک حق پرست اور ناصح انہیں سمجھانے لگا تو انہوں نے اسے شہید کر دیا۔ (۱۳۔۲۱) اس ناصح کی گفتگو کا کچھ حصہ پارہ ۲۳ کی ابتدا میں ہے جس کا خلاصہ ان شاء اللہ وہیں پیش کیا جائے گا۔

پارہ 23

بائیسویں پارہ کے آخر میں ان انبیاء کا تذکرہ ہو چکا ہے جنہیں اللہ نے ایک بستی والوں کی ہدایت کے لیے بھیجا تھا مگر وہ ہدایت کی راہ پر چلنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ جب بستی والوں نے تینوں انبیاء کو جھٹلایا تو بستی والوں میں سے ایک شخص جس کا نام مفسرین نے ''حبیب النجار'' لکھا ہے وہ دوڑتا ہوا آیا تاکہ انبیاء کو ضرر پہنچانے کی صورت میں اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے اور انہیں انبیاء کی اتباع کی تلقین کرے، جب اسنے انہیں سمجھایا اور سب کے سامنے اپنے ایمان کا اعلان کردیا تو وہ سب اس پر پل پڑے اور انہوں نے اسے شہید کردیا، شہادت کے بعد اسے جنت میں داخل ہونے کا شرف ملا جب اس نے اپنی آنکھوں سے اللہ کی ان نعمتوں کا مشاہدہ کرلیا جو اللہ نے اہل ایمان کے لیے تیار کی ہیں تو بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا: ''اے کاش! میری قوم جان لیتی جو میرے رب نے میری مغفرت کردی ہے اور مجھے اہل کرامت وسعات میں سے ٹھہرایا' (۲۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''وہ مومن شخص زندگی میں بھی اپنی قوم کا خیر خواہ رہا اور مرنے کے بعد بھی''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ بندوں پر افسوس کا اظہار فرماتے ہیں کہ ان کے پاس جو بھی رسول آتا ہے اس کا مذاق اڑاتے ہیں (۳۰)

مذکورہ بالا امور کے علاوہ سورۂ یٰسین کے اہم مضامین درج ذیل ہیں:

- اللہ تعالیٰ کے وجود، توحید اور قدرت کے تکوینی دلائل جو قرآن میں بار بار مذکور ہوئے ہیں ان میں سے تین قسم کے دلائل یہاں ذکر کیے گئے ہیں:

① ...... مردہ زمین جسے بارش سے زندہ کردیا جاتا ہے۔

② ...... لیل ونہار اور شمس وقمر۔

③ ...... کشتیاں اور جہاز جو سمندر میں چلتے ہیں۔ ان دلائل کے ضمن میں سورۂ یٰسین ایک ایسی

حقیقت کا اعلان کرتی ہے، جس سے نزول قرآن کے زمانے کے بڑے بڑے اہل علم بھی ناواقف تھے۔ آیت ۳۶ میں ارشاد ہوتا ہے: ''وہ اللہ پاک ہے جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب کے جوڑے بنائے'' (۳۶)

قدیم زمانے کے انسانوں کا خیال اور تحقیق یہ تھی کہ جوڑا جوڑا صرف انسان اور حیوان ہی ہوتے ہیں، جب کہ موجودہ دور کے سائنس دانوں نے طویل تحقیق اور مغز ماری کے بعد ثابت کیا ہے کہ ''زوجیت'' (جوڑا جوڑا) نہ صرف انسانوں بلکہ نباتات، جمادات اور تمام کائنات میں پائی جاتی ہے یہاں تک کہ ''ایٹم'' جو کہ مادہ کے اجزاء میں سے سب سے چھوٹا جز ہے وہ بھی دو مختلف اجزاء یعنی الیکٹران اور پروٹان سے مرکب ہوتا ہے اور یہ دونوں جز نر اور مادہ کے مشابہ ہیں، سورۂ یٰسین کے علاوہ سورۂ ذاریات میں بھی اس علمی اور سائنسی تحقیق کی صدیوں پہلے نشاندہی کر دی گئی تھی، وہاں فرمایا گیا: ''اور ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا بنایا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔'' (۴۹۔۵۱)

● ......اس کے بعد سورۂ یٰسین قیامت کی ہولناکیوں اور صور پھونکے جانے کا تذکرہ کرتی ہے، جس وقت پہلی بار صور پھونکا جائے گا، لوگ اپنے معمولات کی ادائیگی اور خرید و فروخت میں مشغول ہوں گے، صور اسرافیل کی آواز سن کر ان پر خوف اور گھبراہٹ کی کیفیت طاری ہو جائے گی، اسے ''نفخہ فزع'' بھی کہا جاتا ہے، دوسری بار کے صور سے حی وقیوم کے سوا سب کو موت آجائے گی اور کوئی ذی روح زندہ نہیں رہے گا، تیسری بار جب صور پھونکا جائے گا تو سب قبروں سے جی اٹھیں گے اور حاکم حقیقی کے سامنے پیش ہو جائیں گے۔ وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوگا، مومنین متقین کو جنت اور جنت کی نعمتوں سے نوازا جائے گا، جبکہ مجرم جو کہ دنیا میں صلحاء کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے انہیں الگ کر دیا جائے گا، پھر ان کے منہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ (۴۹۔۶۶)

چونکہ اس سورت میں زیادہ تر بحث بعث بعد الموت کے حوالے سے ہے اس لیے اس کا اختتام بھی اس پر ہو رہا ہے، فرمایا گیا: ''کیا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے پیدا کر دے؟ کیوں نہیں وہی ہے جو خوب پیدا کرنے اور علم رکھنے والا ہے، اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا! تو وہ ہو جاتی ہے۔'' (۸۱۔۸۲)

سورۃ الصافات......سورۂ صافات مکی ہے، اس میں ۱۸۲ آیات اور ۵ رکوع ہیں، سورت کی

ابتدا ہوتی ہے ان ملائکہ کے ذکر سے جو عبادت اور تسبیح وتحمید میں مصروف رہتے ہیں، اس کے بعد جنات کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ جب وہ چوری چھپے ملا اعلیٰ کی خبریں سننے کی کوشش کرتے ہیں تو شہاب ثاقب ان کا تعاقب کرتے ہیں اور انہیں مار بھگاتے ہیں، سورۂ صافت، بعث اور حساب وجزا کے مسئلہ سے بحث کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ بعث بعد الموت کے بارہ میں مشرکین کا موقف بڑا عجیب ہے، وہ اس عقیدے کا مذاق اڑاتے ہیں اور یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ ہڈیوں کے چورا چورا ہونے اور خاک میں مل جانے کے بعد انسان دوبارہ کیسے زندہ ہوسکتا ہے، اللہ فرماتے ہیں، جو کام انہیں مشکل بلکہ ناممکن محسوس ہوتا ہے وہ اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں، جب حضرت اسرافیل تیسری بار صور پھونکیں گے تو یہ سب اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہو جائیں گے۔(۱۹)

پھر وہ بڑی حسرت اور ندامت کے ساتھ کہیں گے کہ یہ ہے اعمال کی جزا کا دن، جس کا ہم مذاق اڑایا کرتے تھے پھر انہیں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، وہاں آپس میں جھگڑیں گے اور ایک دوسرے کو اپنی گمراہی کا مورد الزام ٹھہرائیں گے(۲۰۔۳۵)

دوزخیوں کی باہمی لعن طعن کے علاوہ یہ سورت جنتیوں کا آپس میں مکالمہ بھی ہم کو سناتی ہے، جب انہیں ہر طرح کی نعمتوں سے نہال کر دیا جائے گا اور وہ عزت وراحت کے تحت پر شاہزادوں سے کروڑوں گنا زیادہ خوش بیٹھے ہوں گے تو اپنے ماضی کو یاد کریں گے، ان میں سے ایک کہے گا کہ میرا ایک ہم نشین ہوا کرتا تھا جو مجھ سے کہا کرتا تھا کہ بڑی عجیب بات ہے کہ تم آخرت کی زندگی پر ایمان رکھتے ہو، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں تو ہمیں دوبارہ زندہ کر دیا جائے؟ ہم سے زندگی بھر کے اعمال کا حساب لیا جائے اور پھر کسی کو جزا اور کسی کو سزا دی جائے؟ یہ باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں، نجانے تم کیوں ایسی ''خلاف عقل'' باتوں پر یقین رکھتے ہو؟ پھر وہ اپنے ساتھیوں سے پوچھے گا کہ کیا تم اسے دیکھنا چاہتے ہو؟ اتنے میں وہ خود جھانک کر دیکھے گا تو اپنے اس ''عقل پرست'' اور منکر آخرت دوست کو دوزخ کے وسط میں جلتا ہوا دیکھے گا تو اس سے کہے گا ''اللہ کی قسم! تو تو مجھے ہلاک کر چکا تھا اور اگر میرے پروردگار کی مہربانی نہ ہوتی تو میں بھی ان میں ہوتا جو عذاب میں حاضر کیے گئے ہیں''(۵۶۔۵۷)

اس کے بعد یہ سورت بعض انبیاء کرام علیہم السلام کے قصص سے بحث کرتی ہے، ان میں سے پہلا قصہ شیخ الانبیاء حضرت نوح علیہ السلام کا ہے جن کی قوم نے انہیں جھٹلایا تو جھٹلانے والوں کو غرق کر دیا گیا۔

دوسرا قصہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا ہے کہ دو مرحلوں میں بیان ہوا ہے، پہلے مرحلہ

میں ان کی دعوت توحید کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے والد اور اپنی قوم کو کیسے ایمان کی دعوت دی، کیسے ان کے سالانہ جشن میں شرکت سے معذوری ظاہر کی، کیسے ان کے بتوں سے دو دو ہاتھ کیے۔ مشرکوں نے انہیں زندہ جلا ڈالنے کے لیے کیا تدبیر اختیار کی اور کیسے اللہ تعالیٰ نے انہیں بچالیا (۸۳۔۹۸)

دوسرے مرحلہ میں ''ذبح وفدا'' والا مشہور واقعہ بیان ہوا ہے، یہ واقعہ صرف سورۂ صافات ہی میں مذکور ہے، باوجودیکہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر حضرت خلیل علیہ السلام کا ذکر آیا ہے لیکن یہ واقعہ ''صافات'' کے علاوہ کسی دوسری سورت میں مذکور نہیں ہے، یوں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی اللہ کی رضا کی خاطر ابتلاؤں اور آزمائشوں میں گزری۔ لیکن یہ ابتلا ان سب ابتلاؤں سے زیادہ زہرہ گداز اور جاں گسل تھی، آپ کو خواب میں بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، آپ تسلیم ورضا کا پیکر بن کر فوراً تیار ہو گئے، بیٹے کو خواب سنایا تو وہ بھی پیکر تسلیم تھا، آپ بیٹے کو پیشانی کے بل پچھاڑ کر ذبح کرنے لگے، فوراً اللہ کی طرف سے وحی آئی، اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، بے شک یہ بہت سخت اور کٹھن آزمائش تھی، اب لڑکے کو چھوڑ و اور تمہارے پاس جو یہ مینڈھا کھڑا ہے اس کو بیٹے کے بدلے میں ذبح کر دو، ہم نیکوکاروں کو اسی طرح نوازتے ہیں۔'' (۱۱۰)

تیسرا واقعہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا ہے۔

چوتھا قصہ حضرت الیاس علیہ السلام کا ہے جنہیں شام میں ایک ایسی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا جو ''بعل'' نامی بت کی عبادت کرتی تھی، اس بت کے نام پر ''بعلبک'' نامی ایک شہر آباد تھا جس کے آثار آج بھی دمشق کے مغرب میں ملتے ہیں۔

پانچواں قصہ حضرت خلیل علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جنہیں اردن کے اطراف میں ''سدوم'' والوں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے بھیجا گیا تھا مگر وہ بدترین قسم کی شہوت پرستی اور کفر میں مبتلا ہو کر اندھے، بہرے ہو چکے تھے، پیغام ہدایت سننے کے لیے آمادہ نہ ہوئے اور بالآخر عبرتناک عذاب کی لپیٹ میں آکر رہے۔

چھٹا قصہ حضرت یونس علیہ السلام کا ہے، جنہیں مچھلی کے پیٹ میں بھی کچھ عرصہ رہنا پڑا اور جن کی قوم کو عذاب کے آثار دیکھ کر توبہ کا شرف حاصل ہوا۔ انبیاء کے ان قصص کے اختتام پر ارشاد ہوتا ہے: ''اور اپنے پیغام پہنچانے والے بندوں سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ وہی غالب اور منصور ہیں اور ہمارا لشکر غالب آ کر رہے گا'' (۱۷۱۔۱۷۳)

سورت کے آخر میں آپ کو معاندین سے اعراض کرنے کا حکم ہے اور اللہ کی حمد وتسبیح کا بیان ہے۔

سورۃ ص...... سورۂ ص مکی ہے، اس میں ۸۸ آیات اور ۵ رکوع ہیں، سورت کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کی قسم کھائی ہے، یہ قسم یا تو قرآن کے معجزہ ہونے پر ہے یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر، اس سورت کے اہم مضامین درج ذیل ہیں:

① ...... اللہ کی وحدانیت اور اس کی عظمت کے تکوینی آثار کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ مشرکین تکبر، حماقت اور جہالت میں مبتلا ہیں، انہیں اس پر تعجب ہوتا ہے کہ انہیں سمجھانے اور ڈرانے کے لیے انہی میں سے ایک انسان، نبی بن کر آیا ہے اور یہ کہ ہم نے تو مختلف شعبوں کے لیے مختلف خدا تجویز کرر کھے تھے جبکہ اس نبی کا خیال ہے کہ تمام انسانوں اور موت وحیات کے پورے نظام کے لیے ایک اللہ ہی کافی ہے۔

② ...... کفار قریش کی احمقانہ اور جاہلانہ سوچ بتانے کے بعد سورۂ ص امم سابقہ کے متکبرین اور مشرکین کا انجام بتاتی ہے جو تکذیب اور سرکشی کی وجہ سے عذاب الٰہی کے مستحق ٹھہرے۔ (۱۲۔۱۴)

③ ...... گزشتہ قوموں کے متکبرین اور مکذبین کا انجام بتاتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف صبر کرنے کی تلقین ہے، دوسری طرف حضرت داؤد علیہ السلام کو یاد کرنے کا حکم ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور باطنی، دینی اور دنیاوی قوت سے نوازا تھا، وہ ایک دن روزے رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے، نصف شب سوتے اور نصف شب عبادت کرتے تھے، وسیع سلطنت کے بادشاہ بھی تھے اور جلیل القدر نبی بھی تھے۔ انہیں ذکر کرنے والا دل، شکر کرنے والی زبان اور سحر طاری کر دینے والی آواز عطا ہوئی تھی، وہ جب زبور کی تلاوت کرتے تھے تو پرندے فضا میں رک جاتے تھے، جب حمد باری تعالیٰ میں رطب اللسان ہوتے تھے، پہاڑ بھی مصروف حمد ہو جاتے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ ساتھ ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کا بھی ذکر خیر کیا گیا ہے، ان کی سلطنت وسائل واسباب کے اعتبار سے اپنے والد کی سلطنت سے بھی زیادہ شان وشوکت کی حامل تھی، ان کے لیے ہوا اور جنات مسخر کر دیے گئے تھے۔

④ ...... سورۂ ص میں تیسرا قصہ حضرت ایوب علیہ السلام کا بیان ہوا ہے، وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تھے، ان کے پاس ثروت وغنا کی بہتات تھی، باغات اور حویلیاں تھیں، زرعی زمینیں اور ڈھور ڈھنگر تھے، نوکر چاکر اور کئی بیٹے تھے۔ اللہ کی طرف سے آزمائش آئی تو سب کچھ جاتا رہا، اولاد ہلاک ہوگئی، مال مویشی مر گئے، باغات اجڑ گئے حویلیاں زمین بوس ہوگئیں، عزیز واقارب نے تیور بدل لیے، ثروت وغنا کی جگہ فقر وفاقہ نے ڈیرے ڈال لیے، خود تکلیف دہ بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ یہ ابتلاء اٹھارہ سال تک رہا مگر حضرت ایوب علیہ

السلام نے اپنی روش نہ بدلی اور صبر وشکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، بالآخر آزمائش کا دور ختم ہوا اور اللہ نے پہلے سے بھی زیادہ نواز دیا۔

۵ ...... حضرت ایوب علیہ السلام کے علاوہ سورۂ ص حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، حضرت اسماعیل، حضرت یسع اور حضرت ذالکفل علیہم السلام کا اجمالی ذکر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سب کی تعریف بیان کرتی ہے، آخر میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ ابلیس کے ساتھ قدرے تفصیل سے مذکور ہے۔ سورت کے اختتام پر اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ آپ اپنی دعوت کی حقیقت اور مقصد بیان فرما دیں: ''اے پیغمبر! کہہ دو کہ میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں، یہ قرآن تو اہل عالم کے لیے نصیحت ہے اور تم کو اس کا حال ایک وقت کے بعد معلوم ہو جائے گا۔'' (۸۶۔۸۸)

سورۃ الزمر ...... سورۂ زمر مکی ہے، اس میں ۷۵ آیات اور ۸ رکوع ہیں، اس سورت کا اصل موضوع اور محور عقیدہ توحید ہے کیونکہ اللہ کی وحدانیت کا اعتقاد ہی اصل ایمان ہے، اس سورت کی ابتدا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم معجزہ، قرآن کریم کے تذکرہ سے ہوتی ہے بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب اس اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے گویا تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ عبادت کو اللہ کے لیے خالص رکھیں اس میں ریا وغیرہ کی ملاوٹ ہرگز نہ ہونے دیں، اگلی آیات میں انداز بدل بدل کر رب العالمین کی وحدانیت پر تکوینی دلائل اور براہین قائم کیے گئے ہیں اور شرک کی پرزور تردید کی گئی ہے۔ یہاں ایک قابل غور نکتہ یہ ہے کہ شکم مادر میں انسان کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تمہیں ماں کے پیٹ میں تین تاریکیوں میں پیدا فرماتا ہے (۶)

یہ قرآن کا اعجاز علمی ہے کہ وہ ایک ایسی طبی حقیقت کا صدیوں پہلے اعلان کر چکا ہے جس حقیقت کا حکماء اور ڈاکٹروں کو بیسویں صدی میں علم ہوا ہے، ڈاکٹر حضرات کہتے ہیں کہ بظاہر دیکھنے میں وہ ایک ہی پردہ معلوم ہوتا ہے جس میں ''جنین'' رہ رہا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ تین پردے ہوتے ہیں۔ قرآن نے ان تین پردوں کو تین تاریکیاں اس لیے قرار دیا ہے کیونکہ وہ پردے بچے کو روشنی سے بچائے رکھتے ہیں توحید کا اثبات اور شرک کی نفی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے موحد اور مشرک کی مثال بیان کی ہے، مشرک کی مثال اس غلام جیسی ہے جس میں کئی شریک ہوں اور مزاج کے اعتبار سے بھی وہ تمام شرکاء ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوں، نہ آپس میں اتفاق نہ محبت اور یگانگت، ان میں سے ایک غلام کو دائیں بھیجتا ہے تو دوسرا بائیں جانب جانے کا

حکم دیتا ہے، ایک کھڑا ہونے کا تو دوسرا بیٹھنے کا حکم صادر کرتا ہے، وہ حیران ہے کہ کس کی مانے اور کس کی نہ مانے اور موحد کی مثال اس غلام جیسی ہے جس کا مالک ایک ہو، اس کے اخلاق بھی اچھے ہوں اور وہ اپنے غلام کے جذبات کا بھی لحاظ رکھتا ہو، (۲۹)

یقیناً یہ غلام اخلاص کے ساتھ اس کی خدمت کرے گا اور اسے اپنے مالک سے بھلائی اور احسان ہی کی امید رہے گی۔ پھر جب مالک، رب العالمین ہو اور بندہ اسی کا ہو کر رہ جائے تو اس کے قلبی سکون اور رافت پر یقیناً بادشاہی قربان کی جا سکتی ہے۔

پارہ 24

سورۂ زمر کا جو حصہ چوبیسویں پارہ میں آیا ہے، اس کے مضامین کی چند جھلکیاں پیش خدمت ہیں:

① ...... قرآن، دنیا کے سارے انسانوں کو دو فریقوں میں تقسیم کرتا ہے، ایک فریق کافروں کا ہے جو اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور قرآن اور رسول کی تکذیب کرتے ہیں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، دوسرا فریق انبیاء اور ان کی اتباع کرنے والوں کا ہے ان کی جزاء جنت ہے۔ (۳۳-۳۴)

② ...... بندوں پر اللہ کی خصوصی رحمت اور اس کے فضل واحسان میں سے یہ بھی ہے کہ وہ خطا کاروں، مجرموں اور کافروں کے لیے رحمت اور توبہ کا دروازہ کھلا رکھتا ہے اور انہیں خود توبہ اور رجوع الی اللہ کی دعوت دیتا رہتا ہے، وہ گناہ گاروں کو مایوس نہیں کرتا بلکہ ان کے دل میں امید کا چراغ روشن کرتا ہے، اللہ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے: ”فرما دیجئے اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، بے شک اللہ سارے گناہ معاف کردے گا۔ یقیناً وہ بے حد بخشنے والا، انتہائی مہربان ہے“

ارشاد ہوتا ہے: ”اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے سامنے جھک جاؤ قبل اس کے کہ تم پر عذاب آجائے پھر تمہاری مدد نہیں کی جاسکے گی۔“ (۵۳-۵۵)

③ ...... بندوں کو توبہ اور انابت کی دعوت دینے کے بعد یہ سورت قیامت کے مختلف مناظر بیان بیان کرتی ہے، جب اللہ پر جھوٹ بولنے والوں کے چہرے سیاہ ہوں گے، صور پھونکا جائے گا، سب اللہ کے سامنے پیش ہوں گے، زندگی کا حساب ہوگا پھر کافروں کو کھینچ کھینچ کر دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا اور اہل تقویٰ کو جنت میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے گی، فرشتے ان کا استقبال کرتے ہوئے انہیں سلام کہیں گے اور وہ اللہ کی حمد کرتے ہوئے اپنے مسکن میں تشریف فرما ہوں گے۔ (۶۰-۷۳)

سورۃ غافر ...... سورۂ غافر مکی ہے، اس میں ۸۲ آیات اور ۹ رکوع ہیں سورۂ غافر کو سورۂ مومن بھی کہا جاتا ہے، اس کا مطالعہ سے انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس سورت کا موضوع ''حق و باطل اور ہدایت وضلالت کے درمیان معرکہ'' کا بیان ہے۔ اس سورت کی ابتدا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی معجزہ قرآن کے تذکرہ سے ہوئی ہے جو کئی صدیاں گزرنے کے باوجود آپ کی نبوت کی صداقت کا گواہ ہے، اللہ کے علوم و معارف پر قدامت اور کہنگی کا کوئی اثر نہیں ہے، وہ آج بھی تازہ اور زندہ کلام ہے، سائنسی ترقیاں اور جدید تحقیقات اس کے بیان کردہ علمی حقائق کی تصدیق کرتی ہیں۔ جوں جوں انسان کے علم میں اضافہ ہوگا، توں توں وہ قرآن کے ربانی کلام اور معجزہ ہونے کا اقرار کرتا جائے گا، شرط بس یہ ہے کہ اسے قلب سلیم عطا ہوا اور وہ گروہی تعصب اور حاسدانہ بغض وعناد سے بالاتر ہوکر سوچے، قرآن کریم کے وحی الٰہی ہونے کا ذکر کرنے کے بعد ایک ہی آیت میں اللہ کی چار صفات بیان کی گئی ہیں یعنی وہ گناہ معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا، بندوں پر فضل واحسان کرنے والا ہے۔ (۳)

یہ سورت جن دوسرے موضوعات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

① ...... وہ فرشتے جنہیں ''حملۃ العرش'' (عرش کو اٹھانے والے) ہونے کا شرف حاصل ہے، وہ اور جو عرش کا احاطہ کیے ہوئے ہیں یہ سب اللہ کی حمد وتسبیح کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے لیے دعائیں کرتے ہیں، وہ عرض کرتے ہیں: ''اے ہمارے رب! تیری رحمت اور علم ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے پس تو مغفرت فرمادے ان لوگوں کی جو توبہ کرتے ہیں اور تیری راہ کی اتباع کرتے ہیں اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے، اے ہمارے رب! تو انہیں بھی ان دائمی باغات میں داخل فرمادے جن کا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے اور ان کے آباء، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہیں انہیں بھی داخل فرمادے، بے شک تو ہی غالب اور حکمت والا ہے اور ان کو عذابوں سے بچائے رکھ اور جسے تو نے اس دن عذابوں سے بچالیا تو بے شک تو نے اس پر مہربانی فرمائی اور یہی بڑی کامیابی ہے۔'' (۷۔۸)

② ...... قرآن کا جو ایک خاص اسلوب ہے کہ ترغیب کے بعد ترہیب، جنت کے بعد جہنم اور اہل ایمان کے بعد اہل کفر کا تذکرہ کرتا ہے تو یہاں بھی ایسا ہی ہے، پہلے یہ بتایا کہ مقرب فرشتے ایمان والوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں، اب کفار اور فجار کا حال بتایا جارہا ہے کہ جب انہیں بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل کردیا جائے گا اور وہ اپنے اعمال بد کا انجام دیکھ لیں گے تو اپنے آپ سے سخت نفرت کریں گے اور اپنے آپ کو برا بھلا کہتے ہوئے معذرت پیش کریں گے، دنیا والی اکڑ

فوں کو بھول کر بڑی ذلت اور انکساری کے ساتھ آگ کے شعلوں سے نکالنے کی درخواست کریں گے۔ لیکن ان کی یہ درخواست رد کر دی جائے گی اور جہنم کے داروغے ان سے کہیں گے کہ جیسے آج عذاب کی شدت دیکھنے کے بعد تم اپنے آپ سے نفرت کا اظہار کر رہے ہو اس سے کہیں زیادہ نفرت اللہ تعالیٰ اس وقت تم سے کرتا تھا جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی لیکن تم تکبر اور سرکشی کرتے ہوئے کفر کرتے تھے اور ایمان قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے (۱۰-۱۲)

یہ قیامت کا دن تو بندوں کے درمیان عدل اور انصاف کا دن ہے آج ہر شخص کو اس کے نیک یا بد عمل کا بدلہ مل کر رہے گا''

(۳)...... کفار پر اللہ کے عذاب کا تذکرہ کرتے ہوئے، ظلم اور سرکشی کے مشہور کردار فرعون کا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو پیش آیا تھا، یہ حقیقت سمجھانے کے لیے بیان کیا جا رہا ہے کہ ظالموں اور متکبروں کا انجام کبھی بھی اچھا نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تو کئی سورتوں میں آیا ہے مگر سورۂ غافر میں اس کے ضمن میں ایک مومن بندہ کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے، اسی کے تذکرہ کی وجہ سے اس سورت کا دوسرا نام ''سورۂ مومن'' بھی ہے یہ شخص خفیہ طور پر ایمان قبول کر چکا تھا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مشورے ہونے لگے تو یہ صاحب ایمان انسان آپ کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ کیا تم ایک شخص کا خون صرف اس لیے بہانا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، جب کہ وہ تمہارے پاس واضح دلائل اور روشن معجزات بھی لے کر آیا ہے۔ لیکن فرعون اپنی بات پر اڑا رہا اور اس نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ صرف میری رائے ہی درست ہے، اور میرا سوچا سمجھا فیصلہ یہی ہے کہ موسیٰ کو قتل کر دیا جائے، اس سے کم درجہ کی کوئی بات قابل قبول نہیں

(قارئین کرام اگر آپ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ آج کے ڈکٹیٹروں کا مزاج بھی وہی ہے جو کل کے ڈکٹیٹروں کا تھا، وہ اپنے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات کو حرف آخر سمجھتے ہیں، پوری انسانیت ایسے ہی ڈکٹیٹروں کے نرغے میں ہے اور خود امت مسلمہ کی گردنوں پر بھی ایسے ہی خود سر اور متکبر مسلط ہیں جو اپنے آپ کو عقل کل سمجھتے ہیں اور کسی بڑے سے بڑے عالم کی رائے کو بھی خاطر میں نہیں لاتے)

''رجل مومن'' کی تقریر اس قدر موثر تھی کہ فرعون کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ میرے درباری اس کی دل سے نکلی ہوئی باتوں سے متاثر نہ ہو جائیں، اس نے پہلے تو اپنا قطعی فیصلہ سنا دیا کہ اب موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام) دونوں کا وجود برداشت نہیں کیا جائے گا۔ پھر بندۂ مومن کی تقریر دلپذیر کو مذاق ہی مذاق میں اڑانے کے لیے اپنے وزیر ہامان کو اس نے حکم دیا کہ میرے لیے ایک بلند و بالا عمارت تعمیر کرو تاکہ میں دیکھوں تو سہی کہ موسیٰ کا خدا کہاں ہے؟ (یہی چالاک حکمران کا وتیرہ ہوتا

ہے، وہ کبھی دھمکی کی زبان استعمال کرتے ہیں اور کبھی مخالف کی رائے کو استہزاء کا نشانہ بنا کر اس کی اہمیت لوگوں کی نظروں سے گرا دیتے ہیں) فرعون کے تمسخر اور استہزاء کے باوجود بندۂ مومن نے اپنا بیان جاری رکھا لیکن ظاہر ہے فرعون نہ خود ایمان پر آمادہ ہونا اپنے مقربین کو اس طرف آنے دیا، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اللہ کا بندہ عذاب سے بچ گیا جبکہ فرعون اور اس کے انصار واعوان عذاب کی لپیٹ میں آ گئے۔ یہ عذاب، قبر میں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑے گا اور صبح شام ان پر پیش کیا جاتا رہے گا، آخرت میں تو انہیں شدید ترین عذاب کا سامنا کرنا ہی پڑے گا۔ (۲۸_۴۶)

④..... فرعون جیسے ناشکروں، متکبروں اور ظالموں کا عبرت آموز تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی چند نعمتوں کا تذکرہ کرتا ہے، اللہ نے سکون کے لیے رات اور دیکھنے اور معاش کے لیے دن بنایا ہے، زمین سکون اور قرار کے لیے اور آسمان کو چھت بنایا ہے، حسین صورتوں سے نوازا ہے اور رزق کے طور پر پاکیزہ چیزیں عطا فرمائی ہیں، یہ سب اس کی نعمتیں ہیں لیکن انسان ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا، جن مقاصد کے لیے اللہ نے یہ نعمتیں عطا کی ہیں انہیں ان مقاصد کے لیے استعمال نہیں کرتا اور نہ ہی ان میں غور و فکر کر کے اپنے خالق کو پہچانتا ہے (۶۱_۶۵)

اگر انسان خارجی کائنات پر غور و فکر کرنے کی بجائے خود اپنی تخلیق ہی میں غور و فکر کر لے، تو وہ اللہ کو پہچان سکتا ہے، انسان اپنی تخلیق میں مختلف مراحل سے گزرتا ہے، ان میں سے ہر مرحلہ ہی بڑا عجیب اور حیران کن ہے، بے جان مٹی سے اس کی ابتدا ہوتی ہے پھر نطفہ، جما ہوا خون، گوشت کی بوٹی، ہڈیاں، ڈھانچہ، جانِ عقل، سمع، بصر، پورے جسم میں ہزاروں میل لمبی پھیلی ہوئی رگوں کا جال، خون کی گردش، دل کی حرکت، تین سو ساٹھ جوڑ۔ پیدا ہوتا ہے تو از حد کمزور اور عاجز، نہ طاقت گفتار، نہ تمیز و عرفان، پھر اسے اللہ عقل و فہم اور قوت و ادراک عطا کرتا ہے بچپن کے بعد جوانی کی حدود میں قدم رکھتا ہے، پھر بڑھاپا اسے آ لیتا ہے اور انسان ویسے ہی ہو جاتا ہے جیسے بچپن میں تھا، نظر کمزور عقل میں خلل، اعضاء میں ضعف، حواس میں تعطل، چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے سے عاجز، یہاں تک کہ موت آ جاتی ہے، موت بھی اس کی تخلیق کے مراحل میں سے ایک مرحلہ ہے، موت کے بعد دوبارہ زندگی دی جاتی ہے تا کہ اس کی تخلیق کے بقیہ مراحل کی بھی تکمیل ہو جائے...... ایک طرف انسانی زندگی کا یہ عجوبہ کاریاں اور قدرت الٰہیہ کی زندہ نشانیاں ہیں تو دوسری طرف آیات الٰہیہ میں جھگڑا کرنے والوں کا انکار اور اعراض جو یہ بھول ہی جاتے ہیں کہ ہم مٹی اور نطفہ سے بڑھاپے اور موت تک کن مراحل سے گزرتے ہیں اور کون ہے جو ان سارے مراحل کی نگرانی کرتا ہے اسی لیے انسان کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے: ''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں، یہ کہاں پھرے جا رہے ہیں۔'' (۶۷_۶۹)

سورت کے اختتام پر پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین کی گئی ہے، اس کے بعد جھٹلانے والوں کو زمین پر چل پھر کر ہلاک شدہ اقوام کا انجام اور ان کے آثار دیکھنے کی تلقین کی گئی ہے، ان اقوام کو بھی اپنی ظاہری قوت اور مادی وسائل پر بڑا ناز تھا۔ انہوں نے انبیاء کے معجزات اور صداقت کی واضح نشانیوں کو جھٹلا دیا، پھر جب انہوں نے اللہ کا عذاب اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ لیا تو توحید کا اقرار اور بت پرستی سے بیزاری کا اظہار کیا لیکن یہ اقرار اور اظہار ان کے کسی کام نہ آیا اس لیے کہ اللہ کا دستور متکبروں اور سرکشوں کے بارے میں یہ ہے کہ عذاب کا مشاہدہ کر لینے کے بعد ان کا ایمان قبول نہیں کیا جاتا۔ (۷۷۔۸۵)

سورۃ فصلت...... سورۂ فصلت مکی ہے، اس میں ۵۴ آیات اور ۶ رکوع ہیں۔ اس سورت میں چونکہ سجدہ تلاوت آیا ہے اس لیے اسے حم سجدہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس سورت کا آغاز بھی حروف مقطعات میں سے ''حم'' کے ساتھ ہوا ہے اور ایسی سورتوں کی تعداد سات ہے۔ انہیں اصلاح میں ''حوامیم سبعہ'' اور ''آل حم'' بھی کہا جاتا ہے، یہ سورتیں جس ترتیب سے مصحف میں موجود ہیں، اسی ترتیب سے نازل ہوئی تھیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سورتوں کو قرآن کا حسن قرار دیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہر چیز کا مغز ہوتا ہے اور قرآن کا مغز ''آل حم'' ہیں۔ ''حوامیم سبعہ'' درج ذیل ہیں:

مومن، حم سجدہ، شوریٰ، زخرف، دخان، جاثیہ اور احقاف۔

یہ سورت اپنا آغاز قرآن عظیم کے ذکر سے کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ یہ کتاب اس ہستی کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو بے حد مہربان اور انتہائی رحم کرنے والا ہے، اس سورت کے احکام اور معانی، مضامین اور مقاصد، قصص اور مواعظ، احکام اور امثال، وعدے اور وعیدیں سب بالکل واضح ہیں ان میں کوئی ابہام اور کوئی اخفاء نہیں۔ لیکن اس وضاحت اور بیان کے باوجود بہت سارے لوگ اس سے اعراض کرتے ہیں اور وہ بدبخت اپنے آپ کو خود ہی اندھوں اور بہروں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، کانوں میں ڈاٹ ہیں اور اے نبی! ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ حائل ہے، لہٰذا نہ تو ہم تمہاری دعوت سمجھتے ہیں، نہ سنتے ہیں اور نہ ہی تجھے دیکھ پاتے ہیں، مشرکین کے ہذیان اور یاوہ گوئی کے جواب میں اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ اپنی شخصیت کا تعارف اور اپنی بعثت کا مقصد بتا دیجئے، آپ فرما دیجئے مجھے فرشتہ یا کوئی دوسری مخلوق ہونے کا دعویٰ نہیں، میں بشری تقاضے اور ضروریات رکھنے والا تمہارے جیسا انسان ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی اور رسالت کے ساتھ امتیاز بخشا ہے۔ (۲۔۶)

اس کے بعد یہ سورت مشرکین کے کفر وشرک پر تعجب کا اظہار کرتی ہے جو اللہ کی عظمت وجلال کے آثار کا مشاہدہ کرنے کے باوجود ان کا انکار کرتے ہیں، ان آثار و براہین کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ عاد وثمود کی تکذیب وانکار اور ان کا انجام ذکر کیا گیا ہے، قوم عاد کو حیرت انگیز جسمانی قوت عطا کی گئی تھی، ان کی طاقت کا یہ حال تھا کہ ان کا ایک شخص پہاڑ سے چٹان توڑ کر الگ کر دیتا تھا، چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اس قوت وطاقت کی عطا پر اللہ کا شکر ادا کرتے لیکن وہ شکر کی بجائے گھمنڈ میں مبتلا ہو گئے اور فخریہ طور پر چیلنج کرنے لگے کہ: ''ہے کوئی جو ہم سے زیادہ طاقتور ہو'' (۱۵)

ان کی حماقت اور نادانی پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے انہیں جواب دیا گیا کہ کیا تم اس ذات کی قوت وطاقت سے غافل ہو گئے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے؟ کیا تم اس حقیقت کو بھول گئے ہو کہ تمہاری طاقت، باری تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور قوت وجلال کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ پھر یوں ہوا کہ ان پر تیز اور ٹھنڈی ہوا کا عذاب مسلط کر دیا گیا، مسلسل سات دن تک ہوا چلی اور ہوا نے انہیں اٹھا کر یوں پٹخا گویا وہ بے حیثیت کیڑے مکوڑے اور خس وخاشاک ہوں..... قوم ثمود نے بھی ایمان پر کفر کو، ہدایت پر ضلالت کو اور بصارت پر اندھے پن کو ترجیح دی تھی، ایک دن جب کہ وہ اپنی عیاشیوں میں مست تھے ایک چنگھاڑ آئی جس سے کانوں کے پردے پھٹ گئے اور زلزلہ آیا جس سے سب کچھ زیروزبر ہو کر رہ گیا۔ (۱۹۔۱۸)

عاد وثمود جیسی سرکش قوموں پر دنیاوی عذاب کا تذکرہ کرنے کے بعد اخروی عذاب کا تذکرہ ہے جب اللہ کے دشمنوں کو اللہ کے حضور جمع کیا جائے گا اور وہاں ان کے اعضاء یہاں تک کہ ان کے جسم کی کھال ان کے خلاف گواہی دے گی۔ (۱۹۔۲۲)

یہ سورت متکبرین اور منکرین کے مقابلہ میں مخلص مومنین کا تعارف کراتی ہے جن کا نمایاں ترین وصف ایمان پر استقامت ہے، جب انہوں نے ایک بار اللہ کو اپنا رب کہہ دیا تو اب وہ زندگی بھر اپنے اس قول وقرار پر جم گئے، یہی استقامت ہی ولایت ہے اور استقامت سب کرامتوں سے بڑی کرامت ہے، اصحاب استقامت کو جنت میں ٹھکانہ دے کر کہا جائے گا کہ تم یہاں من چاہی زندگی گزارو، یہ بدلہ ہے اس کا کہ تم دنیا میں خدا چاہی زندگی گزار چکے ہو۔ (۳۰۔۳۱)

اصحاب استقامت میں سے بھی اللہ کے نزدیک سب سے معزز اور قابل تحسین وہ لوگ ہیں جو اخلاص اور حکمت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اس راہ کی مشکلات کو رضا الٰہی کے حصول کے لیے برداشت کرتے ہیں (۳۳۔۳۵) ..... اس پارہ کا اختتام رب تعالیٰ کے عدل کے بیان پر ہوتا ہے، فرمایا گیا: ''جو نیک عمل کرتا ہے سو وہ اپنے لیے کرتا ہے اور جو برے کام کرتا ہے سو ان کا وبال اسی پر پڑے گا اور تیرا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔'' (۴۶)

پارہ 25

چوبیسویں پارہ کے آخر میں اللہ کے عدل کامل کا بیان تھا جس کی وجہ سے قیامت کے دن کسی پر بھی ظلم نہیں ہوگا، اب پچیسویں پارہ کے شروع میں ہے کہ قیامت کے وقوع کی متعین تاریخ کا علم صرف اللہ ہی کو ہے، لوگ خرید وفروخت اور ذاتی دلچسپیوں میں منہمک ہوں گے کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے گی، اس دن اللہ مشرکوں سے سوال کرے گا کہ کہاں گئے، میرے وہ شریک جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ انتہائی ندامت کے ساتھ جواب دیں گے کہ آج ہمارے درمیان کوئی بھی ایسا فرد نہیں جو تیرے لیے شریک کا اقرار کرتا ہو۔ (۴۷)

سورۂ کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اس کائنات اور خود انسان کی ذات کے اندر جو راز ہیں ان کے بارے میں انہیں مطلع فرمائے گا اور یہ راز جب کھلیں گے تو ہر کوئی جان لے گا کہ یہ کتاب برحق ہے، (۵۳)

اللہ کا یہ وعدہ سچا تھا اور گزشتہ چودہ سو سال سے اس وعدہ کا ایفا ہو رہا ہے، کائنات اور انسان کے بارے میں ایسے ایسے انکشافات ہو رہے ہیں جن کا قدیم زمانے کے انسان نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا، بالخصوص ہمارا زمانہ انکشافات، ایجادات اور تحقیقات کا زمانہ ہے، کوئی دن نہیں جاتا جب انسان اور کائنات کے بارے میں کوئی نئی تحقیق اور کوئی نیا انکشاف سامنے نہ آتا ہو۔ بتایئے کس نے سوچا تھا کہ انسان چاند تک پہنچ جائے گا؟ اور پورے کرۂ ارض کے ارد گرد گھوم جائے گا؟ کسی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ مشرق میں رہنے والوں کی آوازیں اہل مغرب اور اہل مغرب کی آوازیں اہل مشرق سن سکیں گے۔ بلکہ آج تو آوازیں ہی نہیں ان کی صورتیں اور حرکات وسکنات بھی دکھائی دے رہی ہیں۔ ایک وقت تھا کہ انسان سورج کو کائنات کی عظیم ترین چیز سمجھ کر اس کے سامنے جھکتا تھا، آج اس نے معلوم کر لیا کہ نظر آنے والا سورج تو کائنات کا ایک چھوٹا سا کرہ ہے اور اس جیسے کئی سو ملین سورج پس پردہ موجود ہیں، انسان سمندروں اور دریاؤں کے پیٹ میں گھس گیا اور ان کے پیٹ میں جو کچھ چھپا تھا اس نے اسے

دیکھ لیا، انسان نے اپنے جسم، اس کی بناوٹ، اس کی خصوصیات اور اس کے اسرار و رموز کے بارے میں بہت کچھ معلوم کر لیا، انسانی نفسیات کے بارے میں بھی اس پر کئی راز منکشف ہوئے ہیں، لیکن اس کے باوجود کس کے اندر جرأت ہے کہ وہ دعویٰ کر سکے کہ وہ کائنات اور انسان کے سارے رازوں سے واقف ہو گیا ہے اور علمی تحقیقی اور سائنسی ترقی، کمال کی آخری حد کو پہنچ گئی ہے، علم و تحقیق کی اس تیز رفتاری کا کوئی بھی مذہبی کتاب، قرآن کے سوا ساتھ نہیں دے سکتی، یہی بات قرآن کو دائمی معجزہ ثابت کرتی ہے، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہوائی تخت کی طرح مادی معجزہ نہیں ہے، یہ ایک علمی معجزہ ہے اور علمی دور کے لیے نازل ہوا ہے، انسان کا علم جتنی ترقی کرتا جائے گا، اس پر قرآن کی صداقت اتنی ہی کھلتی جائے گی، وہ وقت آ کر رہے گا جب ہر غیر متعصب صاحب علم کی گردن قرآن کے سامنے جھک جائے گی۔ (ان شاء اللہ)

سورۃ الشوریٰ......سورۂ شوریٰ مکی سورتوں میں سے ہے، اس میں ۵۳ آیات اور ۵ رکوع ہیں۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح یہ بھی نظریاتی مسئلہ پر بحث کرتی ہے لیکن وحی اور رسالت کے مضمون کو اس میں زیادہ اہمیت دی گئی ہے، قرآن کے اعجاز کو بتلانے اور اس کی مثل لانے سے مخالفین کا عجز ظاہر کرنے کے لیے اس کی ابتدا حروف مقطعات سے ہوئی ہے کہ یہی وہ حروف ہیں جنہیں جوڑ کر قرآن بنایا گیا ہے، اگر قرآن واقعی انسانی کاوش ہے تو تم بھی ان حروف کی ترکیب سے قرآن جیسا کلام بنا ڈالو، پورا قرآن نہیں، قرآن جیسی کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورت ہی سہی تمہارے اس کارنامے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ (معاذ اللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے نہ پروپیگنڈا کرنا پڑے گا، نہ مالی وسائل استعمال کرنے پڑیں گے، نہ جنگ کی آگ میں اپنے بیٹوں اور بھائیوں کو جھونکنا پڑے گا، لیکن اس چیلنج کو نہ کل کے منکرین نے قبول کیا، نہ آج کے منکرین قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔

حروف مقطعات سے سورت کا آغاز کرنے کے متصل بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ”اسی طرح تمہاری طرف اور تم سے پہلے لوگوں کی طرف وحی کرتا ہے وہ اللہ جو کہ غالب اور حکیم ہے“

گویا وحی کا سرچشمہ، اولین اور آخرین کے لیے ایک ہی رہا ہے۔ درمیان میں اللہ کی عظمت و جلال بیان کرنے کے بعد پھر وحی اور قرآن ہی کا ذکر ہے اور ارشاد ہوتا ہے: ”اور اسی

طرح تمہارے پاس قرآن عربی بھیجا تاکہ تم بڑے گاؤں (یعنی مکہ) کے رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے اردگرد رہتے ہیں ان کو رستہ دکھاؤ۔'' (۷)

وحی اور رسالت کے مضمون ہی کو موکد کرنے کے لیے یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک دین ایک ہی ہے، تمام انبیاء ایک ہی دین کی دعوت کے لیے دنیا میں تشریف لائے ان کی شریعتیں اگرچہ مختلف تھیں لیکن ان سب کا دین ایک ہی تھا یعنی دین اسلام۔ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو اسی دین کی دعوت کے لیے دنیا میں بھیجا گیا تھا اور ان کے متبعین کو تفرقہ سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا تھا لیکن اہل کتاب حسد اور عناد کی بنا پر تفرقہ میں مبتلا ہو گئے، ان کے تفرقہ اور اختلاف ہی کو مٹانے اور قول فیصل سنانے کے لیے اللہ نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کو حکم دیا: ''آپ اسی دین کی طرف دعوت دو اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اس پر مضبوطی سے قائم ہو جاؤ اور ان لوگوں کی خواہشات کی اتباع نہ کرو اور ان سے کہو کہ اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا۔'' (۱۵)

جوں جوں یہ سورت آگے بڑھتی جاتی ہے، وحی اور رسالت کے ساتھ اس کا تعلق واضح ہوتا جاتا ہے، وحی اور رسالت کے مضمون کے علاوہ اس مادی جہان میں ایمان کے جو دلائل اور تکوینی آیات ہیں، ان کی طرف بھی ذہنوں کو متوجہ کیا گیا ہے اور ایمان والوں کی درج ذیل نمایاں صفات بیان کی گئی ہیں:

- ......وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔
- ......بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔
- ......اگر غصہ آجائے تو معاف کر دیتے ہیں۔
- ......رب کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔
- ......نماز کی پابندی کرتے ہیں۔
- ......اپنے کام باہمی مشورہ سے کرتے ہیں۔
- ......اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔
- ......اگر ان پر کوئی ظلم و زیادتی کرے تو مناسب طریقے سے بدلہ لیتے ہیں۔

یہ صفات اگر آج کے مسلمان اپنے اندر پیدا کر لیں تو ان کی انفرادی اور معاشرتی زندگی میں ایسا انقلاب کی راہ ہموار کر سکتا ہے۔ سورۂ شوریٰ کی آخری دو آیتوں میں وحی اور رسالت کا ذکر ہے گویا جس مضمون سے سورت کا آغاز ہوا تھا اسی پر اختتام ہو رہا ہے۔

سورۃ الزخرف......سورۂ زخرف مکی ہے، اس میں ۸۹ آیات اور ۷ رکوع ہیں چونکہ اس میں زخرف کا لفظ آیا ہے جو سونے اور زینت کے معنی میں آتا ہے اس لیے اس کا نام ''زخرف'' رکھا گیا۔ اس سورت کا موضوع اصول ایمان ہے، اس سورت کی ابتدا بھی دوسری ''حوامیم'' کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی معجزہ، قرآن کریم کے ذکر سے ہوتی ہے اللہ نے اس روشن اور واضح کتاب کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ: ''ہم نے اسے عربی قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھو اور یہ (قرآن) بڑی کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں ہمارے پاس لکھی ہوئی اور بڑی فضیلت اور حکمت والی ہے۔''

اس کے بعد سورۂ زخرف دلائل قدرت سے بحث کرتی ہے، یہ آسمان کی نیلی چھت، یہ زمین کا فرش، یہ بلند و بالا پہاڑ، یہ بہتی ہوئی نہریں، یہ تا نظر پھیلے ہوئے سمندر، یہ آسمان سے قطرہ قطرہ برسنے والی بارش، یہ سطح آب پر رواں دواں کشتیاں اور جہاز، یہ ہر قسم کے چوپائے جو کھانے کے کام بھی آتے ہیں اور نقل و حمل کے بہترین ذرائع بھی ثابت ہوتے ہیں، یہ سب اپنے خالق اور صانع کی قدرت اور حکمت کے زندہ گواہ ہیں، ان کی گواہی شہری بھی سن سکتا ہے اور دیہاتی بھی، ان کی زبان عالم بھی سمجھ سکتا ہے اور جاہل بھی، یہ گواہ کل بھی موجود تھے اور آج بھی موجود ہیں۔ ضرورت صرف ان کانوں کی ہے جو حق کی گواہی سن سکیں، ان آنکھوں کی ہے جو دیکھ سکیں، ان دلوں کی ہے جو حق کو قبول کر سکیں۔

یہ سورت زمانۂ جاہلیت کی ایک اور انتہائی قابل نفرت سوچ کا تذکرہ کرتی ہے وہ یہ کہ ایک طرف ان کی نفسیات یہ تھی کہ وہ بیٹیوں سے سخت نفرت کرتے تھے، اگر ان کے ہاں بیٹی پیدا ہو جاتی تو وہ لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے تھے اور اسے زندہ درگور کرنے کی تدبیریں سوچنے لگتے تھے، دوسری طرف وہ اللہ کی طرف بیٹیوں کی نسبت کرتے تھے اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ (۱۵۔۱۶)

سورۂ زخرف، ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی تذکرہ کرتی ہے جن کے بارے میں مشرکین کا دعویٰ تھا کہ ہم ان کی ملت اور شریعت پر ہیں، یہاں ان کے اس دعویٰ کی تردید کی جا رہی ہے، یہ بتوں کے پجاری کس منہ سے اپنے آپ کو ان کی شریعت کا پیروکار قرار دیتے ہیں جبکہ آپ عقیدۂ توحید کے علمبردار تھے اور یہ سر سے پاؤں تک بت پرستی کی نجاست میں ڈوبے ہوئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں یہی کلمہ توحید چھوڑا تھا۔ (۲۶۔۲۸)

اسی کلمہ کی جب حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرکین کو دعوت دی تو وہ اس دعوت کو سحر اور آپ کو ساحر کہنے لگے، اللہ کے رسول کے بارے میں ان کا تصور اور ان کی سوچ

انتہائی حماقت اور جہالت پر مبنی ہے'' وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن دونوں بڑے شہروں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا؟'' (۳۱)

کیا اللہ کو، نبی بنانے کے لیے ایک یتیم فقیر اور غریب آدمی ہی ملا تھا، طائف اور مکہ کے سرداروں میں سے کسی سردار پر نظر انتخاب کیوں نہ پڑی؟ اس کا جو جواب دیا گیا اس کا حاصل یہ ہے کہ ان کے درمیان گزر بسر کے ذرائع تک پر تو انہیں کوئی اختیار نہیں، وہ خود اپنے رزق کے بھی مالک نہیں، جب رزق کی تقسیم میں ان کا کوئی اختیار نہیں تو نبوت جیسے عظیم منصب کی تقسیم اور انتخاب میں انہیں کوئی اختیار کیسے دیا جا سکتا ہے۔ (۳۲)

اس کے بعد اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو کہ مشرکین کی حماقت اور جہالت کا ایک نمونہ اور جھلک ہے، فرعون کو اپنے اقتدار، سونے چاندی کے انبار اور وسیع اختیارات پر بڑا ناز تھا اور وہ اپنے آپ کو مصر کی سرزمین اور نہروں کا حقیقی مالک سمجھتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ پھر یوں ہوا کہ اسے انہیں نہروں اور دریاؤں میں غرق کر دیا گیا جو اس کے خیال میں اس کی اجازت کے بغیر اپنا بہاؤ بھی جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ (۴۶-۵۶)

سورت کے اختتام پر اللہ اپنے پیغمبر کو جاہلوں سے اعراض کرنے اور صبر کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تم ان سے منہ پھیر لو اور سلام کہہ دو، انہیں عنقریب انجام معلوم ہو جائے گا۔'' (۸۹)

سورۃ الدخان ...... سورۂ دخان مکی ہے، اس میں ۵۹ آیات اور ۳ رکوع ہیں، دخان کا معنی ہے دھواں، چونکہ اس سورہ میں اس ''دخان'' کا ذکر ہے جو مشرکین کو قحط کے زمانے میں شدید بھوک کی وجہ سے دکھائی دیتا تھا اس لیے اسے سورۃ دخان کہا جاتا ہے۔ اس سورت کی ابتدا میں بھی اللہ تعالیٰ نے ''کتاب مبین'' یعنی واضح کتاب کی قسم کھائی ہے، یہ کتاب اعجاز کے اعتبار سے بھی واضح ہے اور احکام و مضامین کے بیان کے اعتبار سے بھی واضح ہے۔ اللہ نے قسم اسی اعتبار سے کھائی ہے کہ ہم نے اس کتاب کو مبارک رات میں نازل کیا، اس سے مراد ''لیلۃ القدر'' ہے جو ساری راتوں سے افضل ہے، یہ کتاب اللہ نے بندوں پر رحمت کے طور پر نازل کی ہے ورنہ وہ بندوں کی عبادت کا محتاج نہیں ہے، اللہ کی ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بندوں کو ہدایت سے محروم نہ رکھے۔ (۱-۸)

لیکن مشرکین اور کفار، قرآن اور بعث بعد الموت کے بارے میں شک کرتے ہیں۔ (۹)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ان فرعونوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کرنے والے فرعون کے انجام سے ڈرایا گیا ہے، اس کی ملکیت میں سونے کے انبار تھے، باغات کی بہتات تھی، بیسیوں محلات تھے، سونا اگلتی زمینیں تھیں، ہزاروں خدام اور لونڈیاں تھیں، لاکھوں پر مشتمل فوج تھی۔ مختصر یہ کہ جو کچھ مصر میں تھا وہ سب اسی کا تھا وہ ہر جاندار اور بے جان چیز کا اپنے آپ کو مالک سمجھتا تھا، لیکن یہ سب کچھ اس کے کسی کام نہ آیا اور وہ اپنے ''مظلوموں'' اور محکموں کی نظروں کے سامنے دریا کی بے رحم موجوں میں غرق ہوگیا وہ ''آمنت آمنت'' (میں ایمان لے آیا، ایمان لے آیا) کہتا ہی رہ گیا۔ لیکن یہ چیخ و پکار اس کے کسی کام نہ آئی، اس نے جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑا، اس سب کا وارث اور مالک بنی اسرائیل کو بنا دیا گیا، کل کے محکوم آج کے حاکم اور کل کے مملوکہ آج کے مالک بن گئے۔ (۱۷۔۲۹) سورت کے اختتام پر ان ہولناک عذابوں کا ذکر ہے جن کا سامنا اللہ کے نافرمانوں کو کرنا پڑے گا اور چھوٹی سی عقل میں نہ سما سکنے والی ان نعمتوں کا ذکر ہے جن سے اللہ کے نیک بندوں کو نوازا جائے گا۔ (۴۳۔۵۷)

سورہ جاثیہ...... سورۂ جاثیہ مکی ہے اس میں ۳۷ آیات اور ۴ رکوع ہیں، یہ بات تو اب قارئین کرام جان ہی چکے ہوں گے کہ جن سوتوں کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے ان میں سے اکثر سورتوں کی ابتدا ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑا معجزہ قرآن عظیم کے ذکر سے ہوتی ہے، سورۃ الجاثیہ میں بھی ایسے ہی ہوا ہے، ''جاثیہ'' کا معنی ہے ''گھٹنوں کے بل بیٹھنا'' چونکہ قیامت کے دن لوگ خوف اور ہیبت کی وجہ سے دربارِ الٰہی میں گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے اور اس سورۂ میں اس خوفناک منظر کا بیان ہے اس لیے اسے ''سورۂ جاثیہ'' کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی عظمت کا تذکرہ کرنے کے بعد یہ سورت ان تکوینی نشانیوں کو بیان کرتی ہے جن میں سے ہر ایک اللہ کی عظمت وجلال اور قدرت ووحدانیت کی زندہ گواہ ہے۔ (۳۔۶)

پھر ان مجرموں کے مکروہ چہرے سامنے لاتی ہے جو آیات الٰہیہ سننے کے باوجود انکار واستکبار کی نہیں چھوڑتے اور یوں بن جاتے ہیں گویا انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔ (۷۔۹)

علاوہ ازیں یہ سورت ان نعمتوں کا بھی تذکرہ کرتی ہے جو اللہ نے بنی اسرائیل کو کتاب حکمت، نبوت، پاکیزہ روزی اور اہل جہاں پر فضیلت اور عزت کی صورت میں عطا کی تھیں، چاہیے تو یہ تھا کہ ان نعمتوں سے سرفراز ہونے کے بعد وہ عجز واطاعت کا راستہ اختیار کرتے لیکن ہوا یہ کہ وہ بتدریج سرکشی اور معصیت کی راہ پر چل نکلے۔ (۱۶۔۱۷)

ماضی کے یہ واقعات کفار مکہ بلکہ ہر زمانے کے کفار کو سمجھانے کے لیے بیان کیے جاتے

ہیں، کفار، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ہوں یا موجودہ زمانے کے، ان کے کفر وانکار کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہیں (۲۴۔۲۵)

جب کہ قرآن بار بار اس دن پر ایمان لانے کی تاکید کرتا ہے جس دن نیک اور بد ہر کسی کو اس کے اعمال کا بدلہ مل کر رہے گا، قرآن کا انداز کہیں حاکمانہ اور کہیں ناصحانہ ہوتا ہے، کہیں خبر کا اسلوب ہوتا ہے اور کہیں انشاء کا۔ کہیں سوال وجواب ہوتا ہے اور کہیں یوں منظر کشی کی جاتی ہے گویا قرآن پڑھنے والا اس دنیا میں قیامت کے واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اس سورت کے آخر میں بھی منظر کشی والا انداز اختیار کیا گیا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ قیامت قائم ہو چکی ہے، حشر کا میدان ہے، لوگ خوف کے مارے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہیں، اللہ بندوں سے مخاطب ہے، کہا جا رہا ہے کہ تم نے قیامت کو بھلا دیا تھا۔ آج تمہیں بھلا دیا گیا ہے، تم آیاتِ الٰہیہ کا مذاق اڑایا کرتے تھے، آج تم خود مذاق بن کر رہ گئے ہو۔ (۲۸۔۳۵)

پارہ 26

سورۃ الاحقاف.....سورۂ احقاف مکی ہے، اس میں ۳۵ آیات اور ۴ رکوع ہیں، اس سورت کا موضوع بھی دوسری مکی سورتوں کی طرح تینوں اسلامی عقائد کا اثبات ہے، سورت کی ابتدا ہوتی ہے قرآن کریم کی حقانیت، توحید اور حشر کے دلائل اور ان بتوں کی مذمت سے جنہیں مشرکوں نے معبود بنا رکھا تھا، حالانکہ وہ نہ سنتے تھے، نہ دیکھتے تھے، نہ نفع اور نقصان ان کے اختیار میں تھا اور نہ ہی وہ پرستش کرنے والوں کی دعائیں قبول کر سکتے تھے۔ (۲_۶)

مذکورہ بالا کے علاوہ سورۂ احقاف کے اہم مضامین درج ذیل ہیں:

① ......مشرکین کے سامنے جب قرآن پڑھا جاتا تھا تو وہ اس پر مختلف شبہات اور اعتراضات وارد کرتے تھے، وہ کبھی تو اسے سحر کہتے تھے اور کبھی آپ کا خود تراشیدہ کلام قرار دیتے تھے، اور کبھی ایمان والوں کے بارے میں کہتے تھے کہ اگر ایمان کوئی اچھی چیز ہوتا تو یہ فقیر، غریب اور مزدور لوگ ایمان قبول کرنے میں ہم سے سبقت نہ لے جاتے۔ مشرکین کے اعتراضات ذکر کرنے کے بعد ان کے مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔ (۷_۱۲)

② ......سورۂ احقاف ہمارے سامنے دو متضاد نمونے پیش کرتی ہے، پہلا نمونہ نیک بیٹے کا ہے جس کا دل نور ایمان سے منور ہے اور اس کے قدم جادۂ شریعت پر مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں، جب اس کے والدین اسے پال پوس کر جوان کر دیتے ہیں، وہ جسمانی اور عقلی اعتبار سے حد کمال کو پہنچ جاتا ہے تو وہ اللہ سے تین دعائیں کرتا ہے:

پہلی یہ کہ اے اللہ! تو مجھے نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔

دوسری یہ کہ ایسے اعمال کا کرنا میرے لیے آسان کر دے جن سے تو راضی ہو جائے۔

تیسری یہ کہ میری اولاد کو نیک بنا دے۔

ایسی اولاد کے لیے اللہ کی طرف سے جنت کا وعدہ ہے (۱۵_۱۶)۔ دوسرا نمونہ شقی اور نافرمان بیٹے کا ہے، جس کے والدین اسے ایمان قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں تو وہ جواب میں

بڑے تکبر سے کہتا ہے: ''اُف اُف! تم مجھے یہ بتاتے ہو کہ مجھے (زمین سے زندہ کر کے) نکالا جائے گا، حالانکہ بہت سے لوگ مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں'' ان میں سے تو کسی کو میرے سامنے زندہ نہیں کیا گیا)۔ (۱۷)

پہلا نمونہ ایمان اور ہدایت والوں کا ہے، دوسرا نمونہ اہل کفر وطغیان کا ہے، دونوں کو اپنے اپنے اعمال کا بدلہ مل کر رہے گا۔

③ ...... یہ دو متضاد نمونے بیان کرنے کے بعد سورۂ احقاف قوم کا قصہ بیان کرتی ہے جنہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلایا، جس کے نتیجے میں انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا، انہیں عذاب دینے کے لیے بادل بھیجا گیا، چونکہ کئی دنوں سے شدید گرمی پڑ رہی تھی اس لیے وہ بادل دیکھ کر خوش ہو گئے اور انہیں یقین آ گیا کہ آج تو موسلا دھار بارش ہو گی، وہ خوشی کے مارے گھروں سے باہر نکل آئے، اس بادل کے نمودار ہوتے ہی تیز اور طوفانی ہوا چلنے لگی۔ قوم عاد کے لوگ بڑے قد آور اور جسیم تھے، ہوا نے انہیں اپنے دوش پر اٹھایا اور فضا میں لے گئی، یوں محسوس ہوتا تھا کہ کیڑے مکوڑے اڑ رہے ہیں پھر انہیں زمین پر پٹک دیا، وہ زمین پر مردار پڑے یوں محسوس ہوتے تھے گویا کھجور کے کھوکھلے تنے پڑے ہوئے ہیں قوم عاد کا واقعہ سنا کر اہل مکہ کو ڈرایا گیا ہے کہ تم ان سے زیادہ طاقتور نہیں ہو، اگر سرکشی اختیار کرو گے تو تم بھی عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آ کر رہو گے۔ (۲۱-۲۶)

④ ......سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ جو اللہ ارض وسما کو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ مردوں کو بھی دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔ (۳۳) اور آخری آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اولوالعزم انبیاء کی طرح صبر کریں، صبر کا انجام ہمیشہ اچھا ہی ہوتا ہے۔

سورۃ محمد ......سورۂ محمد مدنی ہے، اس میں ۳۸ آیات اور ۴ رکوع ہیں، ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی قرآن کریم کی صرف چار سورتوں میں مذکور ہے۔ آل عمران، احزاب، محمد اور سورۂ فتح...... ان چار مواقع کے علاوہ باقی تمام مقامات پر آپ کی کوئی نہ کوئی صفت بیان ہوئی ہے، اس سورت کو ''سورۃ القتال'' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں کفار کے ساتھ قتال کے احکام کا بیان ہے، اس سورت کا موضوع حقیقت میں جہاد وقتال ہے۔ سورت کی ابتدا میں کفار اور مومنین کے درمیان فرق بیان کیا گیا ہے، کفار باطل کی اتباع کرتے ہیں اور اہل ایمان حق کی اتباع کرتے ہیں۔ (۱-۳)

جب انسانوں میں ان دو گروہوں کو وجود ہو گا تو ان کے درمیان کشمکش بھی ہو گی، ٹکراؤ بھی

ہوگا، معرکہ کارزار بھی گرم ہوگا اس لیے فرمایا گیا کہ: ''جب تم کافروں سے ٹکراؤ تو ان کی گردنیں اڑادو یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو باقی بچیں انہیں) مضبوطی سے قید کرلو''

ان قیدیوں کو بطور احسان بھی آزاد کیا جا سکتا ہے اور فدیہ لے کر بھی چھوڑا جا سکتا ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ اپنے قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کرلیا جائے اور چوتھی امکانی صورت یہ بھی ہے کہ انہیں غلام اور لونڈی بنالیا جائے لیکن لونڈی اور غلام بنانا فرض یا واجب کا درجہ نہیں رکھتا، جس وقت جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی اجازت دی گئی اس وقت پوری دنیا میں نہ صرف یہ کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنالینے کا رواج تھا۔ بلکہ ظالم لوگ ایسے آزاد انسانوں کو بھی غلام بنالیتے تھے جن کا کوئی وارث یا طاقتور خاندان نہیں ہوتا تھا، یہ مظلوم طبقہ کسی بھی قسم کے انسانی حقوق سے محروم تھا، اسلام نے ان کے حقوق متعین کیے۔ انہیں آزاد کرنے کے فضائل بتائے اور ان کے خون کو حرمت بخشی، یہ اسلام کے حقوق دینے ہی کا نتیجہ تھا کہ تاریخ اسلام ایسے بے شمار غلاموں کا تذکرہ ملتا ہے جن میں سے کوئی مفسر تھا اور کوئی محدث، کوئی فاتح اور کوئی وزیر اور فرمانروا، مسلمانوں نے کبھی بھی ان کی سابقہ غلامی کی وجہ سے انہیں حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ صدقہ خیرات کے دوسرے مصارف کی طرح مسلمانوں نے ایک اہم مصرف غلاموں کے ساتھ تعاون اور انہیں خرید کر آزاد کرنے کا بھی طے کر رکھا تھا، قرون اولیٰ کے مسلمان، گردنوں کو آزاد کرنے اور کرانے میں کتنی دلچسپی رکھتے تھے اس کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے جس کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف ایک صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار غلام خرید کر آزاد کیے۔ سورۃ القتال بتاتی ہے کہ اگر مسلمان اللہ کے دین پر استقامت دکھائیں گے اور اس کی نصرت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے تو اللہ ان کی مدد کرے گا اور انہیں ثابت قدم رکھے گا (۷)

اللہ نے اس جنت کی ایک جھلک بھی اس سورت میں بیان کی ہے جس کا ایمان والوں سے وعدہ کیا گیا ہے (۱۲-۱۵)

ایمان والوں کے مقابلے میں منافقوں کا حال بھی بتایا گیا ہے، آیات قتال سن کر ایمان والوں کی قوت ایمانی میں اضافہ ہو جاتا ہے جب منافقوں پر موت کی سی بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ (۲۰-۲۱)

جہاد و قتال اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دیتے ہوئے آخر میں گویا وعید کے انداز میں کہا گیا ہے: ''اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے۔'' (۳۸)

سورۃ الفتح...... سورۂ فتح مدنی ہے، اس میں ۲۹ آیات اور ۴ رکوع ہیں، یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، بخاری اور ترمذی میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آج شام مجھ پر ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا و مافیہا سے بھی زیادہ محبوب ہے۔''

پھر آپ نے سورۂ فتح کی ابتدائی آیات کا کچھ حصہ تلاوت کیا، اس سورت کے مضامین بسہولت سمجھنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کر دیا جائے۔ ہوا یوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں خواب دیکھا کہ ہم مکہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کا طواف کیا، جب آپ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے یہ خواب بیان کیا تو انہیں بے حد خوشی ہوئی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی کا خواب برحق ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعد ۶ھ میں ۱۴۰۰ یا ۱۵۰۰ صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، جب آپ مکہ اور مدینہ کے درمیان پہنچے تو آپ کو بشر بن سفیان نے اطلاع دی کہ مکہ والے آپ کی روانگی کی اطلاع پا کر باقاعدہ جنگ کی تیاری کر رہے ہیں، چنانچہ آپ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قاصد بنا کر بھیجا تاکہ وہ مکہ والوں کو سمجھائیں کہ ہم جنگ کی نیت سے نہیں آئے۔ ہمارا مقصد عمرہ اور زیارت کے سوا کچھ نہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ افواہ پھیل گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے، آپ نے درخت کے نیچے بیٹھ کر اپنے اصحاب سے عدم فرار پر بیعت لی، اس بیعت کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے کیونکہ تمام شرکاء بیعت کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ میں ان سے راضی ہو گیا ہوں۔ (۱۸)

یہ افواہ بعد میں جھوٹی ثابت ہوئی، پھر مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا۔ قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو آئے، بات چیت ہوتی رہی، بالآخر معاہدہ صلح ہو گیا جس کے مطابق دونوں فریق دس سال تک آپس میں امن و امان سے رہنے اور جنگ نہ کرنے پر متفق ہو گئے۔ اس معاہدہ کی بعض شقوں سے بظاہر مسلمانوں کی کمزوری ثابت ہوتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے فتح مبین قرار دیا، اس صلح کا فتح مبین ہونا اس وقت بعض مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا لیکن بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ واقعی یہ فتح مبین تھی اور ابتدا اسلام سے اب تک مسلمانوں کو اس سے بڑی فتح حاصل نہیں ہوئی۔ جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حدیبیہ میں مسلمانوں کی تعداد کم و بیش ۱۴۰۰ تھی جبکہ صرف دو سال بعد جب ۸ھ میں مکہ فتح ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر قیادت لشکر مجاہدین کی تعداد دس ہزار تھی، یہ انقلاب معاہدۂ امن کی وجہ سے برپا ہوا، جب مصالحت کے بعد مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ میل جول اور معاملات شروع کیے تو مسلمانوں

کے کردار کی پختگی، زبان کی سچائی، دامن کی عفت وعصمت اور معاملات کی صفات نے مشرکوں کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ آخر وہ کون سی مخفی قوت ہے جس نے کل کے شرابیوں اور راہزنوں کو زاہد وپارسا بنادیا ہے۔ ظاہر ہے یہ قوت صرف ایمان کی تھی، اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد ان کی گردنیں خود بخود ایمان کے سامنے جھک گئیں، سورۂ فتح اسی صلح حدیبیہ کے پس منظر میں نازل ہوئی اس لیے اس میں ان واقعات کی طرف اشارے ملتے ہیں جن کا اس کے ساتھ تعلق اور مناسبت ہے۔ ابتدائی آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم ترین فتح کی بشارت سنائی گئی ہے، ایمان والوں کے ساتھ جنت کا وعدہ ہے اور کافروں اور منافقوں کے لیے وعید ہے۔(۱۔۶)

پھر یہ سورت دو متضاد گروہوں کا تذکرہ کرتی ہے: پہلا گروہ ان مخلص اہل ایمان کا ہے جنہوں نے وطن سے دور اور غیر مسلح ہونے کے باوجود ہر چہ باداباد کہتے ہوئے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور یہ عہد کیا کہ آپ کی قیادت میں فتح یا شہادت تک قتال کریں گے اور میدان جنگ سے راہ فرار اختیار نہیں کریں گے، رب کریم کو ان کا یہ جذبہ پسند آیا اور فرمایا: ''جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے'' (۱۰)

اگلی آیات میں ہے: ''(اے پیغمبر!) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے تو اللہ ان سے خوش ہوگیا اور ان کے دلوں میں (جو ایمانی جذبہ) تھا اس نے اسے جان لیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی'' (۱۸)

دوسرا گروہ ان منافقوں کا تھا جو حدیبیہ میں آپ کے ساتھ نہیں گئے تھے اور ان کا باطل گمان یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ جانے والے مسلمان مکہ سے زندہ سلامت واپس نہیں آسکیں گے۔ اللہ نے ان منافقین کے بارے میں اپنے نبی کو پیشگی اطلاع دے دی کہ جب آپ واپس جائیں گے تو یہ اپنے پیچھے رہ جانے کے بارے میں جھوٹے اعذار پیش کریں گے۔(۱۱۔۱۲)

سورۂ فتح وہ خواب بھی بیان کرتی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں داخل ہونے کے بارے میں دیکھا تھا۔(۲۷)

اس سورت کے اختتام پر تین امور بیان کیے گئے ہیں: پہلا یہ کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق دے کر اس لیے بھیجا ہے تاکہ آپ اسے سارے ادیان پر غالب کردیں (ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت سے پہلے ایسا ہوکر رہے گا، جہاں تک علمی اور برہانی غلبہ کا تعلق ہے وہ

آج بھی دین اسلام کو ادیان عالم پر حاصل ہے)(۲۸)

دوسرے نمبر پر آپ کے صحابہ کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ کفار کے مقابلے میں بڑے سخت اور آپس میں بڑے مہربان ہیں، اور وہ سب رضاء الٰہی کے طالب ہیں اور آخر میں ان لوگوں کے ساتھ مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے، جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ (اے اللہ! تو ہمیں بھی ان میں سے بنادے۔ آمین)

سورۃ الحجرات......سورۂ حجرات مدنی ہے، اس میں ۱۸ آیات اور ۲ رکوع ہیں، حجرات حجرہ کی جمع ہے گھر اور کمرے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس میں ان بدوؤں اور دیہاتیوں کا ذکر ہے جو ادب سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عوامی انداز میں کمرے کے باہر سے آوازیں دیا کرتے تھے اس لیے اسے سورۂ حجرات کہا جاتا ہے، چونکہ اس سورت میں مکارم اخلاق بھی بیان ہوئے ہیں اس لیے اسے ''سورۃ الاخلاق والآداب'' بھی کہا جاتا ہے، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو پانچ مرتبہ ''یا ایھا الذین آمنوا'' کہہ کر خطاب کیا ہے، اس سورت کے اہم مضامین کو بالترتیب یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

① ......اس کی ابتدا میں اللہ اور اس کے رسول کا ادب بیان کیا گیا ہے، وہ یہ کہ مومن کو چاہیے کہ جب تک اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو نہ جان لے، اپنی رائے اور فیصلے کا ہرگز اظہار نہ کرے، یونہی عملی زندگی میں کتاب وسنت سے اعراض کرتے ہوئے اپنے فیصلے خود نہ کرے، اس سے اگلی آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے نبی سے خطاب کرتے ہوئے اپنی آواز پست رکھا کریں، یونہی آپ کا نام کنیت ذکر کیا۔ ایسے نہ پکارا کریں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔ (۱۔۲)

② ......اجتماعی اور معاشرتی آداب بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ افواہوں پر کان مت دھرا کرو اور اگر کوئی ایسا ویسا آدمی کوئی خبر تم تک پہنچائے تو اس کے بارے میں تحقیق کرلیا کرو، خبروں کے بارے میں تحقیق کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ اصحاب رسول کو خطاب کرتے ہوئے ان کی تعریف بھی کی گئی ہے کہ ''اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا ہے اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کردیا ہے۔'' (۷)

③ ......اڑتی ہوئی افواہوں پر اعتماد بسا اوقات باہمی قتل وقتال تک پہنچا دیتا ہے، اس لیے سمجھایا گیا ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں برسر پیکار ہوجائیں تو ان کے درمیان صلح کرادیا

کرو۔ کیونکہ دنیا بھر کے مسلمان خواہ گورے ہوں یا کالے، امیر ہوں یا غریب، عربی ہوں یا عجمی سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

④......اس کے بعد چھ ایسی معاشرتی خرابیوں اور برائیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن کی وجہ سے باہمی تعلقات بھی متاثر ہوتے ہیں اور ان میں مبتلا انسان اللہ کی نظر میں بھی اچھا شمار نہیں ہوتا۔

پہلی برائی جس سے منع کیا گیا ہے وہ ہے ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، عام طور پر ایک شخص دوسرے کا مذاق اس وقت اڑاتا ہے جب وہ اسے حقیر اور اپنے آپ کو اس سے بہتر سمجھتا ہے، اس لیے فرمایا گیا کہ جن کے ساتھ تم تمسخر کر رہے ہو، ہوسکتا ہے وہ اللہ کی نظر میں تم سے بہتر ہو۔

دوسری برائی یہ ہے کہ ایک دوسرے پر عیب لگانا، طعنہ دینا، ذلیل اور رسوا کرنا۔

تیسری برائی یہ ہے کہ کسی کو برے لقب سے پکارنا یا اس کا نام بگاڑنا۔

چوتھی برائی یہ ہے کہ کسی کے بارے میں بدگمانی کرنا، اللہ کے نبی نے بدگمانی کو بدترین جھوٹ قرار دیا ہے۔

پانچویں برائی یہ ہے کہ مسلمانوں کے عیوب اور کمزوریوں کو تلاش کرنا اور ان کی ٹوہ میں لگے رہنا۔

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اے وہ لوگو! کہ اپنی زبان سے تو ایمان لائے ہو مگر تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا تم مسلمانوں کے عیوب کی ٹوہ میں مت لگو، جو ایسا کرے گا اسے اللہ تعالیٰ گھر کے اندر رسوا فرما دے گا۔

چھٹی معاشرتی برائی جس سے ان آیات میں منع فرمایا گیا ہے، وہ ہے ایک دوسرے کی غیبت کرنا، غیبت کرنے کو اللہ تعالیٰ نے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔ (۱۱۔۱۲)

غیبت کرنے کی اللہ تعالیٰ نے ایسی مثال بیان فرمائی ہے جس سے ہر سلیم الطبع انسان نفرت کرتا ہے:

- ......غیبت کرنے والا کسی جانور کا نہیں بلکہ انسان کا گوشت کھاتا ہے۔
- ......جس انسان کا گوشت یہ کھا رہا ہے وہ کوئی غیر نہیں ہے بلکہ اس کا بھائی ہے۔
- ......وہ گوشت کسی زندہ کا نہیں بلکہ مردہ کا ہے۔

⑤......باہمی تعلقات کی خرابی کا ایک بڑا سبب حسب نسب اور مال و دولت پر فخر و غرور بھی ہوتا ہے اس لیے سورۂ حجرات میں اس کی بھی جڑ کاٹ دی گئی ہے اور واضح کر دیا گیا ہے کہ قوم، قبیلہ، ذات پات اور رنگ و نسل جیسی غیر اختیاری چیزوں میں سے کوئی چیز بھی انسان کو اللہ کے ہاں مکرم

اور محبوب نہیں بناتی ہے، اللہ کے ہاں عزت کا معیار صرف تقویٰ ہے یعنی ہر قسم کے شرک اور حرام سے بچنا اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی عار اور آباء پر تفاخر کو ختم کردیا ہے، لوگ بس دو ہی قسم کے ہیں، کچھ لوگ وہ ہیں جو نیک متقی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہیں اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کی نظر میں شقی اور ذلیل ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہے۔''

(٦)...... آخری آیات میں بتایا گیا ہے کہ صرف لفظی اور ظاہری ایمان کا اعتبار نہیں بلکہ اللہ کے ہاں اس ایمان کا اعتبار ہے جو دلوں میں پیوست ہو جائے اور مومن کو اللہ کی راہ میں مال و جان کی قربانی پر آمادہ کردے۔

سورۂ ق...... سورۂ ق مکی ہے، اس میں ۴۵ آیات اور ۳ رکوع ہیں، یہ سورت اسلام کے بنیادی عقائد پر مشتمل ہے، اسے عام طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ اور عیدین جیسے بڑے اجتماعات میں پڑھا کرتے تھے۔ اس سورت کی ابتدا میں قرآن مجید کی قسم کھائی گئی ہے اور قسم کا جواب محذوف ہے یعنی کلام میں مذکور نہیں اور وہ ہے لَيُبْعَثُنَّ (انہیں مرنے کے بعد دوبارہ ضرور زندہ کیا جائے گا) یہ سورت بتاتی ہے کہ مشرکین کو دوسری زندگی اور انہیں میں سے ایک انسان کے نبی بننے پر بڑا تعجب ہوتا تھا۔ (۲۔۳)

حالانکہ محسوسات کی اس دنیا میں ایسے عجائبات اور مخلوقات کی کوئی کمی نہیں جن میں غور وفکر کر کے انسان اللہ کی بے پناہ قدرت کا ادراک کر سکتا ہے (۶۔۱۱)

ان سے پہلے قوم نوح، قوم ثمود، قوم عاد، قوم لوط، فرعون اور قوم شعیب بھی انہیں کی طرح تکذیب کا راستہ اختیار کر کے ہلاکت سے دوچار ہو چکے ہیں۔ (۱۲۔۱۴)

یہ سورت انسان کو اس کی مسئولیت کا احساس دلاتی ہے کہ انسان کے دل میں جو وساوس اور خیالات گزرتے ہیں ان تک کا اللہ کو علم ہے اور اس کے ساتھ دو فرشتے مقرر ہیں جو اس کے اعمال واقوال کی نگرانی کرتے ہیں، جب موت آئے گی تو وہ انسان کے اعمال نامہ کو لپیٹ دیں گے اور پھر اسے میدان حشر میں اپنے اعمال کا حساب اور جواب دینا ہوگا۔ (۱۶۔۳۷)

سورت کے اختتام پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی بے ہودہ گوئی پر صبر کی تلقین اور صبح و شام اللہ کی تسبیح اور عبادت کی تلقین کی گئی ہے (۳۹۔۴۰)

آخری آیت میں فرمایا گیا: ''یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے اور تم ان پر

زبردستی کرنے والے نہیں ہو، جو ہمارے (عذاب کی) وعید سے ڈرے اسے قرآن سے نصیحت کرتے رہو۔'' (۴۵)

سورۃ الذاریات.....سورۂ ذاریات مکی ہے، اس میں ۶۰ آیات اور ۳ رکوع ہیں، اس سورت کے آغاز میں چار قسم کی ہواؤں کی قسم کھا کر اللہ فرماتے ہیں کہ ''جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سچ ہے اور انصاف کا دن ضرور واقع ہوگا'' (۱۔۶)

پھر آسمان کی قسم کھا کر فرمایا کہ: ''تم ایک متناقض بات میں پڑے ہوئے ہو''

کل کے کافر ہوں یا آج کے کافر ہوں، یہ سب کسی ایک بات پر متفق نہیں، قیامت کے بارے میں، قرآن اور صاحب قرآن کے بارے میں ان کے اقوال بالکل مختلف ہیں۔ پھر یہ سورت متقین کا اچھا انجام اور ان کی اعلیٰ صفات بھی بتاتی ہے کہ وہ نیک اعمال کرتے ہیں، رات کو کم سوتے ہیں، سحر کے وقت توبہ اور استغفار کرتے ہیں، ان کے اموال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں دونوں کا حق ہوتا ہے، متقین کی صفات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت کے تین دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔

پہلی نشانی زمین ہے، ارشاد ہوتا ہے: ''اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں'' (۲۰)

زمین گول ہونے کے باوجود ایسے بچھا دی گئی ہے جیسے کوئی بچھونا بچھایا جاتا ہے، اس میں آنے جانے والوں کے لیے راستے ہیں، اس میں میدان بھی ہیں، پہاڑ بھی سمندر بھی، دریا بھی، گنگناتے چشمے بھی ہیں اور لوہے، تانبے، سونا، چاندی، کوئلہ اور پٹرول جیسی خاموش معدنیات بھی اس میں رب تعالیٰ نے وہ سب کچھ رکھ دیا ہے جس کی انسانوں کو زندگی گزارنے کے لیے ضرورت پیش آ سکتی ہے۔

دوسری نشانی خود انسان ہے جو کہ حقیقت میں عجائب میں سے سب سے بڑا عجوبہ ہے، کروڑوں اور اربوں انسانوں میں سے ہر ایک کی صورت رنگ، چلنے کا انداز، لہجہ، آواز، طبیعت اور عقلی سطح مختلف ہے، اسے سننے دیکھنے، بولنے، سوچنے، محسوس کرنے، سانس لینے، ہضم کرنے، خون کی گردش، رگوں کے پھیلاؤ اور اعصاب کا ایسا باریک اور محکم نظام دیا گیا ہے جس کے مقابلے جدید سے جدید ترین آٹو میٹک آلات کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے اسی لیے فرمایا گیا ہے: ''اور خود تمہارے نفوس میں (بھی نشانیاں ہیں) کیا تم دیکھتے نہیں'' (۲۱)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جو شخص اپنی تخلیق کے بارے میں غور وفکر کرے گا وہ

جان لے گا کہ اسے پیدا کیا گیا ہے اور اس کے جوڑ اعضاء عبادت کے لیے نرم ہو جائیں گے۔"
تیسری نشانی یوں بیان کی گئی ہے: "اور تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے" (۲۲)

انسان کی زندگی اور اسباب زندگی کی فراہمی کا بہت زیادہ انحصار آسمان پر ہے، بارش برستی ہے جس سے زمین پر بسنے اور اگنے والی ہر چیز کو بشمول انسان زندگی حاصل ہوتی ہے، اگر سورج طلوع نہ ہو تو نہ کوئی کھیتی اگے، نہ کوئی جانور دودھ دے، ثابت ہوا کہ انسانی زندگی بارش کے برسنے اور شمس و قمر کے ظہور پر موقوف ہے، موسموں کا ادل بدل بھی انہی سے تعلق رکھتا ہے جو کہ غلہ جات کو اگانے اور پکانے میں خاص تاثیر رکھتا ہے۔

پارہ ۲۶ کی آخری آیات میں ان فرشتوں کا ذکر ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمانوں کی شکل میں آئے تھے اور آپ نے انہیں انسان سمجھتے ہوئے اپنی کریمانہ عادت کے مطابق بچھڑا ذبح کر کے فوراً کھانا تیار کر لیا تھا۔ (۲۴۔۲۷)

پارہ 27

چھبیسویں پارہ کے آخر میں ان فرشتوں کا ذکر تھا جنہیں حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام عام مہمان سمجھے تھے، جب آپ پر ان کی حقیقت کھلی اور پتہ چلا کہ یہ فرشتے ہیں تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کس مہم پر آئے ہو، انہوں نے بتایا کہ ہمیں قوم لوط پر پتھروں کی بارش برسانے اور انہیں تباہ کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے،قوم لوط کے علاوہ سورۂ ذاریات،فرعون،قوم، عاد،قوم ثمود اور قوم نوح کا انجام بتلانے کے بعد ارض وسما کی تخلیق کی طرف متوجہ کرتی ہے اور اس علمی تحقیق کا اعلان کرتی ہے کہ اللہ نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔(۴۹)

سورت کے اختتام پر جن وانس کی تخلیق کا مقصد بتایا گیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور عبادت ہے اور یہ خبر دی گئی ہے کہ ساری مخلوق کے رزق کا اللہ کفیل ہے اور کفار و مشرکین کو قیامت کے دن کے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

سورۃ طور......سورۂ طور مکی ہے، اس میں ۴۹ آیات اور ۲ رکوع ہیں، اس سورت کی ابتدا میں پانچ قسمیں کھا کر فرمایا:''بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا، اسے کوئی بھی ٹال نہیں سکتا''(۸)

ان آیات کی تفسیر کے ضمن میں بعض مفسرین نے دلوں پر قرآن کی شدت تاثیر کے حوالے سے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ زمانۂ کفر میں بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں بات چیت کرنے کے لیے مدینہ منورہ آئے، وہ جب پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب میں سورۂ طور کی تلاوت فرما رہے تھے، جب آپ نے آیت ۷ پڑھی جس کا ترجمہ ہے:''بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا''

تو حضرت جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے یوں لگا کہ میرا دل پھٹ جائے گا چنانچہ میں نے نزول عذاب کے ڈر سے اسلام قبول کرلیا، پھر جب آپ نے آیت ۳۵ اور ۳۶ تلاوت

فرمائی جس میں اللہ تعالیٰ سوال فرماتے ہیں: ''کیا یہ کسی کے پیدا کیے بغیر ہی پیدا ہو گئے یا انہوں نے خود ہی اپنے آپ کو پیدا کر لیا یا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ یقین ہی نہیں رکھتے'' تو فرماتے ہیں کہ یہ آیات سن کر مجھے خیال ہوا کہ میرا دل اور ہوش وحواس اڑ جائیں گے''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک شب مدینہ منورہ کی گلی کوچوں میں طواف کرتے ہوئے ان کا گزر ایک مسلمان کے گھر کے پاس سے ہوا جو نماز میں سورۂ طور کی ابتدائی آیات تلاوت کر رہا تھا جب وہ تلاوت کرتے ہوئے اس آیت تک پہنچا: ''ان عـذاب ربک لـواقـع '' تو آپ گدھے سے اتر پڑے اور کافی دیر تک ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے رہے پھر ایک مہینہ تک آپ گھر ہی میں رہے، لوگ آپ کی عیادت کے لیے آتے تھے مگر انہیں آپ کی بیماری کا سبب معلوم نہ تھا۔ تاثیر قرآن کے بے شمار واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں مگر تمام واقعات کا جمع کرنا مقصود نہیں ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ ہم ان واقعات سے سبق حاصل کریں اور ہم بھی قرآن کی تلاوت اور سماع غور و تدبر سے کریں تا کہ ہمارے دل بھی متاثر ہوں۔

اس کے بعد یہ سورت متقین کے دائمی مسکن یعنی جنت کا تذکرہ کرتی ہے کہ وہاں انہیں حور وغلمان، لذیذ پھل، گوشت اور لبالب جام جیسی نعمتیں مہیا ہوں گی، پھر وہ آپس میں بات چیت کرتے ہوئے کہیں گے: ''ہم اس سے پہلے اپنے گھر والوں کے درمیان ڈرا کرتے تھے، پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں تیز گرم ہواؤں کے عذاب سے بچالیا، ہم اس سے پہلے ہی اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ بیشک وہ محسن اور مہربان ہے۔'' (۲۸۔۲۶)

اگلی آیات میں یہ سورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے بارے میں مشرکین کے موقف کی وضاحت کرتی ہے کہ وہ آپ کے ساتھ استہزاء کرتے تھے اور آپ کو کاہن اور مجنون قرار دیتے تھے۔ اللہ نے نبی کو حکم دیا کہ آپ دعوت وتذکیر کا سلسلہ جاری رکھیں، یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ سورت کے اختتام پر مشرکین کے باطل خیالات کی تردید کی گئی ہے۔ الوہیت اور وحدانیت پر دلائل قائم کیے ہیں اور ان احمقوں کی مذمت کی گئی ہے جو ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ ودعوت میں صبر کرنے اور اللہ کی تسبیح وتحمید کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ خبر دی گئی ہے کہ اللہ آپ کی حفاظت کرے گا اور ظالموں کو دو عذابوں کا سامنا کرنا پڑے گا، ایک دنیا کا عذاب اور دوسرا آخرت کا عذاب۔ (۴۷)

سورۃ النجم ...... سورۂ نجم مکی ہے، اس میں ۶۲ آیات اور تین رکوع ہیں، اس سورت کے اہم

مضامین درج ذیل ہیں:

① ...... اس سورت کی ابتدا میں گرتے ہوئے ستارے کی قسم کھا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت بیان کی گئی ہے اور آپ کے معجزۂ معراج کا ذکر ہے جس میں آپ نے اللہ کی قدرت و بادشاہت کے عجائب وغرائب کا مشاہدہ کیا، حضرت جرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دیکھا، جنت، دوزخ، بیت معمور اور سدرۃ المنتہیٰ جیسی آیات اور نشاندیوں کی زیارت کی۔ (۱۔۱۸)

② ...... سورۂ نجم مشرکین کی مذمت کرتی ہے جو لات وعزیٰ اور منات جیسے بتوں کی عبادت کرتے تھے اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ (۱۹۔۹۳)

③ ...... یہ سورت قیامت کا تذکرہ کرتی ہے جہاں نیک اور برے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، متقین کے بارے میں بتاتی ہے کہ وہ بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور کفار کے بارے میں بتلایا گیا کہ وہ اسلام سے اعراض کرتے ہیں۔ (۳۵۔۳۲)

④ ...... یہ سورت بتاتی ہے کہ ہر شخص انفرادی طور پر اپنے اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے، کسی کے گناہوں کا بوجھ دوسرے پر نہیں لادا جائے گا اور انسان جو اپنی تعریف خود کرتا ہے اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ (۴۲۔۴۳)

⑤ ...... یہ سورت کریمہ قدرت و وحدانیت کے بعض دلائل ذکر کرتی ہے، مثلاً یہ کہ اللہ ہی ہنساتا اور وہی رلاتا ہے، وہی مارتا اور زندہ کرتا ہے، اسی نے نر اور مادہ کو پیدا کیا ہے، اسی کے ذمے دوبارہ پیدا کرنا ہے کہ وہی مالدار بناتا اور سرمایہ دیتا ہے، اسی نے نافرمان قوموں کو ہلاک کیا۔ (۴۳۔۵۵)

سورت کے اختتام پر قرآن کے بارے میں مشرکین کا جو رویہ تھا اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ: ''پس کیا تم اس کلام سے تعجب کرتے ہو، ہنس رہے ہو روتے نہیں ہو؟ بلکہ تم کھیل رہے ہو اب اللہ کے سامنے سجدے کرو اور اسی کی عبادت کرو۔'' (۶۲۔۵۹)

سورۃ القمر ...... سورۂ قمر مکی ہے، اس میں ۵۵ آیات اور ۳ رکوع ہیں، اس سورت میں وعدے بھی ہیں، وعیدیں بھی ہیں۔ مومنوں کے لیے بشارتیں بھی ہیں اور کفار کے لیے ڈراوے بھی ہیں، مواعظ اور عبرتیں بھی ہیں اور نبوت ورسالت، بعث ونشور اور قضاء وقدر جیسے بنیادی عقائد بھی ہیں۔

اس سورت کے اہم مضامین کی چند جھلکیاں یوں پیش کی جاسکتی ہیں۔

① ...... اس سورت کی پہلی آیت میں قرب قیامت اور شق قمر کا ذکر ہے، قیامت کے قریب

آ جانے کا مطلب یہ ہے کہ نبوت محمدیہ کے بعد کا زمانہ اس زمانے کے مقابلے میں بہت کم ہے جو آپ سے پہلے گزر چکا ہے، بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت شہادت اور درمیان والی انگلی اٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''مجھے اور قیامت کو یوں بھیجا گیا ہے''۔

''شق قمر'' ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور معجزہ ہے، جب اہل مکہ نے آپ سے معجزہ کا مطالبہ کیا تو آپ نے چاند کی طرف اشارہ فرمایا تو اس کے دو ٹکڑے ہو گئے لیکن جن کے مقدر میں ہدایت نہ تھی وہ کہاں ماننے والے تھے اسی لیے فرمایا گیا: ''اگر یہ کوئی بھی معجزہ دیکھ لیں تو منہ پھیر لیں گے اور کہہ دیں گے کہ یہ پہلے سے چلا آتا ہوا جادو ہے'' (۳)

اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ آپ ان سے اعراض فرمائیں اور اس دن کا انتظار کریں جب یہ قبروں سے اس حال میں کھڑے ہوں گے کہ ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی، چہروں پر ذلت کی سیاہی چھائی ہوگی، پکارنے والے کی طرف دوڑتے ہوئے جائیں گے اور وہ خود کہیں گے کہ یہ دن تو ہمارے لیے بڑا سخت ثابت ہوا ہے۔ (۸)

② ......اس کے بعد یہ سورت کفار مکہ کو ڈراتی ہے کہ کہیں تم پر بھی ویسا ہی عذاب نہ آ جائے جیسا عذاب تم سے پہلی اقوام پر آیا کیونکہ تم بھی انہی جرائم کا ارتکاب کر رہے ہو جن جرائم کا ارتکاب وہ کرتی تھیں، یہاں جن تباہ شدہ اقوام کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے، ان کی تباہی کا قصہ بیان کرنے کے بعد عام طور پر یہ سوال بار بار کیا ہے کہ: ''بتاؤ میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں کیسی رہیں؟'' اور اس سوال کے متصل بعد یہ اطلاع دی ہے کہ: ''اور بے شک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟''

قرآن کے آسان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسے پڑھنا، حفظ کرنا، اس سے نصیحت حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا بہت آسان ہے، اس کے آسان ہونے ہی کا نتیجہ ہے کہ ایسے دیہاتی بھی قرآن کریم کی تلاوت بسہولت کر لیتے ہیں جو اپنی مادری زبان میں چھوٹا سا کتابچہ بھی نہیں پڑھ سکتے، چھوٹے چھوٹے معصوم بچے اپنے سینوں میں ساری نزاکتوں اور قواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے محفوظ کر لیتے ہیں، جب صاف دل والے اسے پڑھتے اور سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے ہیں اور دلوں میں عمل کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے، اس کے آسان ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہر کس و ناکس اس کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کی آیات سے مسائل استنباط کرنے لگے اور مجتہد بن کر بیٹھ جائے۔

③ ......سورت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ہم نے ہر چیز کو ایک خاص انداز کے ساتھ پیدا کیا ہے''۔ (۴۹)

اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے خواہ وہ خیر ہو یا شر، سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، مرتب اور حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہے، جو کچھ ہونے والا ہے، سب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور موجود ہونے سے پہلے ہی اللہ کو معلوم ہے، اس آیت کریمہ سے اہل سنت والجماعت نے عقیدۂ تقدیر کے اثبات پر استدلال کیا ہے۔ ان آیات میں یہ وضاحت بھی کردی گئی ہے کہ انسانوں کے بارے میں چھوٹی بڑی باتیں سب لوح محفوظ میں بھی درج ہیں اور کراماً کاتبین بھی لکھ رہے ہیں، لہٰذا کسی بھی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر اس کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے اور کسی بھی نیکی کو حقیر سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہیے۔ آخر میں متقین کو اچھے انجام، اللہ کی رضا اور عزت کے مسکن کی بشارت سنائی گئی ہے۔ (۵۲-۵۵)

سورۂ رحمٰن ..... سورۂ رحمٰن مدنی ہے، اس میں ۷۸ آیات اور ۳ رکوع ہیں، اس کا دوسرا نام "عروس القرآن" بھی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر چیز کی عروس (دلہن، زینت) ہوتی ہے قرآن کی عروس سورۂ رحمٰن ہے"

اس سورت میں باری تعالیٰ نے اپنی نعمتیں بیان فرمائی ہیں جن میں سے سب سے پہلی نعمت قرآن کا اتارا جانا اور بندوں کو اس کی تعلیم دینا ہے، یقیناً یہ نعمت کبریٰ ہے، کوئی مادی نعمت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی، ہر نعمت کا کوئی نہ کوئی بدل ہوسکتا ہے۔ لیکن قرآن کا بدل کوئی چیز بھی نہیں بن سکتی، اس کی ایک ایک آیت اور ایک ایک حروف دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، قرآن ساری آسمانی کتابوں کے مضامین کا محافظ، جامع اور ناسخ ہے، رب تعالیٰ نے اس سورت کا آغاز اپنی صفت "الرحمٰن" سے فرمایا ہے، گویا متنبہ کیا گیا ہے کہ اللہ کی ساری نعمتیں خصوصاً قرآن کی نعمت، اس کے رحمٰن ہونے کے آثار اور فیوضات ہیں، وہ رحمٰن ہونے کی وجہ سے بندوں پر رحم کرتا ہے، انہیں ہر طرح کی نعمتیں عطا فرماتا ہے، انکی تعلیم اور ہدایت کے لیے اس نے قرآن نازل کیا ہے۔ قرآن کے شرف اور عظمت کو بتانے کے لیے تعلیم قرآن کو تخلیق انسان سے بھی پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ سورت صفحۂ کائنات پر پھیلی ہوئی اللہ کی مختلف نعمتوں کا ذکر کرتی ہے۔ سورج اور چاند جو اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حساب سے اپنی اپنی منزلوں پر رواں دواں ہیں، ستارے اور درخت جو اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں، زمین جسے مخلوق کے لیے کسی فرش کی طرح بچھا دیا گیا ہے، مختلف میوے، اناج اور پھل پھول جن سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے، میٹھے اور کھارے پانی کے دریا جو اپنی اپنی جگہ جاری ہیں، وہ موتی اور مونگے جو ان دریاؤں سے نکالے جاتے ہیں، پہاڑوں جیسی بلندی اور پھیلاؤ رکھنے والے وہ جہاز جو سمندروں میں چلتے ہیں اور حمل ونقل کے ذرائع میں

سے کل بھی سب سے بہتر ذریعہ تھے اور آج بھی بہترین ذریعہ ہیں۔ (۵۔۲۴)

ان دنیاوی نعمتوں کے علاوہ اخروی نعمتوں اور عذابوں کا بھی سورۂ رحمٰن میں ذکر ہے، آگ کے وہ شعلے اور دھواں جن میں سانس لینا دوبھر ہو جائے گا، وہ جہنم جس کی ایک چنگاری بھی انسان کو جلانے کے لیے کافی ہوگی، وہ کھولتا ہوا پانی جسے دوزخی مجبوراً پییں گے اور وہ ان کی انتڑیوں کو کاٹ کر رکھ دے گا، دوسری طرف اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے گنجان ٹہنیوں اور شاخوں والے دو سرسبز باغات، ان میں بہتے ہوئے چشمے، ہر قسم کے میوؤں کی دو دو قسمیں اور بچھے ہوئے قالین ہوں گے، دبیز ریشم کے تکیوں کے ساتھ جنتی ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے، مذکورہ دو باغات کے علاوہ دو باغ اور بھی ہوں گے جو پہلے دو باغوں سے کم تر ہوں گے، ان میں دو چشمے ابل رہے ہوں گے، متنوع میوہ جات ہوں گے شرم وحیا اور حسن و جمال کا پیکر حوریں ہوں گی، دنیا اور آخرت کی یہ ساری نعمتیں ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ۳۱ بار سوال کیا ہے ”فبای آلاء ربکما تکذبن“ (پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟“)

اگر دو چار یا دس بیس نعمتیں ہوں تو ان کو جھٹلا سکتے ہو مگر جہاں یہ حال ہو کہ نعمتیں حد وحساب سے بھی باہر ہوں تو انہیں جھٹلانا ناممکنات میں سے ہے۔

اگر اس سورت کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے ابتدا میں اپنی تخلیق کے عجائب اور مظاہر ذکر کیے ہیں اور ان کے ضمن میں یہ آیت ”فبای آلاء ربکما تکذبن“ (پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟“) آٹھ بار آئی ہے، اس کے بعد جہنم اور اس کے عذابوں کا ذکر کرتے ہوئے سات بار یہ آیت ذکر کی ہے، قرآن پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ جہنم کے دروازے بھی سات ہیں، پھر جنت کے باغات اور اہل جنت کا تذکرہ کرتے ہوئے آٹھ بار یہ آیت آئی ہے، اتفاق سے جنت کے دروازے بھی آٹھ ہے، آخر میں ایسے باغات کا ذکر ہے جو درجہ کے اعتبار سے پہلے باغات سے کم ہیں، ان باغات کے ضمن میں بھی یہ آیت آٹھ بار آئی ہے، اس ترتیب اور تقسیم سے اہل علم نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جو شخص پہلی آٹھ پر اعتقاد رکھے گا اور ان کے تقاضوں پر عمل رکھے گا اسے باری تعالیٰ جہنم کے سارے دروازوں سے بچالے گا اور دونوں قسم کی جنتوں کا حق دار بنادے گا۔ کج فہموں نے اعتراض اٹھایا ہے: ”بتاؤ اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔؟“ اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے۔ پہلا یہ کہ ظالموں، سرکشوں اور نافرمانوں کو عذاب دینا اللہ کے عدل کا تقاضا اور مظلوموں کے حق میں رحمت اور نعمت ہے، دوسرا یہ کہ کفر وشرک اور فسق وفجور کا انجام ظہور سے پہلے ہی بندوں کو بتادینا کریم ورحیم ذات کا بہت بڑا احسان ہے۔ کیا یہ امر باعث تعجب نہیں کہ دنیا کے کسی خطرہ اور

مصیبت کی پیشگی اطلاع دینے والے کو تو ہم اپنا محسن سمجھیں۔ لیکن اس مالک کو محسن نہ سمجھیں جس نے ہمیں آخرت کے خطرات کے بارے میں دنیا ہی میں مطلع فرمادیا جبکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں اور دنیا کے خطرات آخرت کے مقابلے میں کچھ حیثیت بھی نہیں رکھتے۔

سورت کے اختتام پر فرمایا: تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے جو عزت وجلال والا ہے''

اہل علم کہتے ہیں کہ اس ''نام'' سے مراد وہی نام ہے جس سے سورت کا آغاز ہوا تھا، گویا آخر میں دوبارہ اس طرف اشارہ کردیا گیا کہ ارض وسما کی تخلیق ہو یا جنت دوزخ کا وجود، اس سورت میں جو کچھ بھی بیان ہوا ہے یہ سب اس ''رحمٰن'' کی رحمت کا نتیجہ ہے۔

سورۃ الواقعہ..... سورۂ واقعہ مکی ہے، اس میں ۹۶ آیت اور ۳ رکوع ہیں، اسے ''سورۃ الغنیٰ'' بھی کہا جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''جو شخص ہر رات سورۃ الواقعہ پڑھے گا اسے کبھی بھی فاقہ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا''۔ (واللہ اعلم بالصواب)

یہ سورت بتاتی ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو زمین میں زلزلہ برپا ہوجائیں گے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے اور انسان تین گروہوں میں تقسیم ہوجائیں گے۔

- ..... یعنی اصحاب یمین (جو کہ جنتی ہوں گے)
- ..... اصحاب شمال (دوزخ میں جانے والے)
- ..... سابقون (خواص مومنین جو نیکی کے کاموں میں دوسروں سے سبقت لے جاتے تھے)

انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کرنے کے بعد تفصیل کے ساتھ ان میں سے ہر ایک کی جزاء بھی ذکر کی گئی ہے۔ (۱۔۵۶)

اس کے بعد یہ سورت اللہ تعالیٰ کے وجود اور وحدانیت اور کمال قدرت پر دلائل قائم کرتی ہے اور بعث اور حساب کو ثابت کرتی ہے، وہ اللہ جو پانی کے قطرے سے انسان بنا سکتا ہے، مٹی میں ڈالے جانے والے بیج کو پودا اور درخت بنا سکتا ہے، بادلوں سے پانی برسا سکتا ہے اور درخت سے آگ پیدا کرسکتا ہے، وہ مردہ انسان کو بھی دوبارہ زندہ کرسکتا ہے۔ اپنی قدرت کے بیان کے بعد باری تعالیٰ نے اپنے کلام کی عظمت بیان کی ہے، عظمت قرآن کے بیان کے لیے اللہ نے ستاروں کے گرنے کی قسم کھائی ہے، اس قسم کے بارے میں اللہ خود فرماتا ہے کہ: ''اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے'' (۷۶)

یہ قسم کھا کر فرمایا: ''بے شک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے، جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے، جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں، یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے۔'' (۷۷۔۸۰)

اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی قسم کو عظیم قرار دیا تھا، آج سائنس، کروڑوں ستاروں پر مشتمل دنیا کے بارے میں جن تحقیقات اور عجائبات کا اظہار کر رہی ہے ان سے پتہ چلتا ہے کہ واقعی یہ بڑی قسم ہے، سائنسدان بتاتے ہیں کہ کائنات پانچ سو ملین کہکشاؤں پر مشتمل ہے اور ہر کہکشاں میں ایک لاکھ ملین یا اس سے کم وبیش ستارے پائے جاتے ہیں اور یہ ساری کہکشائیں مسلسل گردش کر رہی ہیں، چاند مسلسل گھوم رہا ہے، زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے، سورج چھ لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے، پھر ستاروں میں سے کسی کی گردش کی رفتار آٹھ میل فی سیکنڈ ہے، کسی کی ۳۳ میل فی سیکنڈ کسی کی ۸۴ میل فی سیکنڈ۔ اگر یہ سارے آپس میں ٹکرا جائیں تو تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے، اگر ان سیاروں کی رفتار میں فرق آ جائے تو ہمارے دن اور رات اور موسم تک بدل جائیں، ان جیسی تفصیلات کو سامنے رکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی قسم کھائی ہے۔ ستاروں اور قرآن کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ جیسے ستاروں کے ذریعے بر و بحر کی تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے یونہی قرآنی آیات سے جہالت اور ضلالت کی ظلمات میں سامان ہدایت حاصل کیا جاتا ہے، جیسے ستاروں کی دنیا کے سارے عجائب ابھی تک انسان پر آشکارا نہیں ہوئے، یونہی قرآن کریم کی آیات وسور میں پوشیدہ سارے علوم ومعارف سے بھی انسان آگاہ نہیں ہو سکا۔ سورت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسانوں کے تینوں گروہوں کے لیے جس جزا اور سزا کی میں نے خبر دی ہے: "یہ خبر سراسر حق اور قطعاً یقینی ہے پس تو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح بیان کر۔" (۹۵۔۹۶)

سورۃ الحدید...... سورۂ حدید مدنی ہے، اس میں ۲۹ آیات اور ۴ رکوع ہیں، "حدید" لوہے کو کہتے ہیں، چونکہ اس سورت میں اللہ نے لوہا پیدا کرنے کا ذکر فرمایا ہے اس لیے اسے سورۂ حدید کہا جاتا ہے، اس سورت میں بنیادی طور پر تین مضامین مذکور ہیں۔

پہلا یہ کہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کا ہے، وہی ہر چیز کا خالق اور مالک ہے، کائنات کی ہر چیز اس کی حمد وتسبیح بیان کرتی ہے۔ انسان اور حیوان، شجر اور حجر، جن اور فرشتے، جمادات اور نباتات سب کے سب زبان حال اور زبان قال سے اس کی عظمت وکبریائی کا اقرار کرتے ہیں۔ جب کچھ نہیں تھا، وہ تھا جب کچھ بھی نہیں رہے گا، وہ تب بھی ہوگا، وہ ہر چیز پر غالب ہے، اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، وہ ظاہر اتنا ہے کہ ہر چیز میں اس کی شان ہویدا ہے اور باطن اور مخفی ایسا ہے کہ کوئی عقل اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی اور حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ (۱۔۶)

دوسرا مضمون جو اس سورت میں بیان ہوا ہے، وہ یہ کہ اللہ اور رسول پر ایمان لانے اور دین

کی سربلندی کے لیے مال اور جان قربان کردینے کا حکم دیا گیا ہے، انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا گیا: ''تمہیں کیا ہوگیا ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، حقیقت میں تو آسمانوں اور زمینوں کی میراث کا مالک اللہ ہی ہے'' (۱۰)

تمہاری موت کے بعد تمہارے مال ومتاع اور سیم وزر کا وہ اکیلا ہی وارث ہوگا، پھر فرمایا: ''کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض دے پھر اللہ تعالیٰ اسے اس کے لیے بڑھاتا چلا جائے اور اسکے لیے پسندیدہ اجر ثابت ہوجائے'' (۱۱)

انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب کے ساتھ ساتھ مخلص اہل ایمان اور منافقوں کا جو حال ہوگا اسے بیان کیا گیا ہے۔ (۱۲۔۱۵) پھر ایمان والوں کو جھنجھوڑنے والے انداز میں خبردار کیا ہے کہ وہ منافقوں اور یہود ونصاریٰ کی طرح دنیا کی زندگی اور اس کی ظاہری کشش سے دھوکہ نہ کھائیں۔ ارشاد ہوتا ہے: ''کیا اب تک ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر الٰہی سے اور جو حق اتر چکا ہے اس سے نرم ہوجائیں اور ان کی طرح نہ ہوجائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی پھر جب ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا تو ان کے دل سخت ہوگئے اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں۔ (۱۶)

تیسرا مضمون جو اس سورت میں بیان ہوا ہے وہ یہ کہ اللہ نے انسان کے سامنے دنیا کی زندگی کی حقیقت بیان کی ہے تاکہ وہ اس کی ظاہری زیب وزینت سے دھوکہ نہ کھاجائے۔ سمجھایا گیا کہ دیکھو! یہ دنیا سراب ہے، دھوکہ ہے، لہو ولعب ہے، کم عقل لوگ مال واولاد کی کثرت پر فخر کرتے ہیں، حسب ونسب پر اکڑتے ہیں، اپنی پوری زندگی اور ساری صلاحیتیں دنیا کا سامان جمع کرنے میں لگا دیتے ہیں۔ اس دنیا کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جس کی سرسبزی اور تروتازگی دیکھ کر کاشت کار خوش ہوتا ہے، دیکھنے والے رشک کرتے ہیں، پھر ایک وقت آتا ہے کہ کوڑا کرکٹ بن کر سب کچھ ہوا میں اڑ جاتا ہے، یہی دنیا کی زندگی کا حال ہے، یہ فانی ہے اور یہاں کی ہر چیز زوال پذیر ہے لیکن آخرت کی زندگی دائمی ہے اور وہاں کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔ (۲۰)

اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ اللہ کی مغفرت اور جنت کے حصول کے لیے دوڑ لگاؤ، ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو (۲۱)

سورت کے اختتام پر اللہ سے ڈرنے والوں اور رسول پر ایمان لانے والوں کے لیے دہرے اجر کا اور نور عطا کرنے کا وعدہ ہے جس کی روشنی میں وہ چلیں پھریں گے (۲۸)

(اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہ نور عطا فرمائے۔ آمین)

پارہ 28

سورۃ المجادلہ......سورہ مجادلہ مدنی ہے، اس میں ۲۲ آیات اور ۳ رکوع ہیں، اس سورت میں عام مدنی سورتوں کی طرح شرعی احکام کا بیان اور منافقین کا تذکرہ ہے، اس سورت کا ابتدا میں حضرت خولہ بنت ثعلب رضی اللہ عنہا کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو اپنے شوہر حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کی شکایت لے کر آئی تھیں، جنہوں نے ان سے ظہار کرلیا تھا اور شکایت کا انداز ایسا تھا کہ گویا وہ جھگڑ رہی ہیں، اس لیے انہیں ''مجادلہ'' (جھگڑنے والی) کہا گیا اور سورت کا نام بھی اس واقعہ کے پس منظر میں مجادلہ قرار پایا۔ زمانۂ جاہلیت میں ظہار (اپنی بیوی کو ماں کی طرح حرام قرار دینا) طلاق کے حکم میں تھا اور اس کی وجہ سے بیوی شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوجاتی تھی، قرآن نے اس حرمت کی ایک حد مقرر کردی جو کہ کفارہ دینے سے ختم ہوجاتی ہے۔ (۱۔۴)

سورۂ مجادلہ کے دوسرے اہم مضامین درج ذیل ہیں:

① ...... یہ سورت سرگوشی کا حکم بیان کرتی ہے، یعنی اگر دو یا زیادہ شخص دوسرے لوگوں کے سامنے ایک دوسرے کے کان میں بات چیت شروع کردیں تو اس کا کیا حکم ہے، جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو تین افراد کی صورت میں دو کی سرگوشی کو آداب مجلس کے خلاف قرار دیا گیا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے تیسرے کے دل میں یہ بدگمانی آسکتی ہے کہ شاید یہ دونوں میرے بارے میں کوئی خفیہ بات کررہے ہیں۔ لیکن یہاں جس سرگوشی سے منع کیا جارہا ہے وہ یہود کی عادت تھی، وہ محض مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لیے آپس میں کانا پھونسی کیا کرتے تھے۔ یونہی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے تو منہ بگاڑ کر ''السام علیکم یا ابا القاسم'' کہا کرتے تھے، ان آیات میں ان قبیح حرکات پر ان کی مذمت کی گئی ہے، البتہ ایسی سرگوشیوں اور خفیہ مشورہ کی اجازت دی گئی ہے جو نیکی اور تقویٰ کے بارے میں ہوں۔

② ......اجتماعی آداب میں سے مجلس کا ادب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تمہیں مجلس میں وسعت

پیدا کرنے کے لیے کہا جائے تو وسعت پیدا کر دیا کرو اور اگر تمہیں مجلس سے اٹھ جانے کے لیے کہا جائے اٹھ جایا کرو (۱۱) یہ حکم صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر باوقار مجلس کے لیے ہے جو دین کے کسی بھی شعبہ کے سلسلہ میں منعقد ہوئی ہو لیکن یہ کوئی فرض اور واجب نہیں ہے بلکہ صرف مستحب ہے، جو شخص پہلے سے مسجد میں یا کسی اور مجلس میں بیٹھا ہو، وہ اس جگہ بیٹھنے کا زیادہ حق دار ہوتا ہے البتہ اسے چاہیے کہ اگر ممکن ہو تو بعد میں آنے والے مسلمان بھائی کے لیے وسعت پیدا کر دے۔

③ ...... یہ سورت ان منافقوں کا بھی تذکرہ کرتی ہے، جو یہود سے دوستی بھی رکھتے تھے اور اپنے مومن ہونے پر قسمیں بھی کھاتے تھے، ان کے بڑے بڑے دعوؤں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں ''حزب الشیطان'' (شیطان کی جماعت) قرار دیا ہے، جو کسی صورت بھی اللہ اور اسکے رسول کے دشمنوں سے ساتھ دوستی نہیں رکھتے خواہ وہ ان کے ماں باپ، بیٹے، بھائی اور قبیلے والے ہی کیوں نہ ہوں، ان سعادت مندوں کے لیے اللہ نے چار نعمتوں کا اعلان فرمایا ہے:

پہلی یہ کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو جما دیا ہے۔

دوسری یہ کہ ان کی غیبی مدد کی جائے گی۔

تیسری یہ کہ انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

چوتھی یہ کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے اور وہ بھی اللہ کی نعمتوں اور عطا پر راضی ہو گئے۔ (۱۴-۲۲)

سورۃ الحشر ...... سورۂ حشر مدنی ہے، اس میں ۲۴ آیات اور ۳ رکوع ہیں، اس سورت کے اہم مضامین درج ذیل ہیں۔

① ...... ابتدا میں بتایا گیا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس اور حمد و ثنا بیان کرتی ہے اور اس کی وحدانیت اور قدرت و جلال کی گواہی دیتی ہے۔

② ...... پھر یہ سورت قدرت الٰہیہ کے بعض آثار اور زندہ دلائل کا تذکرہ کرتی ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہود جو کہ عرصہ دراز سے یثرب میں قیام پذیر تھے انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے بڑے مضبوط قلعے تعمیر کر رکھے تھے، معاشی وسائل پوری طرح ان کے قبضے میں تھے، یثرب والوں کو انہوں نے سودی قرضوں کی سنہری زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا اور ان کا خیال یہ تھا کہ کوئی بھی ہمیں یہاں سے نہیں نکال سکتا۔ لیکن ان کی اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب آ کر رہا اور انہیں دوبارہ حشر کا سامنا کرنا پڑا (حشر جمع اور اخراج کے معنی میں ہے) حشر اول میں

انہیں مدینہ منورہ سے شام کی طرف دھکیل دیا گیا اور حشر ثانی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں خیبر سے شام کی طرف چلے جانے پر مجبور کر دیا۔ یہود کا مدینہ اور خیبر سے نکل جانا ایک ایسا واقعہ تھا کہ یہود کا تو کیا خود مسلمانوں کے لیے قطعی طور پر غیر متوقع تھا، ان کی معاشی خوشحالی، دفاعی انتظامات اور مضبوط جماعتی نظم کی وجہ سے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ انہیں بصد ذلت وخواری مدینہ منورہ اور خیبر سے نکلنا پڑے گا لیکن اللہ نے جب انہیں ان کی عہد شکنی، تکذیب وانکار، تکبر اور سرکشی کی وجہ سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا تو ظاہری اسباب ان کے کسی کام نہ آئے اور اللہ کا فیصلہ وقوع پذیر ہو کر رہا۔ (۲۔۵)

③...... جب یہود کے قبیلہ بنو نضیر کو مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا تو بہت سارا مال غنیمت مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا، جو مال غنیمت قتل وقتال کے بغیر ہاتھ آ جائے اسے اصطلاح میں ''مال فئی'' کہتے ہیں، اس مال فئی کے بارے میں حکم دیا گیا کہ اس میں مجاہدین میں سے کسی کا حق نہیں بلکہ اس کی تقسیم کا اختیار اللہ کے نبی کو ہے۔ وہ اسے فقراء ضعفاء، مساکین، حاجتمندوں اور قرابتداروں میں تقسیم کریں گے، یہاں اگرچہ مسئلہ تو مال فئی کی تقسیم کا بیان ہو رہا ہے۔ لیکن اس کے ضمن میں اسلامی اقتصادیات کا ایک اہم فلسفہ بھی بیان کر دیا گیا ہے وہ یہ کہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ ''دولت چند اغنیاء کے ہاتھوں میں گردش کرتی رہے'' بلکہ اسلام اس کا ایک طریقے سے پھیلاؤ چاہتا ہے کہ سوسائٹی کا کوئی فرد اور کوئی طبقہ بھی محروم نہ رہے۔ زکوۃ، صدقات، میراث اور خمس وغیرہ کی تقسیم میں یہی فکر کارفرما ہے، اقتصادیات کے اس عظیم فلسفہ کے علاوہ قانون سازی کے منبع اور مصدر کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے وہ یہ کہ: ''جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو'' (۷)

وہ تمام قوانین اور مسائل واحکام جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کی طرف سے لے کر آئے ان کی اتباع واجب ہے خواہ وہ قرآن کی صورت میں ہوں یا سنت صحیحہ کی صورت میں، کتاب وسنت کو نظر انداز کرتے ہوئے کسی قسم کی قانون سازی جائز نہیں۔

④...... سورۂ حشر جہاں ایک طرف اللہ کی رضا کو ہر چیز پر ترجیح دینے والے مہاجرین اور انصار اور ان کی اتباع کرنے والے قیامت تک کے مسلمانوں کی تعریف کرتی ہے، وہیں ان منافقوں کی مذمت بھی کرتی ہے، جو یہود کو برے وقت میں اپنے تعاون کا یقین دلاتے رہتے تھے، اللہ فرماتے ہیں: ''ان دونوں گروہوں (یہود اور منافقوں) کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں دوزخ میں داخل ہونگے، اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔'' (۹۔۱۷)

سورۂ حشر کے آخری رکوع میں ایمان والوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم ہے، انہیں سمجھایا گیا

ہے کہ تم ان یہود ونصاریٰ کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے حقوق اللہ کو بھلا دیا، جس کی پاداش میں اللہ نے خود ان کی ذات کے حقوق بھی بھلا دیے اور وہ آخرت کو بھول کر حیوانوں کی طرح نفسانی خواہشات کی تکمیل ہی میں لگے رہے۔ علاوہ ازیں اہل ایمان کو کتاب اللہ کی عظمت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ اگر اللہ پہاڑوں کو عقل وشعور عطا فرمادیتا اور پھر ان پر قرآن نازل کردیتا تو وہ اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتے، افسوس ہے انسان پر کہ وہ اس بے مثال کلام کی عظمت سے ناواقف ہے اور اس کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ سورت کے اختتام پر اسماء حسنیٰ کے ضمن میں اللہ کی عظمت اور کبریائی کا بیان ہے اور آخر میں وہی الفاظ ہیں، جن سے اس سورت کا آغاز ہوا تھا یعنی یہ کہ: ''جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔'' (۱۸۔۲۴)

سورۃ الممتحنہ...... سورۂ ممتحنہ مدنی ہے، اس میں ۱۳ آیات اور ۲ رکوع ہے، اس سورت کا ابتدائی حصہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوا جنہوں نے مشرکین مکہ کو ممنون احسان کرنے کے لیے خفیہ طریقے سے مکہ کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کی اطلاع دینے کی کوشش کی تھی، وہ بدری اور مخلص صحابی تھے مگر ان سے ایک ایسی حرکت ہوگئی جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند نہ تھی، بعد میں انہیں اس پر سخت ندامت ہوئی، انہوں نے صدق دل سے توبہ کی جو کہ قبول کرلی گئی۔ اس پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں جن میں ایمان والوں کو اللہ نے حکم دیا کہ کفار جو کہ میرے دشمن بھی ہیں اور تمہارے دشمن بھی ہیں انہیں دوست نہ بناؤ! یہ وہ سنگدل لوگ ہیں، جنہوں نے مکہ کی سرزمین ایمان والوں پر تنگ کردی اور انہیں وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کردیا، آج بھی ان کے دلوں میں آتش غضب بھڑک رہی ہے اور انہیں مسلمانوں کو دکھ دینے اور نقصان پہنچانے کا جو بھی موقع ہاتھ آتا ہے اسے ضائع نہیں جانے دیتے، خواہ وہ موقع ہاتھ چلانے کا ہو یا زبان چلانے کا یہ رشتے ناتے جنہیں تم بڑی چیز سمجھتے ہو اور قبول ایمان کے باوجود ان کے مفادات کا خیال رکھتے ہو یہ قیامت کے دن تمہیں کچھ بھی فائدہ نہیں دیں گے، وہاں باپ بیٹے اور بھائی بھائی کے درمیان جدائی کردی جائے گی، جب ان رشتوں کا یہ حال ہے تو ان کی خاطر اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت کرنا اور جماعت اسلامیہ کے رازوں کا افشاء کہاں کی دانش مندی ہے، اس سوچ کی تائید اور تقویت کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے جنہوں نے اللہ کے لیے اپنی مشرک قوم سے برأت کا اعلان کردیا تھا، ان کے نام لیواؤں پر بھی لازم ہے کہ وہ کسی سے محبت کریں تو صرف اللہ کے لیے اور دوری اختیار کریں تو صرف اللہ

کے لیے (۱۔۶)

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار سے مقاطعہ کا حکم دیا تو انہوں نے اس کی تعمیل میں دیرنہ کی، باپ نے بیٹے سے اور بھائی نے بھائی سے تعلق ختم کر دیا، یوں ان کے ایمانی دعووں کی سچائی بالکل واضح ہو کر سامنے آ گئی لیکن خونی رشتے اور وطن ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی طرف میلان اور ان کی محبت اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں رکھی ہے، اس لیے قرآن ان فطری جذبات کا لحاظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو ایک بشارت سناتا ہے اور ایک معاملہ کی اجازت دیتا ہے۔ بارت تو یہ سنائی گئی کہ ''کیا عجب کہ عنقریب ہی اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہارے دشمنوں میں محبت پیدا کر دے، اللہ قدرت والا ہے اور اللہ بڑا غفور و رحیم ہے''

یعنی ہو سکتا ہے کہ تمہارے رشتہ داروں کو بھی ایمان قبول کرنے کی توفیق دے دی جائے یوں آج کے دشمن کل کے دوست بن جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بے شمار مشرکوں کو اسلام کی حقانیت کے سامنے گردن جھکانے کی توفیق ارزانی ہوئی۔ (۷)

جس معاملہ کی اجازت دی گئی وہ یہ تھا کہ جن لوگوں نے نہ تو قبول ایمان کی وجہ سے تمہارے ساتھ قتال کیا اور نہ ہی تمہیں گھروں سے نکالا تم ان سے حسن سلوک کر سکتے ہو۔ (۸)

اصل میں اسلام، محبت اور سلامتی کا دین ہے، وہ محض دھونس جمانے اور کسی اعلیٰ مقصد کے بغیر ملک اور زمین ہتھیانے کے لیے جنگ کی اجازت نہیں دیتا، وہ ان غیر مسلموں کے ساتھ بھی حسن سلوک اور تعاون کی تلقین کرتا ہے جو جنگ کو ناپسند کرتے ہوں اور امن کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہوں۔

سورۂ ممتحنہ ان خواتین کے بارے میں بھی رہنمائی کرتی ہے جو ایمان قبول کرنے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئی تھیں، ان کے بارے میں حکم دیا گیا کہ ان کا امتحان لے لو اور انہیں اچھی طرح جانچ لو کہ آیا واقعی انہوں نے ایمان کی خاطر ہجرت کی ہے۔ اگر تمہیں ان کے ایمان پر اطمینان ہو جائے تو پھر انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو (امتحان کا ذکر آنے کی وجہ سے اس سورت کو ''ممتحنہ'' کہا جاتا ہے) مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت نازل ہوا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت ترین دشمن ''عقبہ بن ابی معیط'' کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہجرت فرما کر مدینہ منورہ آ گئیں اور ان کا والد معاہدہ حدیبیہ کے پیش نظر انہیں واپس لانے کے لیے مدینہ پہنچا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ کہہ کر خالی ہاتھ واپس لوٹا دیا کہ ہمارا معاہدہ صرف ایمان لانے والے مردوں کے بارے میں تھا خواتین کے بارے میں نہیں تھا۔ اس سورت کی آخری آیت میں دوبارہ تاکید کی گئی ہے: ''اے مسلمانو! تم اس قوم سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ کا غضب

نازل ہو چکا ہے جو آخرت سے اس طرح مایوس ہیں جیسے کہ قبر والوں سے کافر مایوس ہیں''

سورۃ الصّف......سورۂ صف مدنی ہے، اس میں ۱۴ آیات اور ۲ رکوع ہیں، اس سورت کا موضوع جہاد وقتال ہے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کرنے کے بعد مسلمانوں کو سختی سے تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اپنے عہد کی پابندی کیا کریں اور جو کچھ زبان سے کہیں اسے کر کے بھی دکھائیں، پھر یہ سورت مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے امت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ اور دشمنوں کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط اور متحد ہو کر کھڑے ہونے کی تلقین کرتی ہے (۱۔۴)

اس کے بعد بنی اسرائیل کا تذکرہ کرتی ہے جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس وقت مخالفت کی جب آپ نے انہیں قوم عمالقہ کے ساتھ جہاد کا حکم دیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اپنے بعد آنے والے نبی کی بشارت سنائی تھی اور اس کی اتباع کا حکم دیا تھا، بنی اسرائیل نے اس حکم کو بھی پس پشت ڈال دیا۔ (۵۔۶)

یہ سورت یہ بشارت بھی سناتی ہے کہ دین اسلام سارے ادیان پر غالب آکر رہے گا، حجت اور دلیل کے میدان میں تو اسے اول روز ہی سے غلبہ حاصل ہے، مادی، سیاسی اور ظاہری اعتبار سے بھی وہ دن دور نہیں جب اسلام پوری دنیا پر غالب ضرور آئے گا۔ (۹)

اگلی آیات میں سورۂ صف مسلمانوں کو ایک ایسی تجارت کی دعوت دیتی ہے جس میں خسارہ کا کوئی امکان نہیں کیونکہ اس تجارت کا دوسرا فریق وہ اللہ ہے جس کے ساتھ معاملہ کرنے والا کبھی نقصان میں نہیں رہتا، وہ تجارت ہے اللہ اور رسول پر ایمان اور اللہ کی رضا کے لیے مال وجان کے ساتھ جہاد، اور اس کا متوقع نفع ہے گناہوں کی مغفرت، جنت میں داخلہ، اللہ کی مدد اور دنیائے کفر پر غلبہ، کاش! مادی تجارت اور دنیاوی نفع نقصان میں ڈوبے ہوئے مسلمان یہ تجارت بھی کر کے دیکھ لیں تاکہ ان کی ذلت، عزت میں اور مغلوبیت، غلبے میں تبدیل ہو جائے، سورت کے اختتام پر اہل ایمان سے کہا گیا ہے کہ تم اللہ کے دین کی دعوت اور مدد کے لیے ایسے ہی کھڑے ہو جاؤ جیسے حواری اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ سورت کی ابتدا میں خالی خولی باتیں کرنے اور کھوکھلے نعرے لگانے سے منع کیا گیا تھا اور اختتام پر دین الٰہی کی نصرت کے لیے کمر بستہ ہونے اور کچھ کر کے دکھانے کا حکم دیا گیا ہے، یوں اس کی ابتدا اور انتہا میں پوری مناسبت پائی جاتی ہے۔

سورۃ الجمعہ......سورۂ جمعہ مدنی ہے، اس میں ۱۱ آیات اور ۲ رکوع ہیں، اس سورت کا محور جس پر

پوری سورت گھومتی ہے، اس بار امانت کو بیان کرنا ہے، جسے پہلے بنی اسرائیل کے کندھوں پر رکھا گیا لیکن وہ اس کا حق ادا نہ کر سکے اور ان کی مثال اس گدھے کی سی ہوگئی جس پر بڑی متبرک اور علمی کتابوں کا بوجھ لاد دیا گیا ہو، اس بوجھ سے اس کی کمر جھکی جا رہی ہو۔ لیکن ان کتابوں میں جو علوم و معارف اور جواہر و اسرار ہیں، ان سے وہ قطعاً بے خبر ہو اور نہ ہی ان سے اسے فائدہ حاصل ہو رہا ہو، سورۂ جمعہ کا آغاز ہوتا ہے اللہ کی تسبیح و تحمید کے بیان سے اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور بعثت کے مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔ یعنی تلاوت کتاب، تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت (۱۔۳)

پھر یہود کا تذکرہ ہے جس میں وحی آسمانی یعنی تورات کے احکام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے انہیں گدھے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس پر مقدس کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو اور انہیں مباہلہ کی دعوت دی گئی ہے اگر واقعی وہ ''اولیاء اللہ'' ہیں تو پھر موت کی آرزو کریں کیونکہ ''اولیاء اللہ'' کے لیے یہ جہاں تو قید خانہ ہے اور آخرت میں ان کے لیے نعمت و فرحت اور خوش عیشی کے ہزاروں سامان ہیں۔ ساتھ ہی پیشین گوئی بھی کر دی گئی ہے کہ یہ موت کی آرزو کبھی بھی نہیں کریں گے (۵۔۷)

چنانچہ قرآن کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو کر رہی۔ سورت کے اختتام ہوتا ہے مومنوں پر نماز جمعہ کی فرضیت کے بیان سے، انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اذان سنتے ہی ہر قسم کی تجارت اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو اور اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑا کرو، البتہ فارغ ہونے کے بعد انہیں دوبارہ کسب معاش میں لگ جانے کی اجازت ہے۔ (۸۔۹)

سورۃ المنافقون...... سورۂ منافقون مدنی ہے، اس میں ۱۱ آیات اور ۲ رکوع ہیں، اس سورت میں منافقوں کے اخلاق، ان کے جھوٹ، ان کی سیسہ کاریاں، مسلمانوں کے لیے ان کے بغض و عناد اور ان کے ظاہر و باطن کے تضاد کو بیان کیا گیا ہے، یوں تو منافقوں کا مکروہ چہرہ اور قابل نفرت اوصاف کئی دوسری سورتوں میں بھی دکھائے گئے ہیں۔ لیکن یہ سورت تو گویا صرف ان کی مذمت کے لیے مخصوص ہے، سورت کی ابتدا ہوتی ہے منافقین کی صفات کے بیان سے جن میں نمایاں ترین صفات جھوٹ، مکر، دھوکا اور ظاہر و باطن کا تضاد تھا ان کے دلوں میں کچھ تھا اور زبانوں پر کچھ تھا (۱۔۳)

اے اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے مخلص دوستو! منافقوں کی نمایاں صفات کا مطالعہ کرتے ہوئے کچھ دیر کے لیے ٹھہر جائیے اور آنکھیں کھلی رکھنے کی بجائے بند کر لیجیے دل کی

آنکھیں کھولیے اور اپنا اپنے لیڈروں کا اور پوری امت کا محاسبہ کیجئے، کہیں یہ "نمایاں صفات" ہمارے اندر بھی تو نہیں پائی جاتیں، کیا ہر طرف جھوٹ کی غلاظت اور مکر وفریب کی نجاست کے انبار دکھائی نہیں دیتے؟ کیا آج کا سب سے بڑا مسئلہ ظاہر و باطن اور قول وعمل کا تضاد نہیں ہے؟ تقریریں لچھے دار، تحریریں مزیدار، باتیں پر وقار مگر عمل کچھ بھی نہیں، خالی ڈھول ہیں جو پٹ رہے ہیں اور جن کی ہیبت ناک آواز دور دور تک پہنچ رہی ہے مگر انہیں پھاڑ کر دیکھیں تو اندر سے کھوکھلے! نہ ایمان نہ یقین، نہ توکل نہ اعتماد، نہ محبت نہ معرفت، نہ ایثار نہ احسان، نہ خوف نہ خشیت، ایمان والی صفت کوئی نہیں جبکہ منافقت گٹر کی نجاست کی طرح ابل ابل پڑتی ہے۔ آگے بتایا گیا ہے کہ منافق ظاہر کے اعتبار سے بڑے پر کشش محسوس ہوتے ہیں، جسمانی اعتبار سے بڑے باوقار، زبان میں فصاحت اور حلاوت، انہیں بات کرنے کا ڈھنگ خوب آتا ہے، لیکن اندر سے کھوکھلے ہیں، ڈرپوک اور بزدل اتنے ہیں کہ کہیں سے کوئی اونچی آواز کان میں پڑ جائے تو پریشان ہو جاتے ہیں کہ ہماری موت آ گئی (۴)

سامنے آتے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی تعریف کرتے نہیں تھکتے لیکن پیٹھ پیچھے ایسی بدبودار باتیں کرتے ہیں کہ اللہ کی پناہ! (۷۔۸)

سورت کے اختتام پر مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ کہیں وہ بھی منافقوں کی طرح مال واولاد میں مشغول ہو کر اللہ کے ذکر اور طاعت سے غافل نہ ہو جائیں اور انہیں ترغیب دی گئی ہے کہ وہ موت کے آنے سے پہلے خرچ کر لیں۔ ورنہ موت آ جانے کے بعد سوائے حسرت کے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ (افسوس کہ مسلمانوں نے اس نصیحت کو پس پشت ڈال دیا ہے اور وہ اپنے آپ کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتے ہیں کہ یہ ہمارا تذکرہ اور ہماری مذمت نہیں ہے بلکہ یہ تو چودہ سو سال پہلے عبداللہ بن ابی جیسے کچھ لوگ گزرے ہیں ان کا تذکرہ اور ان کی مذمت ہے گویا قرآن کی بعض سورتیں اور بعض آیات ایسی ہیں جن کا تعلق آج کے زمانے سے بالکل نہیں ہے۔)

سورۃ التغابن...... سورۂ تغابن مدنی ہے، اس میں ۱۸ آیات اور ۲ رکوع ہیں، یہ سورت اگرچہ مدنی ہے لیکن اس پر مکی سورتوں کا رنگ غالب ہے، اس سورت کی ابتدا میں یہ بتانے کے بعد کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح وتقدیس کرتی ہے، انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکر کرنے والے اور کفران نعمت کرنے والے (۱۔۲)

پھر ان کے سامنے گزشتہ اقوام کا تذکرہ کیا گیا ہے، جنہوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی اور اس تکذیب کی پاداش میں انہیں عذاب الٰہی کا مزہ چکھنا پڑا۔ (۵۔۶)

یہ سورت ان مکذبین کا بھی تذکرہ کرتی ہے جو قیامت کے دن کو جھٹلاتے ہیں اور پھر قسم کھا کر یقین دلاتی ہے کہ قیامت آ کر رہے گی، خواہ کوئی اقرار کرے یا انکار کرے، موت کے بعد کی زندگی کا معاملہ برحق اور یقینی ہے (۷)

اس سورت میں قیامت کے دن کو ''یوم التغابن'' قرار دیا گیا ہے، یعنی نقصان اور خسارہ کا دن، قیامت کے دن کافر تو اپنے خسارہ کو محسوس کرے گا ہی، مسلمان ار عابد انسان بھی حسرت کرے گا کہ اے کاش! میں نے جتنی عبادت وطاعت کی تھی، اس سے زیادہ کی ہوتی (۹)

یہ سورت اہل ایمان کو اموال، اولاد اور ازواج کے فتنہ سے ڈراتی ہے اور ان کے بارے میں محتاط ہو کر رہنے کی تلقین کرتی ہے، بسا اوقات انسان ان کی خاطر اپنی آخرت تباہ کر لیتا ہے، نہ حلال اور حرام کی پرواہ کرتا ہے اور نہ ہی دینی حقوق وفرائض کی ادائیگی کا اہتمام کرتا ہے، ان کی محبت ہی کی وجہ سے ہجرت اور جہاد سے بھی محروم رہتا ہے۔

سورت کے اختتام پر اہل ایمان کو اللہ نے ڈرنے، اس کی راہ میں خرچ کرنے اور بخل سے بچ کر رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۱۶۔۱۷)

سورۃ الطلاق ......سورۃ الطلاق مدنی ہے، اس میں ۱۲ آیات اور ۲ رکوع ہیں، مدنی سورتوں کے عمومی مزاج کی طرح اس سورت میں بھی بعض شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں۔ خصوصاً وہ احکام جو ازدواجی اور خاندانی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، طلاق کی اکثر اقسام اور ان پر مرتب ہونے والے عدت، نفقہ اور سکنیٰ جیسے احکام اس سورت میں آ گئے ہیں۔ سورت کی ابتدا میں طلاق کا شرعی طریقہ بتایا گیا ہے، مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر ازدواجی زندگی کو برقرار رکھنا مشکل ہو جائے اور طلاق کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ باقی نہ رہے تو بیوی کو ایک طلاق رجعی دے کر چھوڑ دیں، یہ طلاق ایسے طہر میں ہونی چاہیے جس میں بیوی کے ساتھ جماع نہ کیا ہو، طلاق دینے کے بعد اسے عدم ختم ہونے تک چھوڑ دیں، اسے ''طلاق سنی'' کہا جاتا ہے، یہ قیود وشرائط اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اللہ کی نظر میں طلاق انتہائی قابل نفرت عمل ہے اور اگر بعض استثنائی صورتوں کا معاملہ درپیش نہ ہوتا تو شریعت میں طلاق کی اجازت کبھی نہ دی جاتی۔ کیونکہ طلاق کی وجہ سے خاندان کی بنیادوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں جبکہ اسلام خاندانی نظام کے استحکام پر زور دیتا ہے۔

اس کے بعد سورۃ طلاق وضاحت کے ساتھ مختلف قسم کی مطلقہ عورتوں کی عدت بتاتی ہے یعنی: یائس...... ایسی بوڑھی عورت جسے حیض نہ آتا ہو۔

صغیرہ...... وہ بچی جس کا نکاح بالغ ہونے سے پہلے ہی کر دیا گیا ہو اور حاملہ جسے حالت حمل

میں طلاق ہوجائے۔ عدت کے علاوہ نفقہ اور سکنیٰ کے احکام بھی یہاں ذکر کیے گئے ہیں۔(۱۔۷)

ان شرعی احکام کو بیان کرتے ہوئے درمیان میں چار بار تقویٰ کا ذکر آیا ہے پہلے فرمایا:''اللہ سے ڈرو جو کہ تمہارا رب ہے''

دوسری بار فرمایا:''اور جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا کردے گا۔''

تیسری بار فرمایا:''اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اسکے کام میں سہولت پیدا کردے گا''

چوتھی بار فرمایا:''اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس سے گناہ دور کردے گا اور اسے اجر عظیم عطا کرے گا''(۱۔۲۔۴۔۵)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کی نظر میں تقویٰ کی کیا اہمیت ہے اور یہ کہ قرآن کا اسلوب دوسری کتابوں سے کس قدر مختلف ہے، یہ قانون کی کوئی خشک کتاب نہیں بلکہ اس میں قانون پر آمادہ عمل کرنے والی ترغیبات اور ترہیبات بھی کثرت کے ساتھ ہیں۔

سورت کے اختتام پر اللہ کے مقرر کردہ اور نازل کردہ احکام کی پامالی اور مخالفت سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے اور عبرت کے لیے ان امتوں کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے سرکشی اختیار کی تو وہ عبرتناک عذاب اور سزاؤں کی مستحق ہوگئیں(۸۔۱۰)

آخری آیت میں ارض وسماء کی تخلیق میں قدرت الٰہیہ کی طرف اشارہ ہے۔(۱۲)

سورۃ التحریم......سورۂ تحریم مدنی ہے، اس میں ۱۲ آیات اور ۲ رکوع ہیں، اس سورت میں جو احکام مذکور ہیں، ان کا زیادہ تر تعلق (بیت نبوت) امہات المومنین اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہے۔ اس سورت کی پہلی آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اس کا تعلق خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ ہے، جب آپ نے اپنی لونڈی ماریہ قبطیہ یا شہد کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا، چنانچہ بڑے محبت آمیز انداز میں عتاب ہوا اور فرمایا گیا:''اے پیغمبر! جو چیز اللہ نے تمہارے لیے جائز کی ہے تم اس سے کنارہ کشی کیوں کرتے ہو؟ کیا اس سے اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے''(۱)

جب آپ نے تحریک کا یہ راز اپنی ایک زوجہ مطہرہ (حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا) کو بتادیا تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے یہ راز افشاء کردیا جس سے آپ کو سخت صدمہ ہوا یہاں تک کہ آپ نے بعض ازواج کو طلاق دینے کا ارادہ فرمالیا (لیکن اسے عملی جامہ پہنانے کی

نوبت نہیں آئی) اللہ نے بھی ان ازواج کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر پیغمبر تم کو طلاق دے دیں تو تعجب نہیں کہ ان کا پروردگار تمہارے بدلے ان کو تم سے بہتر بیویاں دے دے'' (۵)

اس کے بعد سورت ایمان والوں کو حکم دیتی ہے کہ: ''اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتش جہنم سے بچاؤ''

اور یہ کہ: ''اللہ کے آگے صاف دل سے توبہ کرو'' (۸)

سورت کے اختتام پر دو مثالیں بیان کی گئی ہیں پہلی مثال کافرہ بیوی کی ہے مومن صالح سے مراد حضرت نوح علیہ السلام اور کافر سے مراد فرعون ہے، ان دو مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر انسان خود مومن اور صالح نہ ہو تو اسے کسی مومن کی قرابت اور حسن نسب کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتا۔ (۱۰۔۱۱)

پارہ 29

سورۃ الملک......سورۂ ملک مکی ہے، اس میں ۳۰ آیات اور ۲ رکوع ہیں، اس سورت کی فضیلت میں کئی احادیث وارد ہیں جن سے ایک حدیث وہ ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد اور ترمذی میں منقول ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ''قرآن کریم میں تیس آیات ہیں جو اپنے پڑھنے والے کے لیے سفارش کرتی ہیں۔ چنانچہ اس کی مغفرت کردی جاتی ہے۔''

اسے ''مانعہ اور منجیہ'' بھی کہا گیا ہے یعنی عذاب قبر سے بچانے والی، اس لیے اکثر مشائخ کا معمول رہا ہے کہ وہ اسے نماز عشاء کے بعد بڑے اہتمام سے پڑھتے ہیں۔

سورۂ ملک میں بنیادی طور پر تین مضامین بیان ہوئے ہیں:

① ......ارض وسماء پر حقیقی بادشاہت صرف اللہ کی ہے، اسی کے ہاتھ میں موت وحیات، عزت وذلت، فقر وغنیٰ اور منع وعطا کا نظام ہے، وہ علیم وخبیر ہے، ذرے ذرے کا اسے علم ہے، زمین میں چلنے پھرنے کے لیے اسی نے راستے بنائے ہیں، فضاؤں میں اڑتے ہوئے پرندوں کو وہی روکے ہوئے ہے، ہر کسی کو روزی وہی دیتا ہے۔ اس سورت کی مختلف آیات (۱۔۲۔۱۳۔۱۴۔۱۵۔۱۹۔۲۱) میں یہی مضمون بیان ہوا ہے۔

② ......رب العالمین کے وجود اور وحدانیت پر تکوینی دلائل ہیں۔ آسمان کی چھت، اس میں ستاروں کی قندیلیں، زمین کا فرش اور پانی کے بہتے ہوئے چشمے ایک حکیم وخبیر ذات کے وجود کی خبر دے رہے ہیں۔ (۳۔۵)

③ ......قیامت کو جھٹلانے والوں کا انجام یعنی وہ دوزخ جو جوش مار رہی ہوگی، یوں لگے گا کہ غصے کے مارے پھٹ ہی جائے گی (۷۔۸)

جب اس عذاب کو قریب سے دیکھیں گے تو ان کے چہرے بگڑ جائیں گے اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ: ''یہی ہے جسے تم طلب کیا کرتے تھے۔'' (۲۷)

سورۃ القلم...... سورۂ قلم مکی ہے، اس میں ۵۲ آیات اور ۲ رکوع ہیں، چونکہ اس کی ابتدا میں اللہ نے قلم کی قسم کھائی ہے اس لیے اسے ''سورۂ قلم'' کہا جاتا ہے، یہ قلم کی عظمت اور اس کے عظیم نعمت ہونے کو ظاہر کرتی ہے، حدیث میں بھی قلم کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''سب سے پہلی چیز جو اللہ نے پیدا فرمائی وہ قلم تھا۔ اسے پیدا کرنے کے بعد فرمایا: ''لکھو! اس نے پوچھا کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھو''

چنانچہ اس دن سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا وہ قلم نے لکھ دیا، پھر اللہ نے نون یعنی دوات کو پیدا فرمایا۔'' یہ قلم ہی ہے جس نے اسلاف کے علوم ہماری طرف منتقل کیے ہیں اور پوری دنیا میں معلومات کی اشاعت کا ذریعہ بنتا ہے۔ قرآن نے قلم اور تعلیم و تعلم کی اہمیت اس ماحول میں بیان کی جو ماحول قلم اور کتاب سے بیگانگی اور دوری کا ماحول تھا لیکن چونکہ قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری آسمانی کتاب ہے اور اسے نازل کرنے والا جانتا تھا کہ آنے والا دور قلم، علم، معلومات اور تحقیقات کا ہے۔ اس لیے اس نے مسلمانوں کو قلم کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا، دیکھا جائے تو کمپیوٹر اور انٹرنیٹ وغیرہ بھی قلم ہی کی ترقی یافتہ صورتیں ہیں۔ سورۂ قلم میں تین مضامین کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

① ...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت اور آپ کے اخلاق و مناقب کا بیان ہے، سب سے پہلے تو قسم کھا کر فرمایا کہ آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہیں، جیسا کہ آپ کے مخالفین کہتے ہیں۔ ''اور آپ کے لیے بے انتہا اجر ہے اور آپ کے اخلاق عظیم ہیں۔'' (۳۔۴)

مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کا خلق قرآن ہے۔ قرآن میں جو کچھ قال تھا وہ آپ کی زندگی میں حال تھا، آپ کی حیاۃ طیبہ قرآن کریم کی عملی تفسیر تھی اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ آپ کو مکارم اخلاق کی تکمیل ہی کے لیے بھیجا گیا تھا۔ آپ کے اخلاق و مناقب بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے مخالفین کی اخلاقی پستی، کمینگی اور کج فکری بھی بیان کی گئی ہے، فرمایا گیا کہ آپ ''کسی ایسے شخص کا کہنا نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا، بے وقار، کمینہ، عیب گو، چغل خور، بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھ جانے والا گناہ گار، گردن کش پھر ساتھ ہی بے نسب بھی ہو۔ اس کی سرکشی صرف اس لیے ہے کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے۔'' (۱۰۔۱۴)

مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیات سرداران قریش میں سے ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔

② ...... دوسرا مضمون جسے اس سورت میں خصوصی اہمیت حاصل ہے وہ ''اصحاب الجنہ (باغ

والوں) کا قصہ ہے یہ قصہ عربوں میں مشہور تھا، یہ باغ یمن کے قریب ہی تھا، اس کا مالک اس کی پیداوار میں سے غربا پر خرچ کیا کرتا تھا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد جب اس کی اولاد اس باغ کی وارث بنی تو انہوں نے اپنے اخراجات اور مجبوریوں کا بہانہ بنا کر مساکین کو محروم رکھنے اور ساری پیداوار سمیٹ کر گھر لے جانے کی منصوبہ بندی کی، اللہ نے اس باغ ہی کو تباہ کر دیا۔ (۱۷۔۳۳)

اس قصہ میں ان لوگوں کے لیے عبرت کا بڑا سامان ہے جو اپنی ثروت اور غناء سے اکیلے ہی مستفید ہونا چاہتے ہیں اور ان کا بخل یہ برداشت نہیں کرتا کہ ان کے مال ومتاع سے کسی اور کو بھی فائدہ پہنچے۔ کفار کے لیے عبرت آموز مثال بیان کرنے کے بعد یہ سورت متقین کا انجام بھی بتاتی ہے اور سوال کرتی ہے کہ محسن اور مجرم، فرمانبردار اور نافرمان، باغی اور وفادار دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟

③...... تیسرا اہم مضمون جو سورۂ قلم بیان کرتی ہے وہ آخرت کے بارے میں ہے، فرمایا گیا کہ: ''جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے۔'' (۴۲)

دنیا میں انہیں سجدہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا مگر یہ سجدہ نہیں کرتے تھے آخرت میں وہ سجدہ کرنا چاہیں گے مگر ان سے طاقت اور اختیار سلب کر لیا جائے گا۔ ''کشف ساق'' یعنی پنڈلی کھولے جانے سے علماء نے قیامت کے شدائد اور ہولناکیاں مراد لی ہیں۔ ویسے یہ ان متشابہات میں سے ہے جن کی اصل حقیقت اور یقینی مراد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی معلوم نہیں۔

آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی ایذاؤں پر صبر کی تلقین کی گئی ہے۔

سورۃ الحاقہ ...... سورۂ حاقہ مکی ہے، اس میں ۵۲ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ قیامت کے مختلف ناموں میں سے ایک ''حاقہ'' بھی ہے۔ حاقہ کا معنی ہے ثابت ہونے والی، چونکہ قیامت کے دن اللہ کے وعدے اور وعیدیں ثابت ہوں گی، اس لیے اسے حاقہ کہا جاتا ہے۔ اس سورت کا اصل موضوع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا بیان ہے۔ سورت کی ابتدا میں قیامت کی ہولناکیوں اور قوم ثمود، قوم عاد جیسی قوموں کے انجام بد کا بیان ہے۔ (۱۔۱۲)

اس کے بعد یہ سورت ان واقعات کا تذکرہ کرتی ہے جو قیامت سے پہلے رونما ہوں گے یعنی صور پھونکا جائے گا، زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے، آسمان پھٹ جائے گا، فرشتے نازل ہوں گے اور انسانوں کا احاطہ کیے ہوئے ہوں گے۔ (۱۳۔۱۷)

پھر جب قیامت قائم ہو جائے گی تو انسانوں کو اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا، ان میں

سے جو نیک ہوں گے ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا جسے وہ خوشی کے مارے دوسروں کو دکھائیں گے اور جو گنہ گار ہوں گے ان کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ بڑی حسرت سے کہیں گے: ''کاش کہ مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی اور میں جانتا ہی نہیں کہ حساب کیا ہے؟ کاش! موت میرا کام ہی تمام کر دیتی، میرے مال نے بھی مجھے کچھ فائدہ نہ دیا، میرا غلبہ بھی مجھ سے جاتا رہا''۔ (۲۹-۲۵)

پھر انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اشقیاء (بدبختوں) کی بڑی علامتیں بیان کی ہیں۔

پہلی یہ کہ وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے۔

دوسری یہ کہ وہ مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے۔ (۳۴-۳۳)

سعداء (نیک بختوں) اور اشقیاء کا انجام بتانے کے بعد رب العزت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی صداقت پر قسم کھاتے ہیں۔ فرمایا: ''پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی جنہیں تم نہیں دیکھتے، بے شک یہ قرآن بزرگ رسول کا لایا ہوا ہے۔ یہ کسی شاعر کا قول نہیں لیکن تم بہت کم یقین رکھتے ہو، نہ کسی کاہن کا قول ہے لیکن تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو، یہ تو رب العالمین کا اتارا ہوا ہے''۔ (۴۳-۳۸)

سورۃ المعارج ...... سورۂ معارج مکی ہے، اس میں ۴۴ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورت کی ابتدا میں بتایا گیا کہ کفار مکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت کا مذاق اڑاتے ہیں اور آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جو عذاب آنے والا ہے وہ جلدی لے آئیں تاکہ آخرت سے پہلے ہم دنیا ہی میں نمٹ لیں۔ (۳-۱)

اس کے بعد یہ سورت قیامت کی منظر کشی کرتی ہے اور وہاں مجرموں کا جو حال ہوگا اسے بیان کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ اس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو جائے گا اور پہاڑ رنگین روئی کی طرح ہو جائیں گے اور کوئی دوست کسی دوست کو اور کوئی رشتہ دار کسی رشتہ دار کو نہیں پوچھے گا بلکہ سب ایک دوسرے سے جان چھڑا کر بھاگیں گے۔ (۱۴-۸)

یہ سورت انسان کی فطرت اور طبیعت بتاتی ہے کہ یہ بڑا حریص اور جزع وفزع کرنے والا ہے، تکلیف پہنچے تو چیختا چلاتا ہے اور نعمت حاصل ہو تو اکڑنے لگتا ہے، مال ہاتھ آ جائے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ البتہ حقیقی مصلین (نمازی) اس سے مستثنیٰ ہیں، مصلین کی اللہ نے آٹھ صفات بیان کی ہیں:

- ......وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں۔
- ......ان کے مال میں سوال کرنے والوں اور سوال سے بچنے والوں سب کا حق ہوتا ہے، گویا کہ وہ نماز کے ذریعے حق اللہ اور زکوۃ کے ذریعے حق العباد ادا کرتے ہیں۔
- ......وہ حساب وجزا کے دن کی تصدیق کرتے ہیں، ایسی تصدیق جس میں شک کی کوئی ملاوٹ نہیں ہوتی۔
- ......وہ عبادت وطاعت کے باوجود اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔
- ......وہ زنا اور جنسی غلاظت سے اپنے دامن کو بچا کر رکھتے ہیں صرف حلال پر اکتفاء کرتے ہیں اور حرام کی طرف نظر نہیں اٹھاتے۔
- ......وہ امانتیں ادا کرتے ہیں اور عہد پورا کرتے ہیں، نہ عہد میں خیانت کرتے ہیں اور نہ وعدہ خلافی کرتے ہیں۔
- ......وہ حق وعدل کے ساتھ گواہی ادا کرتے ہیں۔
- ......آٹھویں صفت یہ کہ وہ نماز کو اپنے اوقات میں ادا کرتے ہیں اور اس کے آداب وواجبات کا التزام کرتے ہیں۔ (۲۲_۳۴)

جن لوگوں کے اندر یہ صفات پائی جاتی ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
''یہی لوگ جنتوں میں عزت والے ہوں گے۔'' (۳۵)

سورت کے اختتام پر اللہ اس بات پر قسم اٹھاتے ہیں کہ بعث ونشور حق ہے اس میں کوئی شک نہیں اور اللہ اس بات پر قادر ہے کہ ان کو ہلاک کردے اور ان سے بہتر اور اللہ کی زیادہ عبادت کرنے والوں کو پیدا فرمادے''۔ (۴۰_۴۱)

اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا عملی ظہور ہر دور میں ہوتا رہا ہے، جب کسی قوم نے دین کے بارے میں تساہل اور تغافل کا رویہ اختیار کیا، اللہ نے ان سے بہتر اور دین کی قدرت کرنے والے لوگ پیدا فرمادیے۔ آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ مختلف قوموں، ملکوں اور مذاہب کے جو لوگ اسلام قبول کررہے ہیں، یہ نومسلم ہم موروثی مسلمانوں سے بہتر مسلمان ثابت ہوتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو یہ بات ہر وقت اپنے ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہم دین کے محتاج ہیں اللہ تعالیٰ کا دین ہمارا محتاج نہیں۔

سورۃ نوح......سورۂ نوح مکی ہے، اس میں ۲۸ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورت میں صرف حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے، انہیں شیخ الانبیاء بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کی عمر

تمام انبیاء سے زیادہ طویل تھی اور حضرت آدم علیہ السلام کے بعد دنیا والوں کی طرف وہ سب سے پہلے رسول تھے، انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کی عبادت اور اپنی اطاعت کی دعوت دی اور اس دعوت کے سلسلے میں مبالغہ کی حد تک کوشش کی۔ رات کو بھی دعوت دی اور دن کو بھی، خفیہ خفیہ بھی سمجھایا اور علانیہ بھی لیکن وہ جتنی زیادہ دعوت دیتے قوم اتنی ہی ان سے دور بھاگتی۔(۱۔۶)

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو استغفار کی تلقین کی اور فرمایا کہ اگر تم استغفار کرو گے اور گناہوں سے باز آجاؤ گے تو اللہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا، تمہیں مال اور اولاد عطا کرے گا، تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کر دے گا، پھر انہیں اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں کہ اسی نے سات آسمان پیدا کیے ہیں، چاند کو جگمگاتا بنایا ہے اور سورج کو روشن چراغ بنایا ہے لیکن اس فہمائش اور تذکیر ودعوت کا قوم پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اپنے بتوں ود، سواع ، یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے تو آپ نے ان کے لیے اللہ سے ہلاکت کی دعا کی جس میں عرض کیا کہ اے میرے رب! تو زمین پر کسی کافر کو بھی نہ چھوڑنا، آپ کی دعا قبول ہوئی اور ان کفار و فجار کو طوفان میں ہلاک کر دیا گیا۔

سورۃ الجن ...... سورۂ جن مکی ہے، اس میں ۲۸ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورت میں جنات کے حوالے سے گفتگو ہے جو کہ انسانوں کی طرح شرعی احکام کے مکلّف ہیں، ان میں مومن بھی ہیں کافر بھی، نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ اس سورت کی ابتدا میں بتایا گیا کہ جنات کی ایک جماعت نے قرآن مجید سنا اور وہ اس سے بڑے متاثر ہوئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب جنات نے نظام کائنات میں کچھ تبدیلیاں محسوس کیں، وہ آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتے تو شہاب ثاقب ان کا تعاقب کرتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کے ساتھ سوق عکاظ کی طرف تشریف لے گئے، آپ نخلہ کے مقام پر نماز فجر ادا فرما رہے تھے کہ جنات کی ایک جماعت یہاں آ پہنچی، جب انہوں نے قرآن سنا تو انہوں نے تبدیلیوں کا راز جان لیا اور ان کے دل دہل گئے اور انہوں نے قرآن کی صداقت کے آگے سر جھکا دیا، (۱۔۲)

نہ صرف یہ کہ خود ایمان قبول کیا بلکہ واپس جا کر اپنی قوم کو بھی ایمان کی دعوت دی اور قوم کے سامنے رب کی شان اور عظمت بیان کی اور ان لوگوں کو احمق قرار دیا جو اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں اور اس بات کا اقرار کیا کہ ہم سب ایک عقیدے پر نہیں ہیں، کوئی مومن ہے کوئی کافر، کوئی مطیع ہے اور کوئی عاصی، کوئی عقلمند ہے اور کوئی بے وقوف، کوئی جہنم میں جائے گا اور کوئی جنت میں۔ (۱۴۔۱۷)

جنات کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا ذکر کرتی ہے کہ آپ نے اللہ کے حکم کے مطابق انسانوں کو ایمان اور توحید کی دعوت دی اور اپنے بارے میں فرمایا کہ میں صرف اللہ کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا، میرے ہاتھ میں نفع ہے نہ نقصان، میرا کام تو صرف اللہ کے پیغام کو تم تک پہنچا دینا ہے اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دیا۔ (۲۰۔۳۲)

سورۃ المزمل...... سورۂ مزمل مکی ہے، اس میں ۲۰ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا بیان ہے، آپ کا تبتل (خالص اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا) آپ کی عبادت، اطاعت، آپ کا قیام وتلاوت، آپ کا جہاد و مجاہدہ، خود اسورت کا نام اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا بیان ہے۔ مزمل کا معنیٰ ہے ''کپڑے میں لپٹنے والا'' جب ان آیات کا نزول ہوا تو آپ چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے، اللہ نے محبت اور پیار کے انداز میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اے کپڑے میں لپٹنے والے'' آپ دن کو دین کی دعوت دیتے تھے، رات کو نماز میں طویل قیام فرماتے تھے اور اس میں قرآن کی تلاوت فرماتے تھے، بعض اوقات پوری رات کھڑے رہتے جس سے قدم مبارک میں ورم آ جاتا۔ اللہ نے آپ کو اختیار دیا کہ آپ چاہیں تو آدھی رات قیام کریں یا آدھی سے کم یا کچھ زیادہ۔ (۱۔۴)

راتوں کا یہ قیام روحانی تربیت میں بڑا موثر ثابت ہوتا ہے، اس لیے قیام لیل کا حکم دینے کے بعد فرمایا گیا: ''یقیناً ہم تجھ پر عنقریب بہت بھاری بات نازل کریں گے۔'' (۵)

بھاری بات سے مراد قرآن عظیم ہے، جس کی ایک خاص ہیبت اور جلال ہے، اس کا تحمل وہی کر سکتا ہے جس کا نفس علم وعرفان کے نور سے روشن ہو چکا ہو اور باطن کی روشنی میں قیام لیل کو خاص دخل حاصل ہے۔ اگلی آیات میں رسول کریم علیہ السلام کو ان ایذاؤں پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو دین کی دعوت کے سلسلے میں مشرکین کی طرف سے آپ کو دی جاتی تھیں۔ آپ کو ستانے میں ان کے ہاتھ بھی استعمال ہوتے تھے اور زبانیں بھی استعمال ہوتی تھیں۔ (۳۔۱۰)

اس کے بعد یہ سورت آپ کے مکذبین کو ڈرانے کے لیے فرعون کا قصہ ذکر کرتی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اس کی کفر وسرکشی کی وجہ سے سخت وبال میں پکڑا۔

سورت کے اختتام پر اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر تخفیف کا اعلان فرمایا ہے، ایک تخفیف اس اعتبار سے ہے کہ نصف رات یا ثلث یا دو ثلث کا قیام ضروری نہیں بلکہ جتنا بھی آسانی

سے ممکن ہو قیام لیل کر لیا جائے، دوسری تخفیف اس اعتبار سے ہے کہ اب مومنین پر تہجد فرض نہیں رہی، اس کے حکم کو استحبات میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ (۲۰)

سورۃ المدثر...... سورۂ مدثر مکی ہے، اس میں ۵۶ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورت کی ابتدا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف دعوت، کفار کو ڈرانے اور ان کی تکلیفوں پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۱۔۷)

اس کے بعد یہ سورت مجرموں اور مخالفوں کو اس دن کے عذاب سے ڈراتی ہے جو ان کے لیے بڑا سخت ثابت ہوگا۔ (۸۔۱)

اگلی آیات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بدترین دشمن کا تذکرہ ہے جسے ولید بن مغیرہ کہا جاتا ہے۔ یہ شخص قرآن سنتا تھا اور پہچانتا بھی تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے لیکن بڑا آدمی ہونے کے گھمنڈ میں کفر و نکار کرتا تھا اور قرآن کو معاذ اللہ سحر اور جادو قرار دیتا تھا۔ (۲۶۔۲۷)

پھر یہ سورت اس جہنم کا اور اس کے داروغوں کا ذکر کرتی ہے جن کا سامنا کفار و فجار کو کرنا پڑے گا اور ان کے دلوں میں ان کے لیے کوئی نرمی نہیں ہوگی۔ (۳۱۔۲۷)

مزید تاکید اور ڈراوے کے لیے اللہ نے چاند، رات اور صبح کی قسم کھا کر فرمایا کہ جہنم بڑی مصیبتوں میں سے ایک بہت بڑی مصیبت ہے۔ (۳۷۔۳۲)

یہ سورت ہر شخص کی مسئولیت اور ذمہ داری کو واضح کرتی ہے کہ ہر شخص سے اس کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا اور سب اپنے گناہوں کے اسیر ہوں گے سوائے ان کے کہ جن کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اسیر نہیں ہوں گے۔ وہ قیامت کے دن مجرموں سے سوال کریں گے کہ تمہیں کس چیز نے دوزخ میں ڈالا تو وہ جواب میں چار اسباب بیان کریں گے:

پہلا یہ کہ ہم نمازی نہیں تھے۔

دوسرا یہ کہ ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

تیسرا یہ کہ ہم کج بحثی اور گمراہی کی حمایت میں خوب حصہ لیتے تھے۔

چوتھا یہ کہ ہم قیامت کا انکار کرتے تھے۔ (۴۸۔۳۸)

سورت کے اختتام پر بتلایا گیا کہ یہ قرآن ایک نصیحت ہے جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے لیکن اس کے لیے اللہ کی مشیت بھی ضروری ہے۔ (۵۶۔۵۴)

سورۃ القیامہ...... سورۂ قیامہ مکی ہے، اس میں چالیس آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس سورت کا موضوع بعث، یعنی مرنے کے بعد کی زندگی ہے جو کہ ایمان کے ارکان میں

سے ایک اہم رکن ہے۔ یہ سورت قیامت کے مصائب، شدائد اور عذابوں کا ذکر کرتی ہے اور موت کے وقت انسان کی جو حالت ہوتی ہے اس کا نقشہ کھینچتی ہے، اس سورت کی ابتدا میں اللہ نے حشر نشر کے قیام پر یوم القیامہ پر نفس لوامہ کی قسم کھائی ہے (نفس لوامہ وہ ہے جو انسان کو گناہوں پر ملامت کرتا ہے اور نیکی پر آمادہ کرتا ہے) آخرت میں تو ہر شخص کا نفس اسے ملامت کرے گا ہی دنیا میں بھی جن لوگوں کا ضمیر بیدار ہوتا ہے وہ انہیں ملامت کرتا رہتا ہے۔ ایک قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ یہاں پر اللہ نے خاص طور پر یہ ذکر کیا ہے کہ ہم انسان کی پور پور تک درست کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، ہر انسان کی انگلی کی پور قدرت کی تخلیق کا شاہکار ہے کہ اس چھوٹی سی جگہ میں جو خطوط اور لکیریں ہیں وہ دوسرے انسان کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتیں۔ اسی وجہ سے پوری دنیا میں کسی انسان کی شخصیت کو پہچاننے کے لیے انگلیوں کی لکیروں پر اعتماد کیا جاتا ہے اور اللہ فرماتے ہیں کہ ہم ان پوروں کو اس ہیئت اور شکل پر بنادیں گے جس شکل و ہیئت پر یہ تھیں اور اس نکتے کی وضاحت کے لیے اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم پیدا کردیں گے بلکہ یہ فرمایا کہ ہم درست کردیں گے۔ (نامعلوم اس طرح کہ کتنی علمی حقیقتیں ہیں جو پورے قرآن میں بکھری ہوئی ہیں اور جن میں سے ہر حقیقت ثابت کرتی ہے کہ یہ نبی امی کا خود تراشیدہ کلام نہیں بلکہ رب العالمین کا کلام ہے مگر بہت سارے انسان ان حقیقتوں کا اعتراف کرنے کے باوجود اس کی صداقت اور حقانیت پر ایمان نہیں رکھتے) اس کے بعد یہ سورت قیامت کی بعض ہولناکیوں اور علامتوں کا تذکرہ کرتی ہے: ”پس جس وقت نگاہ پتھرا جائے گی اور چاند بے نور ہو جائے گا، سورج اور چاند جمع کردیئے جائیں گے، اس دن انسان کہے گا آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟“ (۱۰)

اگلی آیات میں یہ سورت بتلاتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حفظ قرآن کا بڑا اہتمام فرماتے تھے اور جبریل کی تلاوت کے وقت اس بات کی شدید کوشش کرتے تھے کہ آپ سے کوئی چیز فوت نہ ہوجائے، اس لیے آپ حضرت جبریل کی اتباع میں جلدی جلدی پڑھنے اور یاد کرنے کی سعی فرماتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ آپ اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالیں، میرا یہ وعدہ ہے کہ قرآن میں سے کوئی چیز ضائع نہیں ہوگی، اسے جمع کرنے، محفوظ کرنے، باقی رکھنے اور بیان کرنے کا میں خود ذمہ دار ہوں۔ (۱۶۔۱۹)

یہ سورت بتلاتی ہے کہ آخرت میں انسان دو فریقوں میں تقسیم ہوجائیں گے۔ ایک طرف سعداء ہوں گے اور دوسری طرف اشقیاء۔ سعداء کے چہرے روشن ہوں گے اور وہ رب تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوں گے اشقیاء کے چہرے سیاہ اور بدرونق ہوں گے اور وہ جان لیں گے کہ آج ہمیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (۲۰۔۲۵)

یہ سورت موت کے وقت انسان کا جو حال ہوتا ہے اور جس جس تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسے بھی بیان کرتی ہے۔ (۳۰۔۲۶)

سورت کے اختتام پر بتلایا گیا کہ انسان کو ہم نے بیکار پیدا نہیں کیا، ایسا نہیں ہوسکتا کہ نہ اس کا حساب ہو، نہ اسے جزاء سزا دی جائے۔ اس طرح آخر میں حشر و معاد کی ایک حسی دلیل بیان کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ جس اللہ نے انسان کو پہلی بار پیدا کیا وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے تو ابتدا اور اعادہ دونوں برابر ہیں۔ مگر یہاں انسانی سوچ کے مطابق بات کی گئی ہے کیونکہ انسان کی سوچ اور تجربہ یہ ہے کہ اعادہ ابتدا کے مقابلے میں بہت آسان ہے۔

سورۃ الانسان ..... سورۂ انسان مدنی ہے، اس میں ۳۱ آیات اور ۲ رکوع ہیں، مدنی ہونے کے باوجود اس سورت کے مضامین مکی سورتوں جیسے ہیں، اس میں جنت اور جنت کی نعمتوں، جہنم اور جہنم کے عذابوں کا بیان ہے۔ صحیح مسلم کی روایت سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز فجر میں اس سورت کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ اس سورت کی ابتدا میں اللہ کی قدرت عظیمہ کا بیان ہے کہ اس نے کیسے انسان کو مختلف ادوار میں پیدا فرمایا اور اس کو سمع و بصر اور عقل و فہم سے نوازا۔ تاکہ وہ طاعت و عبادت کی ان تمام ذمہ داریوں کو ادا کر سکے جن کا اسے مکلّف بنایا گیا ہے اور زمین کو ایک اللہ کی بندگی سے آباد کر سکے لیکن پھر انسان دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے، بعض شاکر ہیں اور بعض کفور (ناشکرے) ہیں۔ کافروں کے لیے اللہ نے آخرت میں زنجیریں، طوق اور شعلوں والی آگ تیار کر رکھی ہے اور شکر گزاروں کے لیے وہ جام جن میں کافور کی آمیزش ہوگی، شکر گزاروں کی یہاں تین نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔

ایک یہ کہ وہ جب کوئی نذر مان لیتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں۔

دوسری یہ کہ وہ قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں۔

تیسری یہ کہ وہ محض اللہ کی رضا کے لیے مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، ان کے نیک اعمال اور صبر کا نتیجہ انہیں جنت کی صورت میں دیا جائے گا، جہاں نہ گرمی نہ سردی اور نہ کوئی دکھ اور غم (۱۳۔۱)

سورت کے اختتام پر اللہ نے اپنی اس عظیم نعمت کا ذکر فرمایا جس کا کوئی بدل اور کوئی مثال نہیں۔ فرمایا: ''اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم بے شک ہم نے آپ پر بتدریج قرآن نازل کیا ہے، پس اپنے رب کے حکم پر قائم رہیں، ان میں سے کسی گنہگار یا ناشکرے کا کہنا نہ مانیں اور اپنے رب کا نام صبح و شام ذکر کیا کریں اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدے کریں اور بہت رات تک

اس کی تسبیح کیا کریں۔'' (۲۶۔۲۳)

ان آیات کا مقصد یہ ہے کہ داعی پر ذکر وعبادت اور صبر لازم ہے تا کہ اللہ کے دشمنوں کے مقابلے میں اسے تقویت قلبی حاصل ہو، خصوصاً رات کی نماز ایمان کی مضبوطی اور روحانی ترقی کا اہم وسیلہ ہے۔ اس سورت کی آخری آیات میں مشرکین کو سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ ہم اگر چاہیں تو ان کو ختم کر کے ان کے عوض ان جیسے اور بھی پیدا کر سکتے ہیں۔

سورۃ المرسلات...... سورۂ مرسلات مکی ہے، اس میں ۵۰ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورت کی ابتدا میں پانچ قسمیں کھا کر فرمایا ہے کہ: ''جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ یقیناً ہونے والی ہے۔''

یعنی قیامت اور حساب وجزا کا معاملہ ہو کر رہے گا اس میں تخلف نہیں ہوسکتا، اس کے بعد یہ سورت ان نشانیوں کو بیان کرتی ہے جو قیامت کے قریب واقع ہوں گی، یعنی ستارے بے نور کردیئے جائیں گے، آسمان توڑ پھوڑ دیا جائیگا، پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے کر کے اڑا دیئے جائیں گے اور رسولوں کو مقررہ وقت پر لایا جائے گا۔ (۱۱۔۸)

قیامت کے دن کو اللہ نے ''یوم الفصل'' کہا کیونکہ اس دن مخلوق کے درمیان عدل وانصاف پرمبنی فیصلہ کیا جائے گا، قیامت کو یوم الفصل قرار دینے کے بعد اسے جھٹلانے کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں: ''ویل یومئذ للمکذبین۔'' (اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے)

یہ آیت اور یہ الفاظ اس سورت میں دس بار آئے ہیں اس تکرار کا مقصد تخویف اور ترہیب ہے۔ علاوہ ازیں یہ سورت مجرمین سابقین کا ذکر کرتی ہے جنہیں اللہ نے تباہ و برباد کردیا اور مخاطبین سے سوال کرتی ہے کہ کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ پھر مختلف مراحل سے گزار کر خوبصورت انسان بنا دیا، بعث بعد الموت کے بعض حسی دلائل بھی یہاں مذکور ہیں جن سے ثابت کیا گیا ہے کہ وہ اللہ جو زمین کو مردوں اور زندوں کو سمیٹنے والی بنا سکتا ہے اور میٹھے پانی سے سیراب کرسکتا ہے وہ دوبارہ زندہ بھی کرسکتا ہے۔ اگلی آیات میں مکذبین اور متقین کے الگ الگ انجام کا بیان ہے۔ مکذبین کو بھڑکتی ہوئی آگ کی طرف لے جایا جائے گا۔ اور متقین کو ٹھنڈے سائے اور بہتے چشموں کے پاس جگہ دی جائے گی۔

آخری آیات میں دوبارہ مجرموں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ کھا پی لو! اور تھوڑے سے مزے اڑالو! بالآخر تمہارے کے لیے ہلاکت اور تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

پارہ 30

سورۃ النباء......سورۂ نبا مکی ہے، اس میں ۴۰ آیات اور ۲ رکوع ہیں، اس سورت کا موضوع ''بعث بعد الموت'' ہے، سورت کی ابتدا میں مشرکین کا وہ سوال مذکور ہے جو وہ انکار اور استہزاء کے طور پر قیامت کے بارے میں کرتے تھے فرمایا: ''یہ لوگ کس چیز کے بارے میں سوال کرتے ہیں، اس بڑی خبر کے متعلق جس کے بارے میں یہ اختلاف کررہے ہیں۔'' (۱۔۳)

کوئی اس کا اقرار کرتا ہے اور کوئی انکار، کوئی تذبذب کا شکار ہے اور کوئی اس کا اثبات کرتا ہے حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے ''نباء العظیم'' (بڑی خبر) سے مراد قرآن عظیم لیا ہے، اس میں شک ہی کیا ہے کہ واقعی سب سے بڑی خبر اور سب سے بڑا کلام قرآن ہی ہے لیکن سورت کے عمومی مزاج کو دیکھتے ہوئے یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے کہ ''نباء العظیم'' سے مراد قیامت ہی ہے۔ اگلی آیات میں قدرت الٰہیہ کے دلائل اور قیامت کے مختلف مناظر اور جنت اور جہنم کا تذکرہ ہے، بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ جو زمین کو بچھونا، پہاڑوں کو میخیں، انسانوں کو جوڑا جوڑا، نیند کو ذریعہ سکون ،رات کو لباس، دن کو وقت معاش اور آسمان پر ساری دنیا کو روشن کرنے والا چراغ بنا سکتا ہے (۶۔۱۶)

وہ دوبارہ زندگی بھی عطا کرسکتا ہے اور ایسی عدالت بھی قائم کرسکتا ہے۔ جس میں اولین اور آخرین کو جمع کیا جائے گا اور ان کے درمیان عدل کیا جائے گا (۱۷)

عدل اور حساب کے بعد کسی کا ٹھکانہ جنت ہوگا اور کسی کا جہنم (۲۱۔۳۷)

سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ قیامت کا دن برحق ہے اس کے وقوع میں کوئی شک نہیں باوجود اللہ کے بے حد مہربان اور رحمٰن ہونے کے کسی کو اللہ کے سامنے تاب گویائی نہ ہوگی، اس دن ہر شخص کا اعمال نامہ اس کے سامنے کردیا جائے گا اور اس کے بارے میں قطعی فیصلہ سنا دیا جائے گا، اس فیصلہ کو سن کر کافر یہ تمنا کرے گا اے کاش! میں مٹی ہوتا (۳۹۔۴۰)

مٹی ہونے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔

دوسرا یہ کہ میں تکبر نہ کرتا اور مٹی کی طرح مسکینی اور عاجزی اختیار کرتا۔

تیسرا مطلب یہ کہ میں انسان نہیں حیوان ہوتا اور مجھے بھی حیوانوں کی طرح دوبارہ زندہ کرنے کے بعد مٹی بنا دیا جاتا، یوں میں دوزخ کے عذاب سے بچ جاتا۔

یہ تمنا وہ اس وقت کرے گا جب وہ دیکھے گا کہ ویسے تو انسانوں کی طرح حیوانوں کو بھی زندہ کیا گیا۔ لیکن انہیں زندہ کرنے کے بعد اور ان کے باہمی معاملات طے کرنے کے بعد انہیں مٹی بن جانے کا حکم دے دیا گیا۔

سورۃ النازعات......سورۂ نازعات مکی ہے، اس میں ۴۶ آیات اور ۲ رکوع ہیں، اس سورت میں بھی قیامت کے مختلف احوال اور اہوال (ہولناکیوں) کا بیان ہے، ابتدا میں اللہ نے مختلف کاموں پر مامور پانچ قسم کے فرشتوں کی قسم کھائی ہے لیکن جواب قسم ذکر نہیں فرمایا، سیاق کلام کو دیکھ کر جواب قسم سمجھ میں آتا ہے، وہ ہے (تمہیں قیامت کے دن ضرور زندہ کیا جائے گا)

سورۂ نازعات بتاتی ہے کہ قیامت کو جھٹلانے والوں کا قیامت کے دن یہ حال ہوگا کہ ان کے دل دھڑک رہے ہوں گے، دہشت، ذلت اور ندامت کی وجہ سے ان کی نظریں جھکی ہوں گی، (۸-۹)

لیکن آج دنیا میں وہ فرعون بنے بیٹھے ہیں اور اللہ کے نبی کی بات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے لیکن شاید انہیں فرعون کا انجام معلوم نہیں (۱۵-۲۶)

یہ عقل سے کورے اور احمق یہ نہیں سوچتے کہ جو اللہ مضبوط آسمان بنا سکتا ہے شب وروز کا نظام مقرر کر سکتا ہے، زمین کا فرش بچھا سکتا ہے، پہاڑوں کو میخیں گاڑ سکتا ہے کیا وہ انہیں دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا، (۲۷-۳۳)

سورت کے اختتام پر مشرکین کا سوال مذکور ہے جو وہ وقوع قیامت کو محال سمجھ کر قیامت کے بارے میں کرتے تھے اور یہ سوال اس لیے کرتے تھے کہ وہ دنیا کی زندگی پر فریفتہ تھے اور ان کا خیال تھا کہ دنیا ہی کی زندگی، حقیقی اور دائمی زندگی ہے، لیکن ''جس روز یہ قیامت کو دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ صرف دن کا آخری حصہ یا اول حصہ ہی وہ دنیا میں رہے۔ (۴۶)

سورۃ عبس......سورۂ عبس مکی ہے، اس میں ۴۲ آیات ہیں، یہاں سے آخر تک ہر سورت ایک رکوع پر ہی مشتمل ہے اس لیے رکوعات کی تعداد بار بار بتانے کی ضرورت نہیں۔ اس سورت کی ابتدا میں نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا قصہ مذکور ہے جو طلب علم کے لیے ایسے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئے جب کہ آپ چند سرداران

قریش کو دعوت اسلام دینے میں مصروف تھے، ایسی اہم مصروفیت کے وقت ان کے آنے سے آپ کو طبعی طور پر ناگواری ہوئی اور آپ نے ان کی بات کا جواب دینے سے اعراض کیا، اس پر سورۂ عبس کی یہ آیات نازل ہوئیں جن میں اللہ نے آپ کو تنبیہ فرمائی۔ اس کے بعد جب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو ان کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے یہ ہیں وہ جن کی وجہ سے اللہ نے مجھے تنبیہ فرمائی تھی اور ان سے دریافت فرماتے کہ "کوئی کام ہے تو بتاؤ" آپ نے نابینا ہونے کے باوجود دو غزوات کے موقع پر انہیں مدینہ پر والی مقرر فرمایا، یہ واقعہ اس جیسے دوسرے واقعات جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ فرمائی گئی ہے، ان کا قرآن کریم میں مذکور ہونا اس کی صداقت وحقانیت کی دلیل ہے۔ اگر معاذ اللہ! قرآن آپ کا خود تراشیدہ کلام ہوتا تو آپ ایسی آیات اس میں ہرگز ذکر نہ فرماتے جن میں خود آپ سے باز پرس کی گئی ہے، حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد یہ سورت انسان کے ناشکرا ہونے کو بتاتی ہے جو اپنی اصل کو بھول کر اللہ کے سامنے سرکشی اختیار کرتا ہے (۱۷۔۲۰)

اگلی آیات میں رب تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کے تکوینی دلائل ہیں (۲۴۔۳۲)

اور اختتام پر قیامت کا وہ ہولناک منظر بیان کیا گیا ہے جب انسان خوفزدہ ہو کر قریب ترین رشتوں کو بھی بھول جائے گا، نفسا نفسی کا عالم ہوگا کسی کو کسی کی فکر نہیں ہوگی، ہر کسی کو اپنی ذات کا غم کھائے جارہا ہوگا، بہت سے چہروں پر کامیابی کی چمک ہوگی اور بے شمار پر ناکامی کی ذلت اور تاریکی چھائی ہوگی۔ (۳۳۔۴۲)

سورۃ التکویر...... سورۂ تکویر مکی ہے، اس میں ۲۹ آیات ہیں، اس سورت کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں جو کہ ۱۴ آیات پر مشتمل ہے اس ہولناک کائناتی انقلاب کا ذکر ہے جس کے اثرات سے کائنات کی کوئی چیز بھی محفوظ نہیں رہے گی، سب کچھ بدل جائے گا، یہ سورج اور ستارے، پہاڑ اور سمندر ریت کے گھروندے ثابت ہوں گے اس دن ہر شخص کو پتہ چل جائے گا کہ وہ کتنے پانی میں ہے اور اپنے دامن میں کیا لے کر آیا ہے، گناہ یا نیکیاں یا گناہ ہی گناہ، اللہ کی پناہ!

دوسرے حصے میں جو کہ ۱۵ آیات پر مشتمل ہے، باری تعالیٰ نے تین قسمیں کھا کر قرآن کی حقانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت وصداقت کو بیان فرمایا ہے اور ان دیوانوں کو بڑی محبت سے سمجھایا ہے جو اللہ کے نبی کو معاذ اللہ "دیوانہ" قرار دیتے تھے، فرمایا گیا "تمہارے ساتھی دیوانہ نہیں ہے" وہ تو بندوں تک اللہ کا کلام پہنچانے والا سچا نبی ہے۔ اعراف (۱۸۴) اور سورۂ

سبا(۴۶) میں بھی یہی بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ تم غور وفکر کرو گے تمہارے ضمیر کا یہی فیصلہ ہوگا کہ تمہارے سامنے شب وروز گزارنے والا یہ عظیم انسان دیوانہ نہیں بلکہ یہ تو دیوانوں کو فرزانگی سکھانے کے لیے آیا ہے اور قرآن کے بارے میں فرمایا کہ: ''یہ شیطان مردود کا کلام نہیں ہے یہ تو اہل جہاں کے لیے نصیحت ہے مگر اس کے لیے جو سیدھی راہ پر چلنا چاہے اور تم نہیں چاہ سکتے جب تک کہ رب العالمین نہ چاہے۔''

سورة الانفطار ...... سورۃ الانفطار مکی ہے، اس میں ۱۹ آیات ہیں، اس سورت میں پہلے تو ان تبدیلیوں کا ذکر ہے جو وقوع قیامت کے وقت نظام کائنات میں رونما ہوں گی (۱۔۵)

پھر محبت آمیز انداز میں انسان سے شکوہ کیا گیا ہے کہ اے انسان! تجھے آخر کس چیز نے اپنے پروردگار کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے؟ کہ اس کے احسانات کو بھلا کر تو معصیت اور ناشکرا پن پر اتر آیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ تمہیں جزا کے دن کا یقین نہیں ہے، حالانکہ وہ تو آکر رہے گا اور کراماً کاتبین تمہاری زندگی کا کچا چٹھا تمہارے سامنے پیش کر دیں گے پھر تمہیں ابرار اور فجار دو گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے گا، ابرار، نعمتوں کی جگہ یعنی جنت میں جائیں گے اور فجار، عذاب کی جگہ یعنی دوزخ ہوں گے۔ (۶۔۲۶)

سورة المطففين ...... مطففین مکی ہے، اس میں ۳۶ آیات ہیں، اس سورت میں بھی بنیادی عقائد سے بحث کی گئی ہے، یوم القیامۃ کے احوال اور اہوال اس میں خاص طور پر مذکور ہیں، لیکن اس کی ابتدائی آیات میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو ''تطفیف'' جیسی اخلاقی کمزوری میں مبتلا ہیں (۱۔۶)

''تطفیف'' کا معنی ہے ناپ تول میں کمی کرنا، ارشاد ہوتا ہے:

''بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں''

بعض حضرات نے تطفیف کا دائرہ وسیع کر دیا ہے، امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تطفیف وزن اور کیل میں بھی ہوتی ہے۔ عیب کے ظاہر کرنے اور چھپانے میں بھی، انصاف کے لینے اور دینے میں بھی، جو شخص اپنے لیے تو پورا پورا انصاف چاہتا ہے مگر دوسروں کے ساتھ انصاف نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ''مطفف'' ہے۔ یونہی جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہیں کرتا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، اسی طرح جو شخص لوگوں کے عیب دیکھتا ہے مگر اپنے عیب نہیں دیکھتا۔ اسی طرح جو لوگوں سے اپنے حقوق مانگتا ہے لیکن ان کے حقوق ادا نہیں کرتا، تو

یہ سب لوگ اس وعید کے مستحق ہیں جو وعید یہاں ''مطففین'' کے لیے بڑی سخت وعید ہے تو تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے کہ تم لوگوں کے اموال بلا ناپ تول کے ہتھیا لیتے ہو ''مطففین'' کی مذمت کے بعد ان سیاہ دلوں اور بدکاروں کا انجام بتایا ہے جو اللہ کے نور کو بجھانے کے لیے سر توڑ کوشش کرتے ہیں (۷۔۱۷)

پھر ان کے مقابلے میں ان صلحاء اور ابرار کا تذکرہ ہے جنہیں آخرت میں دائمی نعمتیں میسر آئیں گی (۲۲۔۲۸)

سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ یہ سیاہ دل، دنیا میں اللہ کے نیک بندوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے لیکن قیامت کے دن معاملہ الٹ ہو جائے گا اور نیک لوگ ان بدکاروں کا مذاق اڑائیں گے (۲۹۔۳۶)

سورۃ الانشقاق......سورۂ انشقاق مکی ہے، اس میں ۲۵ آیات ہیں، یہ سورتیں ہیں یعنی مطففین، انفطار، انشقاق اور تکویر ان چاروں سورتوں میں قیامت کے احوال مختلف انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ سورۂ انشقاق کی ابتدائی آیات میں ان کائناتی تبدیلیوں کا ذکر ہے جو قیام قیامت کے وقت رونما ہوں گے (۱۔۵)

پھر جب قیامت قائم ہو جائے گی تو حساب کے مرحلہ سے گزر کر انسان دو فریقوں میں تقسیم ہو جائیں گے، بعض وہ ہوں گے جن کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور بعض کا اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ (۶۔۱۵)

اگلی آیات میں تین قسمیں کھا کر فرمایا گیا ''یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت پر پہنچو گے''، یعنی قیامت کے دن تمہیں مختلف مصائب اور مرحلہ کا سامنا کرنا پڑے گا اور ہر اگلا مرحلہ پہلے مرحلہ سے شدید تر ہوگا (۱۶۔۱۹)

البتہ وہ لوگ ان مصائب اور مختلف عذابوں سے محفوظ رہیں گے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے۔ (۲۵)

سورۃ البروج......سورۂ بروج مکی ہے، اس میں ۲۱ آیات ہیں، اس سورت کی ابتدا میں اللہ نے تین قسمیں کھا کر فرمایا کہ: ''خندقوں والے ہلاک کیے گئے''

صحیح مسلم میں ''خندقوں والے'' قصہ کی نسبت حمیر کے بادشاہوں میں سے آخری بادشاہ ذونواس یہودی کی طرف کی گئی ہے جو مشرک تھا اور اس نے ایسے بیس ہزار افراد کو خندقوں میں ڈال کر زندہ جلا دیا تھا جو عیسائی بن گئے تھے اور انہوں نے خدا پرستی چھوڑ کر بت پرستی کرنے سے

انکار کر دیا تھا، اسی طرح صحیح مسلم وغیرہ میں ساحر، راہب اور غلام کا قصہ بھی منقول ہے، جب ایک نوجوان لڑکے کی استقامت دیکھ کر ہزاروں لوگوں نے ایمان قبول کرلیا اور بادشاہ وقت کی دھمکیوں کے باوجود وہ ایمان سے باز نہ آئے تو ان سب کو خندقوں میں دہکتی ہوئی آگ کے حوالے کر دیا گیا۔ (۱۔۹)

تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو ایسے کئی واقعات کا پتہ چلتا ہے جب مذہبی اور نظریاتی اختلافات کی بنا پر مخالفین نے ایک دوسرے کو زندہ جلا دیا، آج کی دنیا جسے اپنے مہذب، ماڈرن اور ترقی یافتہ ہونے پر بڑا ناز ہے، ڈیزی کٹر اور اس سے بھی زیادہ خطرناک بم مسلمانوں پر استعمال کر رہی ہے جو دیکھتے ہی دیکھتے پوری پوری بستی اور شہر کو جلا کر راکھ کر دیتے ہیں۔ ہیروشیما اور ناگاساکی میں جو کچھ ہوا کیا یہ آگ کی خندقوں سے کم تھا؟ ہمارے سامنے افغانستان اور عراق میں جو آگ جلائی گئی کیا یہ آگ ذونواس کی آگ سے کم درجہ کی تھی؟ نہیں اس کی آگ سے کئی گناہ زیادہ مہلک اور خطرناک آگ تھی جس کا نشانہ کلمہ پڑھنے والے نوجوانوں، بوڑھوں، بچوں، مردوں اور عورتوں کو بنایا گیا! فلسطین میں کیا ہو رہا ہے؟ آگ ہی تو ہے جو مسلمانوں پر برسائی جا رہی ہے اور پورے پچاس سال سے مسلسل برسائی جا رہی ہے، عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ کیسے بیس ہزار افراد زندہ جلا دیا گیا۔

ایسے لوگوں کو وعید سنائی گئی ہے ''جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو ستایا پھر توبہ نہ کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور جلنے کا عذاب ہے۔'' (۱۰)

سورت کے اختتام پر اللہ کی عظمت اور انتقام کی قدرت کا بیان ہے، اس کی پکڑ بڑی سخت ہے وہ جب کسی کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے تو اسے کوئی نہیں چھڑا سکتا۔ فرعون کا انجام اس دعویٰ کی دلیل اور اس پر گواہ ہے۔ (۱۲۔۲۲)

سورۃ الطارق...... سورۂ طارق مکی ہے، اس میں ۱۷ آیات ہیں، اس سورت کی ابتدائی آیات میں اللہ نے آسمان کی اور رات کو چمکنے والے ستارے کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ ہر انسان پر اللہ کی طرف سے نگہبان فرشتہ مقرر ہے، ''حافظ'' کا معنی نگران بھی ہے اور محافظ بھی، یہاں دونوں معنی کیے جا سکتے ہیں، ہر انسان کے ساتھ ایسے فرشتے لگے ہوئے ہیں جو اس کے اعمال کی نگرانی کرتے ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے اس کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ (۱۔۴)

اگلی آیات میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب انسان عدالت الٰہیہ کے روبرو کھڑا ہو گا تو اس کے پوشیدہ راز ظاہر کر دیے جائیں گے (۹۔۱)

سورت کے اختتام پر قرآن کی صداقت اور اس کے قول فیصل ہونے پر قسم کھائی گئی ہے اور کفار کو وعید سنائی گئی ہے۔(۱۱۔۱۷)

سورۃ الاعلیٰ......سورۂ اعلیٰ مکی ہے، اس میں ۱۹ آیات ہیں، اس سورت میں تین اہم مضامین بیان ہوئے ہیں۔

① ......ابتدائی آیات میں اللہ کی ذات وصفات کے اعتبار سے اس کی تسبیح وتقدیس بیان کرنے کا حکم دیا گیا، اس نے انسان کو پیدا کیا، اسے پرکشش صورت سے نوازا اور سعادت وایمان کا راستہ دکھایا(۱۔۳)

② ...... یہ سورت قرآن کریم کا ذکر کرتی ہے اور اس کے حفظ کے آسان ہونے کی بشارت سناتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتی ہے کہ آپ نفوس کی اصلاح اور اخلاق کی درستگی کے لیے قرآن کے ذریعے نصیحت کیجئے، جس کے دل میں خوف خدا ہوگا وہ ضرور نصیحت قبول کرلیں گے۔(۶۔۱)

③ ......سورت کے اختتام پر بتایا گیا ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو گناہوں کی آلائش سے پاک کرلے گا، اسے اچھے جذبات وخیالات سے سنوار لے گا، اپنے دل میں اللہ کی عظمت اور جلال پیدا کرلے گا اور دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دے گا وہ کامیاب ہوگا، یہ وہ اصول ہے جو تمام صحیفوں اور شریعتوں میں بیان ہو چکا ہے۔(۱۴۔۱۹)

سورۃ الغاشیہ......سورۂ غاشیہ مکی ہے، اس میں ۲۶ آیات ہیں، قیامت کے ناموں میں سے ایک نام غاشیہ بھی ہے یعنی چھپا لینے والی، قیامت کو ''غاشیہ'' اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی ہولناکیاں ساری مخلوق کو ڈھانپ لیں گی، یہ سورت بتاتی ہے کہ قیامت کے دن کچھ چہرے ذلیل ہوں گے، انہوں نے بڑی محنت کی ہوگی جس کی وجہ سے تھکے تھکے محسوس ہوں گے۔ علماء کہتے ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں بڑی عبادت وریاضت کی ہوگی لیکن چونکہ ان کے عقائد صحیح نہیں تھے اس لیے یہ عبادت ان کے کسی کام نہیں آئے گی، یہ چہرے دہکتی ہوئی آگ کا ایندھن بنیں گے اور بعض چہرے تر وتازہ اور پررونق ہوں گے، یہ وہ چہرے ہوں گے جنہوں نے دنیا میں صحیح رخ پر محنت کی ہوگی اور ان کے عقائد میں بھی باطل کی آمیزش نہیں ہوگی، ان کا مسکن بلند وبالا جنتیں ہوں گی۔

دوسرا اہم مضمون جو اس سورت میں بیان ہوا ہے وہ رب العلمین کی وحدانیت کے تکوینی دلائل ہیں، ان میں سے اونٹ ہے جسے صحرائی جہاز بھی کہا جاتا ہے، طویل قد وقامت کے باوجود

ایک بچہ بھی اس کی نکیل پکڑ کر جہاں چاہے لے جاتا ہے۔اس کا صبر کا یہ حال ہے کہ دس دس تک پیاس برداشت کرلیتا ہے، اس کی غذا بہت سادہ ہوتی ہے ایسی جھاڑیوں سے پیٹ بھر لیتا ہے جنہیں کوئی بھی چوپایہ کھانا گوارا نہیں کرتا۔ان دلائل میں بلند وبالا آسمان بھی ہے جو کسی ستون کے بغیر کھڑا ہے، زمین ہے جسے یوں بچھایا گیا ہے کہ اس پر چلنا بھی آسان اور کھیتی باڑی بھی آسان۔ پہاڑ ہیں جو زمین کو زلزلوں کی زد میں آنے سے بچاتے ہیں۔ منکرین توحید کو ان دلائل کی طرف متوجہ کرنے کے بعد اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ کے ذمہ صرف نصیحت کردینا ہے، آپ اپنی ذمہ داری ادا کردیجئے پھر ان کا معاملہ اور حساب ہم پر چھوڑ دیجئے۔

سورۃ الفجر......سورۂ فجر مکی ہے، اس میں ۳۰ آیات ہیں، اس سورت کی ابتدا میں اس پر چار قسمیں کھائی گئیں ہیں کہ کفار پر اللہ کا عذاب واقع ہوکر رہے گا، اس کے بعد سورۂ فجر میں تین مضامین نمایاں طور پر مذکور ہوتے ہیں۔

① ......قوم عاد، ثمود اور فرعون جیسے متکبروں اور فسادیوں کے قصے اجمالی طور پر ذکر کیے گئے ہیں جو اپنی سرکشی ارجرائم کی وجہ سے اللہ کے عذاب کے مستحق ٹھہرے۔(۶-۱۴)

② ......اللہ کی سنت اور دستور یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں انسان کو خیر وشر، فقر وغنیٰ اور صحت وبیماری جیسی آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے۔انسان کی طبیعت ایسی ہے کہ وہ اپنے رب کے فضل واحسان کا شکرادا نہیں کرتا اور اللہ کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں خرچ نہیں کرتا وہ مال کی محبت میں بڑا حریص ہے، اس کا پیٹ بھرتا ہی نہیں۔(۱۵-۲۰)

③ ......قیامت کے دن جو زلزلے اور ہولناک حالات پیش آئیں گے ان کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ انسان دو قسموں میں تقسیم ہوجائیں گے، شقی لوگ اللہ کے غضب کے حقدار ہوں گے اور نفس مومن، جسے نفس مطمئنہ کہا گیا ہے اسے اپنے رب کی طرف لوٹنے اور جنت میں داخل ہونے کے لیے کہا جائے گا۔(۲۱-۳۰)

سورۃ البلد......سورۂ بلد مکی ہے، اس میں ۲۰ آیات ہیں، اس سورت کا موضوع انسان کی سعادت اور شقاوت ہے، سورت کی ابتدا میں اللہ نے تین قسمیں کھا کر فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے یعنی اس کی زندگی محنت ومشقت اور جفاکشی سے عبارت ہے، کبھی فقر وفاقہ، کبھی بیماری اور دکھ، کبھی حوادث اور آلام، پھر بڑھاپا اور موت، قبر کی تاریکی اور منکر نکیر کے سوالات، قیامت اور اس کی ہولناکیاں غرضیکہ ابتدا سے انتہا تک مشقت ہی مشقت!(۱-۴)

اس کے بعد ان کفار کا تذکرہ ہے جنہیں اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا، وہ فخر وریا کی نیت سے

اموال خرچ کرتے تھے، ایسے لوگوں کو آنکھوں، ہونٹوں، زبان اور ہدایت جیسی نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں (۵۔۱۰)

پھر قیامت کے شدائد و مصائب کا تذکرہ ہے جن سے ایمان اور عمل صالح کے علاوہ کوئی چیز چھٹکارا نہیں دے سکتی، سورت کے اختتام پر انسانوں کو ''اونچی گھاٹی'' پر چڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اونچی گھاٹی سے مراد وہ اعمال ہیں جو نفس پر شاق گزرتے ہیں یعنی انسانوں کی گردنیں چھڑانا غلامی سے، قید و بند سے اور جہنم کی آگ سے یونہی یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلانا، اس کے ساتھ چند اور صفات کا ہونا بھی ضروری ہے۔ یعنی ایمان باللہ، ایک دوسرے کو صبر کی اور آپس میں رحم کرنے کی وصیت۔

سورۃ الشّمس...... سورۂ شمس مکی ہے، اس میں ۱۵ آیات ہیں، اس سورت کا اصل مقصود نیکیوں کی ترغیب اور معاصی سے بچاؤ اور تحذیر ہے۔ اس سورت کی ابتدا میں تکوینی مخلوقات میں سے سات ایسی چیزوں کی قسم کھائی ہے جو سب کی سب اللہ کی قدرت اور وحدانیت کے آثار ہیں، یعنی سورج، چاند، دن، رات، آسمان، زمین اور نفس انسانی، ان چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ اگر انسان اپنے رب سے ڈرے اور اپنے نفس کا تزکیہ کرلے تو وہ کامیاب ہوجاتا ہے اور اگر اس کی ترغیب سے غفلت اختیار کرے اور اس کو گندگی میں پڑا رہنے دے تو ناکام ہوجاتا ہے۔ (۱۔۱۰)

اللہ نے انسان کے اندر نیکی اور بدی دونوں کی صلاحیت رکھی ہے، اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ کونسی صلاحیت کو بروئے کار لاتا ہے، اس تفصیل کے بعد یہ سورت ہمارے سامنے مثال اور نمونہ کے طور پر قوم ثمود کا قصہ بیان کرتی ہے جس نے اپنے نفس کا تزکیہ نہ کیا بلکہ اسے معاصی کا عادی بنادیا جس کی وجہ سے وہ ہلاکت کے مستحق ہوگئے۔

سورۃ الیل...... سورۂ لیل مکی ہے، اس میں ۲۱ آیات ہیں، اس سورت کا موضوع انسانوں کے مختلف قسم کے اعمال اور جدوجہد ہے جب اعمال اور جہد وسعی کا رخ مختلف ہو تو اس کے نتائج بھی مختلف برآمد ہوتے ہیں، اس کی ابتدائی آیات میں تین قسمیں کھا کر فرمایا گیا ہے کہ اے انسانو! تمہاری سعی مختلف ہے کوئی متقی ہے اور کوئی شقی ہے، کوئی مومن ہے اور کوئی کافر، کوئی اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور کوئی بخل کرتا ہے، کوئی اللہ سے ڈرنے والا ہے اور کسی نے بے نیازی اختیار کر رکھی ہے، کوئی بھلائی کی بات کی تصدیق کرتا ہے اور کوئی تکذیب کرتا ہے، انسانوں میں سے جو کوئی اپنے لیے جس قسم کی راہ کا انتخاب کرتا ہے، ہم اس راہ پر چلنا اس کے لیے آسان کردیتے ہیں۔ (۱۔۱۰)

سورت کے اختتام پر بتایا گیا کہ اہل ایمان کو رب تعالیٰ دوزخ کے عذاب سے بچالے گا اوراس کے لیے ایک مومن صالح کا قصہ بیان کیا ہے جو اپنا مال صرف رضاء الٰہی کی خاطر خرچ کرتا تھا۔ تمام تفاسیر میں ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جن کا مال جہاد کی تیاری، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے میں خرچ ہوتا تھا جو قبول اسلام کی وجہ سے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔

سورۃ الضحیٰ ...... سورۂ ضحیٰ مکی ہے، اس میں ۱۱ آیات ہیں، اس سورت کا موضوع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہے اور اس میں چار مضامین بیان ہوئے ہیں۔

① ...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ اللہ نے نہ تو آپ کو چھوڑا ہے اور نہ ہی آپ سے ناراض ہوا ہے۔ (۱۔۳)

آپ کے مخالفین اگر حسد اور دشمنی کی بنا پر ایسی باتیں کرتے ہیں تو قطعاً جھوٹ بولتے ہیں۔

② ...... آپ کو دو عظیم بشارتیں سنائی گئی ہیں پہلی یہ کہ آپ کا مستقبل، حال موجود سے بہتر ہوگا یا یہ کہ آپ کی آخرت، دنیا سے بہتر ہوگی اور یہ کہ اللہ آپ کو دنیا اور آخرت میں اتنا عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔

③ ...... پھر اللہ نے اپنے تین احسانات یاد دلائے ہیں، آپ یتیم تھے ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا، آپ دین سے بے خبر تھے ہم نے آپ کو اس کا راستہ دکھایا، آپ تنگدست تھے ہم نے آپ کو غنی کر دیا۔ (۶۔۸)

④ ...... ان تین نعمتوں کے مقابلے میں آپ کو تین وصیتوں کی صورت میں، گویا شکر کی تلقین کی گئی ہے یعنی یتیم پر سختی نہ کیجئے، سائل کو جھڑکیے نہیں اور رب کی نعمتوں کا تذکرہ کیا کریں۔ (۹۔۱۱)

سورۃ الانشراح ...... سورۂ انشراح مکی ہے، اس میں ۸ آیات ہیں، اس سورت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، آپ کی عظمت اور مقام کا بیان ہے۔ اس سورت میں چار مضمون بیان ہوئے ہیں:

① ...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کے تین احسانات:

- ...... شرح صدر یعنی اللہ نے آپ کے دل کو حکمت و نور سے بھر دیا اور ہر قسم کے گناہوں اور گندگی سے پاک کر دیا۔
- ...... آپ سے اس بوجھ کو ہٹا دیا جس نے آپ کی کمر کو بوجھل کر رکھا تھا یعنی نبوت اور رسالت کا

بوجھ اور اس کے واجبات اور ذمہ داریوں کی ادائیگی۔

• ......آپ کے ذکر کو بلند کر دیا کہ جہاں جہاں اللہ کا ذکر وہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر، چاہے اذان ہو یا اقامت، تشہد ہو یا خطبہ (۴۔۱)

② ......اللہ نے مشکلات کو آسان کرنے اور پریشانیوں کو دور کرنے کا وعدہ فرمایا۔ (۶۔۵)

③ ......آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ تبلیغ ودعوت کی ذمہ داری ادا کرنے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے اس کی عبادت میں لگ جائیں اور اس میں اپنے آپ کو تھکا دیں۔

④ ......سب کچھ کرنے کے بعد اللہ پر توکل کریں اور تمام معاملات میں اسی کی طرف رغبت کریں۔

سورۃ التین ......سورۂ تین مکی ہے، اس میں ۸ آیات ہیں، اس میں تین امور بیان ہوئے ہیں جن کا انسان سے اور اس کے عقیدے سے تعلق ہے:

① ......نوع انسانی کی تکریم، اس کی تکریم کے مختلف پہلو ہیں، یہاں ان میں سے ایک پہلو کا بیان ہے، وہ یہ کہ انسان کو بہت خوبصورت پیدا کیا گیا ہے، یہ خوبصورتی جسمانی اور ظاہری شکل کے اعتبار سے بھی ہے اور عقلی وروحانی کمالات کے اعتبار سے بھی۔

② ......جب انسان انسانیت کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا اور ناشکرا پن کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اسے نیچوں سے بھی نیچے گرا دیا جاتا ہے، حیوانی اور شہوانی زندگی کو اپنا مقصد بنا کر وہ حیوانوں سے بھی زیادہ پستی میں جا گرتا ہے۔ البتہ ایمان وعمل صالح والے اس پستی سے بچے رہتے ہیں۔

③ ......وہ اللہ جو پانی کے ایک قطرے سے ایسا خوبصورت انسان پیدا کر سکتا ہے وہ انسان کو دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے، ویسے بھی دوبارہ پیدا کرنا اور حساب وجزا اس کے حاکم اور عادل ہونے کا تقاضا ہے۔

سورۃ العلق ......سورۂ علق مکی ہے، اس میں ۱۹ آیات ہیں، اہل علم کہتے ہیں کہ سورۂ علق سے لے کر آخر تک جو چھوٹی چھوٹی سورتیں آتی ہیں ان میں قرآنی تعلیمات کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے۔ اس سورت کی پہلی آیات سے پہلے نازل ہوئی تھیں، اس سورت میں تین اہم مضامین بیان ہوئے ہیں:

① ......انسان کی تخلیق میں اللہ کی حکمت، اس نے قرأت اور کتابت کے ذریعے سے انسان کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔ (۵۔۱)

② ......مال ودولت کی وجہ سے اللہ کے حکموں کے سامنے سرکشی، اس کی نعمتوں کا انکار اور

غفلت۔(۸۔۶)

انسان کے غرور اور سرکشی کی ایک اہم وجہ مال و دولت بھی ہے، جب پیٹ اور خزانہ بھرا ہوا ہوتو وہ نہ انسان کو انسان سمجھتا ہے اور نہ خدا کو معبود اور مسجود!

③ ......اس امت کے فرعون ابو جہل کا قصہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈراتا دھمکاتا تھا اور اللہ کی عبادت سے روکتا تھا۔(۱۹۔۹)

سورۃ القدر......سورۂ قدر مکی ہے،اس میں ۵ آیات ہیں،اس سورت کی ابتدا میں انسانوں پر اللہ کے عظیم احسان کا ذکر ہے جو کہ کتاب مبین کو نازل کرنے کی صورت میں ہوا،اسی طرح اس سورت میں لیلۃ القدر کی فضیلت بیان ہوئی ہے،اس میں پہلی فضیلت یہ ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت کے برابر ہے۔ دوسری فضیلت یہ ہے کہ اس رات میں غروب آفتاب سے لیکر طلوع فجر تک فرشتے امن وسلامتی اور رحمت و برکت کا پیغام لے کر نازل ہوتے رہتے ہیں۔

واضح رہے کہ لیلۃ القدر میں نزول قرآن کا معنی یہ ہے کہ اس رات میں اس کے نزول کی ابتدا ہوئی۔

سورۃ البینہ......سورۂ بینہ مدنی ہے،اس میں ۸ آیات ہیں،اس سورت میں تین امور سے بحث کی گئی ہے:

① ......اہل کتاب کا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بارے میں موقف، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا انتظار کر رہے تھے لیکن ان کا خیال یہ تھا کہ آخری نبی بنی اسرائیل میں سے ہوگا۔لیکن جب ایسا نہ ہوا تو انہوں نے آپ کی نبوت کو جھٹلا دیا،اس سورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بینہ اور واضح حجت اور دلیل قرار دیا گیا ہے۔اس میں شک ہی کیا ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی خود ایک بہت بڑا معجزہ اور حق وصداقت کی واضح دلیل تھی۔زنا،شراب نوشی،قتل وغارت گری،بت پرستی اور ڈاکہ زنی کے ماحول میں چالیس سال گزارے،کسی جنگل اور خلوت خانہ میں نہیں،گلی کوچوں اور سوسائٹی میں فعال کردار ادا کرتے ہوئے گزارے۔لیکن سیرت کے دامن پر نجاست کا کوئی خفیف ترین دھبہ بھی نہ تھا،کسی بدترین دشمن کو بھی جرأت نہ ہوئی کہ آپ کے کردار پر انگلی اٹھا سکتا۔

② ......یہ سور دین و ایمان کی بنیادی نشاندہی کرتی ہے اور وہ ہے اخلاص،کوئی عمل بغیر ایمان کے اور ایمان بغیر اخلاص کے معتبر نہیں ہر نبی نے اپنی امت کو اس بنیاد کی دعوت دی۔(۵)

③ ...... یہ سورت اشقیاء اور سعداء یعنی کافروں اور مومنوں دونوں کا انجام بیان کرتی ہے ۔ (۶۔۸)

سورۃ الزلزال ...... سورۂ زلزال مدنی ہے، اس میں ۸ آیات ہیں، مدنی ہونے کے باوجود اس کا موضوع اور مضامین مکی سورتوں جیسے ہیں، یہ سورت دو مقاصد پر مشتمل ہے۔

① ...... اس میں اس زلزلے کی خبر دی گئی ہے جو قیامت سے پہلے واقع ہوگا اور سارے انسان اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور زمین انسان کے اعمال پر گواہی دے گی۔

② ...... لوگ حساب و کتاب کے لیے اللہ کے سامنے پیش ہوں گے پھر ان کے اعمال کے مطابق انہیں دو قسموں میں تقسیم کیا جائے گا، بعض شقی ہوں گے اور بعض سعید اور ان میں سے ہر ایک اپنے چھوٹے بڑے اعمال بڑے اعمال کی جزا دیکھ لے گا۔

سورۃ العادیات ...... سورۂ عادیات مکی ہے، اس میں ۱۱ آیات ہیں، اس سورت میں تین اہم مضامین بیان ہوئے ہیں:

① ...... مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم کھا کر فرمایا گیا کہ انسان بڑا ناشکرا ہے اور اس کے ناشکرا ہونے پر خود اس کے اعمال گواہ ہیں۔ (۱۔۷)

گھوڑا اپنے مالک کا وفادار ثابت ہوتا ہے، اسے خوش کرنے کے لیے تیروں کی بارش اور کوندتی تلواروں میں گھس جاتا ہے۔ مگر ہائے رے انسان کہ یہ اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اپنے مالک حقیقی سے بے وفائی کرتا ہے۔

② ...... انسان کی فطرت اور طبیعت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے، اس کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو دوسری تلاش کرتا ہے اور دوسری ہو تو تیسری تلاش کرتا ہے اور اس کے منہ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔

③ ...... انسان کو ان اعمال صالحہ پر برانگیختہ کیا گیا ہے جو اسے اس وقت فائدہ دیں گے جب اسے حساب و جزا کے لیے پیش کیا جائے گا اور بندوں کے سینوں میں جو راز ہیں، آشکارا کر دیئے جائیں گے۔

سورۃ القارعۃ ...... سورۂ قارعہ مکی ہے، اس میں ۱۱ آیات ہیں، اس سورت میں قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرایا گیا ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو نظام کائنات میں بڑی بڑی تبدیلیاں واقع ہوں گی جو انسان کو حیران اور ششدر کر دیں گی (۱۔۵)

سورت کے اختتام پر بتلایا گیا کہ قیامت کے دن انسان کے اعمال کا وزن ہوگا، کسی کی

حسنات زیادہ ہوں گی اور کسی کی سیئات اور انہی کے اعتبار سے انسان کے انجام کا تعلق ہوگا۔

سورۃ التکاثر......سورۂ تکاثر مکی ہے، اس میں ۸ آیات ہیں، اس سورت میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو صرف دنیا کی زندگی کو اپنا مقصد بنا لیتے ہیں اور دنیا کا ایندھن جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں، ان کے انہماک کو دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ انہیں دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے لیکن پھر اچانک موت کے آجاتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور انہیں قصر سے قبر کی طرف۔ منتقل ہونا پڑتا ہے، ان لوگوں کو ڈرایا گیا کہ قیامت کے دن تمام اعمال کے بارے میں سوال ہوگا۔ (۳۔۴)

پھر تم جہنم کو ضرور دیکھو گے اور تم سے اللہ کی نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ امن، صحت، فراغت، اکل وشرب، مسکن، علم اور دولت جیسی نعمتوں کو کہاں استعمال کیا؟

سورۃ العصر......سورۂ عصر مکی ہے، اس میں ۳ آیات ہیں، یہ مختصر سی سورت اسلام کے عظیم اصولوں اور انسانی زندگی کے دستور کی وضاحت کرتی ہے۔ اس سورت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر لوگ صرف اس سورت میں تدبر کر لیں تو یہ سورت ان کی نجات کے لیے کافی ہوسکتی ہے، اس سورت کی ابتدا میں اللہ نے زمانے کی قسم کھا کر فرمایا کہ سارے کے سارے انسان خسارے میں ہیں چاہے وہ مادی اور ظاہری اسباب سے مالا مال کیوں نہ ہوں۔ البتہ جو چار صفات سے متصف ہوں گے وہ خسارے سے بچ جائیں گے یعنی ایمان، عمل صالح، ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین۔

سورۃ الھمزہ......سورۂ ہمزہ مکی ہے، اس میں ۹ آیات ہیں، اس سورت میں انسان کی تین بیماریوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

پہلی بیماری ہے پس پشت کسی کے عیب بیان کرنا، اسے غیبت کہتے ہیں اور غیبت بدترین گناہ ہے۔

دوسری بیماری ہے کسی کو اس کے سامنے اس کے حسب ونسب، دین ومذہب اور شکل وصورت کا طعنہ دینا، اس کا مذاق اڑانا، یہ منافقین کی عادت تھی، وہ غریب مسلمانوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے، یوں ہی یہود ونصاریٰ دین حق کا مذاق اڑاتے ہیں۔

تیسری بیماری ہے حب دنیا جس میں مبتلا ہو کر انسان حقوق اللہ بھی بھول جاتا ہے اور حقوق العباد بھی بھول جاتا ہے اور اس کے دل میں اللہ کی محبت کے لیے کوئی جگہ نہیں رہتی، بقول حضرت میاں نور محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے۔

بھر رہا ہے دل میں حب جاہ ومال
کب سماوے اس میں حب ذوالجلال

سورت کے اختتام پر ان اشقیاء کا انجام بتلایا گیا ہے جو ان بیماریوں میں مبتلا ہوں گے۔(۸۔۵)

سورۃ الفیل...... سورۂ فیل مکی ہے، اس میں ۵ آیات ہیں، اس سورت میں وہ مشہور قصہ بیان ہوا ہے جو اصحاب فیل کے قصہ کے نام سے مشہور ہے، جب صنعاء کے گورنر ابرہہ نے ہاتھیوں کا لشکر لے کر کعبہ پر چڑھائی کی تھی، اس کے ساتھ کم وبیش ساٹھ ہزار جنگجو تھے، قریش اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے، اللہ نے چھوٹے چھوٹے پرندے کنکریاں دے کر بھیج دیئے، ان کنکریوں نے جدید بموں کی طرح تباہی مچادی، یہ واقعہ اسی سال پیش آیا جس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور یہ واقعہ اس بات کی نشاندہی کرتا تھا کہ عنقریب کعبہ کا حقیقی محافظ پیدا ہونے والا ہے۔

سورۃ القریش...... سورۂ قریش مکی ہے، اس میں ۴ آیات ہیں، اس سورت میں اللہ نے قریش پر اپنے دو بڑے احسانات بیان فرمائے ہیں۔

پہلا یہ کہ وہ بلا خوف وخطر قریش گرمیوں میں شام کی طرف اور سردیوں میں یمن کی طرف تجارتی سفر کیا کرتے تھے اور یہ تجارتی سفر ان کا بہت بڑا ذریعہ معاش تھے۔ دوسرا احسان یہ کہ انہیں بلد حرام میں امن، اطمینان اور تحفظ کی نعمت حاصل تھی۔ یہ دو نعمتیں ذکر فرما کر انہیں سمجھایا گیا ہے کہ خود فریبی، خود پسندی اور قوم پرستی سے باز آ جاؤ اور بیت اللہ کے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔

سورۃ الماعون...... سورۂ ماعون مکی ہے، اس میں ۷ آیات ہیں، اس سورت میں اختصار کے ساتھ انسانوں کے دو گروہوں کا ذکر ہے۔

① ...... وہ کافر جو قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، یتیموں کے حقوق دبا لیتے ہیں اور ان کے ساتھ سختی کا معاملہ کرتے ہیں، غرباء اور مساکین کو نہ خود کھلاتے ہیں اور نہ دوسروں کو ترغیب دیتے ہیں۔ گویا کہ نہ تو اللہ کے ساتھ ان کا معاملہ صحیح ہے اور نہ اللہ کے بندوں کے ساتھ۔

② ...... دوسرا گروہ منافقین کا ہے ان کی تین صفات قبیحہ یہاں بیان کی گئی ہیں:

پہلی یہ کہ وہ نماز سے غافل ہیں، یہ غفلت دو اعتبار سے ہو سکتی ہے، ایک یہ کہ نماز ادا ہی نہ جائے۔

دوسری یہ کہ نماز تو پڑھی جائے مگر نہ وقت کی پابندی کا لحاظ ہو اور نہ خشوع وخضوع ہو۔
دوسری صفت یہ کہ وہ دکھاوے کے لیے اعمال کرتے ہیں۔
تیسری صفت یہ کہ وہ ایسے بخیل ہیں کہ عام ضرورت کی چیز دینے سے انکار کردیتے ہیں۔

سورۃ الکوثر...... سورۂ کوثر مکی ہے، اس میں ۳ آیات ہیں، اس سورت میں تین مقاصد بیان ہوئے ہیں:

① ...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا فضل واحسان کہ اس نے آپ کو کوثر عطا کی، کوثر جنت کی وہ نہر ہے جہاں قیامت کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیوں کو جام بھر کر پلائیں گے۔ چونکہ کوثر کا معنی خیر کثیر ہے اس لیے نبوت، کتاب، حکمت، علم، حق، شفاعت، مقام محمود، معجزات اور قرآن کریم کو بھی کوثر قرار دیا گیا ہے۔

② ...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ کوثر جیسی عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے آپ نماز کی پابندی فرمائیں اور اللہ کے لیے قربانی دیں۔

③ ...... آپ کو یہ بشارت سنائی گئی کہ آپ کے دشمن ذلیل وخوار ہوں گے اور ان کا نام ونشان مٹ جائے گا چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

سورۃ الکافرون...... سورۂ کافرون مکی ہے، اس میں ۶ آیات ہیں، یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتی دی کہ آؤ! ''کچھ لو اور دو'' کی بنیاد پر ہم آپس میں مصالحت کرلیں، ایک سال آپ ہمارے خداؤں کی عبادت کرلیا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کرلیا کریں گے، اس سورت نے ایمان وکفر، موحدین اور مشرکین کے درمیان حد فاصل قائم کردی اور بتادیا کہ توحید اور شرک دو متصادم نظام ہیں، دونوں میں مصالحت کی کوئی صورت نہیں، یوں کفار کی امیدوں کا خاتمہ کردیا اور ہمیشہ کے لیے واضح کردیا کہ ایمان میں کفر کی ملاوٹ نہیں ہوسکتی۔

سورۃ النصر...... سورۂ نصر مدنی ہے، اس میں ۳ آیات ہیں۔ یہ سورت فتح مکہ کی طرف اشارہ کرتی ہے، یہ سورت ۱۰ھ میں نازل ہوئی، اس کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے میری موت کی اطلاع دی گئی ہے''

اس لیے حضور کی بعثت کا مقصد پورا ہو چکا تھا، جب آپ نے دعوت کا آغاز کیا تھا تو اسے قبول کرنے والے اکا دکا تھے۔ لیکن اب لوگ جماعت در جماعت اور قبیلہ در قبیلہ دین اسلام میں داخل ہورہے تھے، اس لیے آپ کو حکم دیا گیا کہ ان فتوحات اور نعمتوں پر اللہ کا شکر اور اس کی تسبیح

اور عظمت بیان کریں۔

سورۃ اللھب ......سورۂ لہب مکی ہے، اس میں ۵ آیات ہیں، یہ سورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا مگر بدترین دشمن ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کا انجام بتلاتی ہے، اس شخص کو اپنے مال اور اولاد پر بڑا غرور تھا لیکن مال و اولاد اسے اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے۔ یہ دونوں میاں بیوی ذلت آمیز اور عبرتناک انجام سے دوچار ہوئے۔

سورۃ الاخلاص ......سورۂ اخلاص مکی ہے، اس میں ۴ آیات ہیں، یہ سورت اسلام کے بنیادی عقیدہ یعنی توحید سے بحث کرتی ہے۔ توحید کی تین قسمیں ہیں:

① ......توحید ربوبیت یعنی ہر چیز کا خالق، مالک اور رازق اللہ ہے، اس کا اقرار کافر بھی کرتے ہیں۔

② ......توحید الوہیت یعنی بندہ جو بھی عبادت کرے خواہ دعا ہو یا نذر قربانی تو وہ صرف اللہ کے لیے کرے۔ مشرکین غیر اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے اگرچہ اس سے ان کا مقصد، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا تھا مگر ظاہر ہے یہ شرک ہی تھا۔

③ ......توحید ذات اور اسماء و صفات۔ توحید کی یہ تیسری قسم ایسی ہے کہ انسان نے اکثر اس میں ٹھوکر کھائی ہے، وہ غیر اللہ کے لیے بھی وہی علم، وہی قدرت، وہی تصرف اور وہی سمع و بصر ثابت کر دیتا ہے جو حقیقت میں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے۔ غور کیا جائے تو سورت اخلاص میں زیادہ زور توحید کی اسی قسم پر ہے۔

سورۃ الفلق ......سورۂ فلق مدنی ہے، اس میں ۵ آیات ہیں، اس سورت میں اللہ نے اپنی ایک صفت بیان فرما کر چار چیزوں کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔

① ......مخلوق کے شر سے۔

② ......اندھیرے کے شر سے۔ (عام طور پر چور، شیاطین، جنات، حشرات اور ساحر اندھیرے ہی میں اپنا کام دکھاتے ہیں)۔

③ ...... پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے جو کہ جادو اور ٹونے کرتی ہیں۔ یہ کام اگرچہ مرد بھی کرتے ہیں لیکن عورتیں تعویز گنڈے میں ہمیشہ پیش پیش دکھائی دیتی ہیں اس لیے قرآن نے عورتوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

④ ......حاسد کے شر سے۔

سورۃ الناس ......سورۂ ناس مدنی ہے، اس میں ٦ آیات ہیں، یہ معوذتین میں سے دوسری

سورت ہے اور ان دونوں سورتوں کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کے بارے میں فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج ایسی دو سورتیں نازل ہوئی ہیں کہ ان کی کوئی مثال نہیں''

یعنی اللہ کی پناہ مانگنے میں یہ دونوں سورتیں بے مثال ہیں۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دو سورتوں سے کوئی شخص بھی مستغنی نہیں، یہ جسمانی اور روحانی آفات دور کرنے میں بے حد موثر ہیں۔

قرآن کے آخر میں ان دو سورتوں کے لانے اور سورۂ فاتحہ سے شروع کرنے میں بڑی گہری مناسبت ہے، سورۂ فاتحہ میں بھی اللہ کی مدد مانگی گئی تھی اور ان دونوں سورتوں میں بھی یہی مضمون ہے۔ گویا کہ اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ بندے کو ابتدا سے انتہا تک اللہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے اور اس سے مدد مانگتے رہنا چاہیے۔ سورۂ ناس میں اللہ کی تین صفات مذکور ہیں:

① ربوبیت ② مالکیت ③ الہیت

یہ تین صفات ذکر فرما کر ایک چیز کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ ہے وسوسہ ڈالنے والے کا شر۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وسوسہ کتنی خطرناک اور مہلک بیماری ہے، وسوسہ شیطان بھی ڈالتا ہے اور انسان بھی۔ آج کا سارا مغربی میڈیا مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کے حوالے سے وسوسہ اندازی میں مصروف ہے اور وسوسے کی بیماری بہت عام ہو چکی ہے، اس لیے کثرت کے ساتھ ان دو سورتوں کو وردِ زبان بنانے کی ضرورت ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی سمجھ لیا جائے کہ سورۂ فلق میں ایک صفت ذکر فرما کر چار آیات سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا تھا اور یہاں چار صفات ذکر فرما کر ایک آفت کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے کہ پہلی سورت میں نفس اور بدن کی سلامتی مطلوب ہے جبکہ دوسری سورت میں دین کے ضرر سے بچنا اور اس کی سلامتی مطلوب ہے اور دین کا چھوٹے سے چھوٹا نقصان دنیا کے بڑے سے بڑے نقصان سے زیادہ خطرناک ہے۔

اگر ہم نے قرآن سے سچا تعلق قائم کیے رکھا اور اسے پڑھنے، سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور اسکے سارے حقوق کی ادائیگی کی کوشش کرتے رہے تو ان شاء اللہ! ہمارا اور ہماری آنے والی نسلوں کا دین وایمان محفوظ رہے گا۔